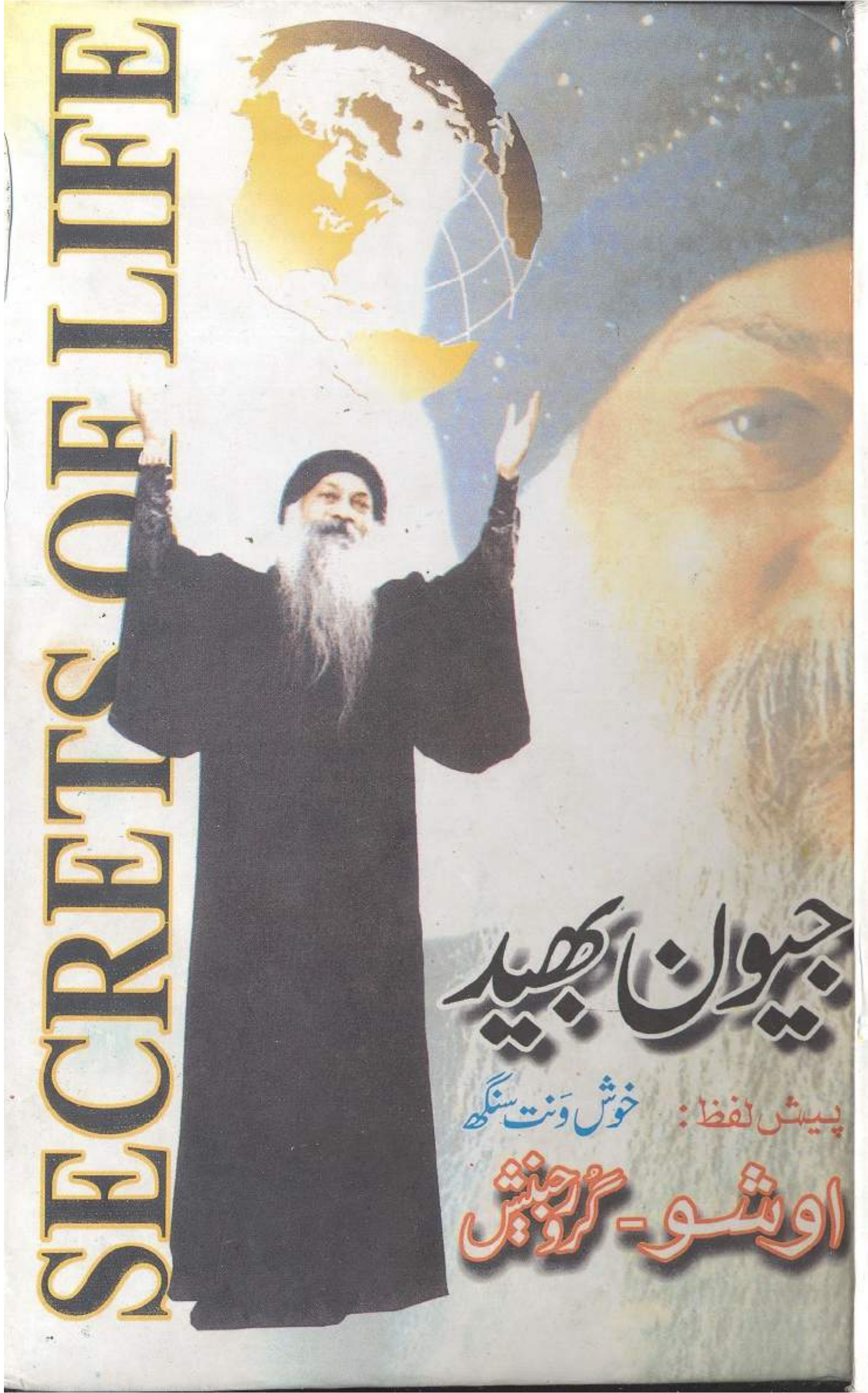
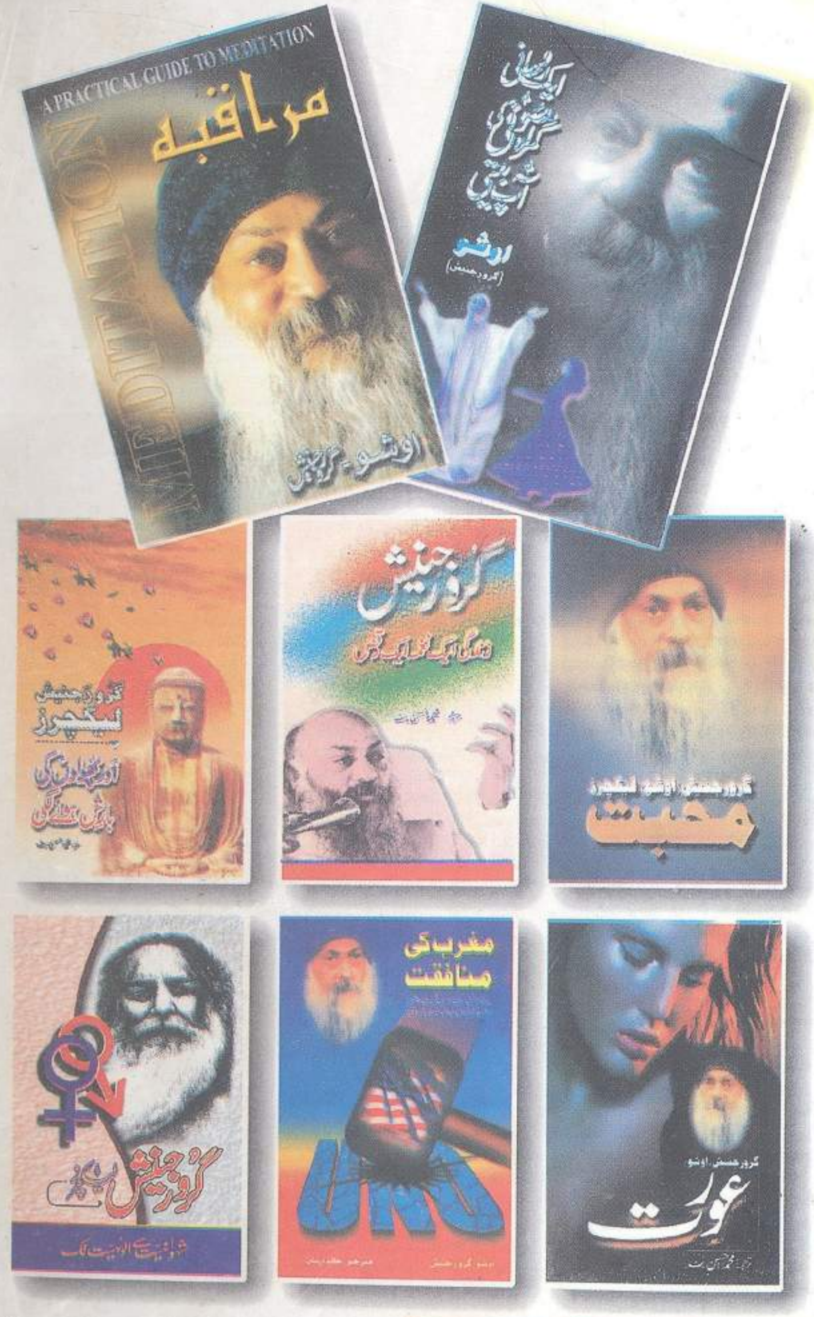


جیون بھید

پیش لفظ : خوش ونت سنگھ

اوشو۔ گرو جنیش



Design - Angles - Khawaja Afzal 6307031-32

24۔مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان
Ph: 0092-42-7322892
Fax: 0092-42-7354205
E-mail: nigarshat@yahoo.com

THE SOURCE OF KNOWLEDGE

NIGARSHAT

جیون بھید

زندگی کے اسرار، اوشو کے افکار
(لیکچرز)

مصنف: اوشو

پیش لفظ: خوش ونت سنگھ

ترجمہ: محمد احسن بٹ

نگارشات پبلشرز

24- مزنگ روڈ، لاہور۔ فون 042-37322892 فیکس 042-37354205
e-mail:nigarshat@yahoo.com
www.nigarshatpublishers.com

A translation of
"SECRETS OF LIFE"
Written by:
OSHO
Translated by:
Mohammad Ahsan Butt
Published by:
Asif Javed

نام کتاب: جیون بھید
مصنف: اوشو (گرورجنیش)
ترجمہ: محمد احسن بٹ
پیش لفظ: خوش ونت سنگھ
ناشر: آصف جاوید
برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔مزنگ روڈ، لاہور
PH:0092-42-37322892 FAX:37354205
مطبع: حاجی منیر پرنٹر، لاہور
کمپوزنگ: عبدالستار
سال اشاعت: 2014ء
قیمت: -/450 روپے

فہرست

پیش لفظ

خوش ونت سنگھ

''اوشو کی تعلیمات کو ایک مختصر مضمون میں سمونا کوزے میں سمندر کو سمونے کے مترادف ہے۔اس نے 35 سال تک روزانہ بے شمار موضوعات پر تقریریں کیں، اس کی 600 کتابیں اور ہزاروں کیسٹیں دستیاب ہیں۔ میں اس کے افکار کی گہرائی کا معترف ہوں۔''

پیش لفظ

میں رجنیش سے صرف ایک بار ملا ہوں۔۔۔یہ 1970ء کی دہائی کے شروع کی بات ہے کہ جب وہ بمبئی میں کیمپس کارنر کے نزدیک ''وڈ لینڈز'' میں رہتا تھا۔ میں اس کے بارے میں اخبارات میں پڑھ چکا تھا اور اس کے دو تین پیروکاروں سے بھی میری ملاقات ہو چکی تھی۔ ان کے پیروکاروں نے زعفرانی رنگ کے لبادے اوڑھے ہوئے تھے اور گلے میں رجنیش کی تصویر والی مالائیں ڈالی ہوئی تھیں۔ اُس زمانے میں وہ ''اچاریہ'' یعنی اُستاد کے لقب سے معروف تھا۔ اُسے ''بھگوان'' اور ''اوشو'' کے القاب کچھ سال بعد ملے۔ مجھے رجنیش سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں تھی، لیکن اس کے کچھ مداحوں نے مجھے قائل کرتے ہوئے کہا کہ وہ دوسرے روحانی پیشواؤں سے مختلف ہے اور وہ مجھے ان سوالوں کے تسلی بخش جواب دے سکتا ہے، کہ جنہوں نے مجھے عاجز کر رکھا ہے۔ میں اُن سوالوں کے جواب پانے کی جستجو میں بہت سے آشرموں میں حاضری دے چکا تھا نیز بہت سے گروؤں اور پنڈتوں کی تقریریں سن چکا تھا۔ ان کے پاس کہنے کو کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ان کی اکثر تقریروں میں اسی بات کو گھما پھرا کر پیش کیا گیا تھا کہ بھگوان ہر انسان کے اندر موجود ہے اور اگر انسان اپنے اندر جھانکے تو گیان، سچ اور حقیقت کو پا سکتا ہے۔ یہ تو نئے جام اور پرانی شراب کے مصداق تھا۔ میرے لیے ان گروؤں کی تعلیمات سے زیادہ دلچسپ شے ان کا ان کے پیروکاروں پر اثر تھا۔ میں اس امر پر غور کرتا تھا کہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے آ کر ان کی تقریریں کیوں سنتے ہیں

اور آشرم کے اصولوں کے مطابق فقر و فاقہ کی زندگی کیوں بسر کرتے ہیں؟ میں سوچتا کہ آخر ایسی کیا شے ہے جو انہوں نے پالی ہے اور جسے پانے سے میں قاصر رہا ہوں؟

میرا کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ میں کچھ جاننے سیکھنے کی بجائے صرف تجسس کے تحت رجنیش سے ملنے چلا گیا۔

پہلے میں نے اس سے ملاقات کا وقت طے کیا۔ مجھے کہا گیا کہ میں کسی قسم کی خوشبو لگا کر نہ آؤں (میں کبھی خوشبو لگاتا ہی نہیں) اور نہ ہی اس روز صبح کے وقت خوشبودار صابن سے نہاؤں۔ میں طے شدہ وقت پر ووڈ لینڈز پہنچ گیا۔ مجھے ایک وسیع و عریض، ہوادار کمرے میں بٹھایا گیا، جس میں ڈھیروں کتابیں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے بتایا گیا کہ ''اچاریہ'' چند منٹ میں تشریف لے آئیں گے۔ انتظار کے لمحات گزارنے کے لیے میں کتابیں دیکھنے لگا۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی میں تھیں، سنسکرت اور ہندی میں لکھی کتابیں چند ایک ہی تھیں۔ موضوعات کی وسعت نے مجھے حیران کر دیا: مذہب، الٰہیات، فلسفہ، تاریخ، ادب، سوانح عمریاں، آپ بیتیاں، طنز و مزاح اور جرائم۔ میں نے سوچا کہ میں جتنے آشرموں میں گیا ہوں، وہاں میں نے کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ کچھ آشرموں میں لائبریریاں تو تھیں لیکن بیشتر کتابیں مذہبی موضوعات پر تھیں یا گروؤں کی تقریروں پر مبنی تھیں۔ دوسرے گرو ہندو مت کی کتابوں، ویدوں، اُپنشدوں اور رزمیوں کے علاوہ کم ہی کوئی کتاب پڑھتے ہیں۔ وہ زرتشتیت، جین مت، عیسائیت اور اسلام کے حوالے سے لکھی گئیں کتابیں پڑھنے کی زحمت شاذ ہی اٹھاتے ہیں جبکہ رجنیش ہر موضوع کی کتابیں پڑھ چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے گروؤں نے صرف اپنے مذہب کا مطالعہ کر رکھا تھا یا ثانوی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں جبکہ رجنیش نے اصل کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنا ایک وسیع المشربانہ عقیدہ وضع کیا تھا۔ جین مہاویر اور بدھ ہندو مت کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ جب زرتشت نے آگ کو پاکیزگی کی علامت بنایا تو وہ کیا کچھ جانتا تھا۔ یہودیت کی اساسی کتابیں ہمارے مطالعے کے لیے موجود ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ عیسائیت نے عہد نامۂ قدیم سے کافی کچھ اخذ کیا ہے۔ ہندوستان کے عظیم دھرموں میں سے ایک سکھ مت کی اساس بہت حد تک ویدانت ہے۔ ماضی کا کوئی اچاریہ عالم فاضل ہونے کا دعوے دار نہیں تھا۔

رجنیش ایسا پہلا عظیم اچاریہ ہے جس نے دوسرے مذاہب کے عقائد کا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسا واحد اچاریہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے، جو کہ تقابلی ادیان کا سکالر بھی ہے۔ صرف اسی حقیقت نے اُسے اس اہل بنا دیا ہے کہ اسے احترام کے ساتھ سنا جائے۔

کچھ دیر کے انتظار کے بعد رجنیش کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک اوسط جسامت کا ہندوستانی تھا۔۔۔ دھان پان سا، سانولے رنگ والا شخص، جو عمر کے اعتبار سے چالیس کے پیٹے میں تھا۔ اس کی لمبی مگر کم گھنی ڈاڑھی کے کناروں کے بال خاکستری ہو چلے تھے۔ اس نے سر پر اونی ٹوپی رکھی ہوئی تھی۔ ٹخنوں تک لمبا لبادہ پہنا ہوا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ اس کی آنکھوں نے متاثر کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سحر طاری کر دینے والی تھیں۔ اس نے ایک روشن مسکراہٹ کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے ''نمسکار'' کہا۔

ہم اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس نے مجھ سے پوچھا ''میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟''

اس کی آواز انتہائی مدھر تھی اور لہجہ خالص ہندوستانی۔

میں نے کہا ''شکریہ، مجھے کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔''

''تو پھر آپ مجھے ملنے کیوں آئے ہیں؟ آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، اور میرا بھی۔''

یہ گفتگو کا کوئی زیادہ اچھا آغاز نہیں تھا۔

میں نے بلا تامل کہا ''میں متجسس ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اتنے لوگ آپ سے ملنے کیوں آتے ہیں۔ انہیں آپ سے کیا حاصل ہوتا ہے؟''

اس نے جواب دیا ''انہیں مسئلے درپیش ہوتے ہیں۔ میں ان کے مسئلے حل کرنے کی اپنی سی بہترین کوشش کرتا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے تو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

میں نے فوراً ایک مسئلہ سوچا۔ میں نے کہا ''میں دہریہ ہوں۔ میں بھگوان کے موجود ہونے پر یقین نہیں رکھتا۔ تاہم، میں موت کے مسئلے کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اٹل ہے لیکن میں نہ تو دوبارہ جنم لینے کے خیال کو قبول کر سکتا ہوں اور نہ حساب

کتاب کے دن کے تصور کو مان سکتا ہوں۔ میرے نزدیک موت حتمی اختتام ہے۔ اس کے باوجود میں اس سے خوفزدہ ہوں۔ میں مرنے سے ڈرتا ہوں۔ میں اپنے ذہن پر ہر وقت مسلط اس خوف سے کس طرح نجات پا سکتا ہوں؟''

وہ جواب دینے سے پہلے اک ذرا خاموش رہا' پھر بولا ''تم درست کہتے ہو۔ موت سے فرار کی کوئی راہ نہیں' نہ ہی انسان کو پتا چلتا ہے کہ یہ کب آئے گی۔ ان حقائق کو یاد رکھو اور مرے ہوئے اور مرتے ہوئے لوگوں کے قریب جاؤ۔ اس طرح موت کی دہشت کم ہو جائے گی۔ یہ کوئی ایسا خوف انگیز واقعہ نہیں ہے۔ اس کے سوا موت کے حوالے سے تم کچھ کر بھی تو نہیں سکتے۔''

مجھے اس کی بات بالکل درست لگی کیونکہ میں کئی سال سے ایسا کر رہا ہوں۔ میں شمشان گھاٹوں اور قبرستانوں میں جاتا ہوں' مرنے والے دوستوں اور رشتہ داروں کی لاشوں کے قریب بیٹھا رہتا ہوں۔ ایسا کرنے سے موت کا خوف کچھ وقت کے لیے تو ختم ہو جاتا تھا' لیکن دوبارہ مجھے آ گھیرتا تھا۔ میں جس زمانے میں رجنیش سے ملا تھا' اس زمانے میں وہ جنم' مرگ اور دوبارہ جنم کے نظریے کو مانتا تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں اس سے مزید سوال پوچھتا۔ میں اس کے جواب سے زیادہ متاثر تو نہیں ہوا' تاہم میں اس تاثر کے ساتھ واپس آیا کہ ایک شخص تو ایسا ہے جس نے مجھے گروؤں' سوامیوں' اچاریاؤں اور پنڈتوں کی گھسی پٹی زبان میں بات کر کے دھوکا نہیں دیا تھا۔ میں اس سے تعلق رکھ سکتا تھا۔ مجھ میں اور اس میں ہم آہنگی تھی۔

میں نے اس کے پس منظر اور اس کے پیغام کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے ایک خوبصورت اطالوی دوشیزہ گارشیا مارسیانو میری دوست بن گئی۔ وہ رجنیش کی پیروکار تھی۔ وہ بیس بائیس سال ہی کی تھی۔ اس کی آنکھیں خاکستری اور بال تانبے کے رنگ کے تھے۔ وہ اپنے بالوں کو زعفرانی رنگ کی پٹی سے باندھے رکھتی تھی۔ وہ زعفرانی رنگ کی قمیص پہنے اور زعفرانی رنگ کی ہی لنگی باندھے ہوتی تھی۔ اس نے گلے میں رجنیش کی تصویر والی مالا بھی ڈالی ہوتی تھی۔ وہ جب بھی مجھے ملنے میرے دفتر آتی' رجنیش اور اس کی تعلیمات کے حوالے سے کچھ لٹریچر لاتی تھی۔ اس نے رجنیش میں میری دلچسپی کو

بڑھا دیا تھا۔ گارشیا کے بارے میں تو میں آگے چل کر لکھوں گا' پہلے رجنیش کے جیون کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔

رجنیش کپڑے کے ایک تاجر کے گیارہ بچوں میں سب سے بڑا تھا۔ وہ 11 دسمبر 1931ء کو مدھیہ پردیش کے ضلع ہوشنگ آباد میں کچ وَدا میں پیدا ہوا۔ اس کا نام چندر موہن رکھا گیا۔ اس نے جین خاندان میں جنم لیا تھا لہٰذا اس کا پورا نام چندر موہن جین تھا۔ اس نے بچپن اپنے ماں باپ سے دور اپنے نانا نانی کے پاس گزارا۔ وہ نانا نانی کا لاڈلا بچہ تھا۔ وہ پڑھائی میں تو اچھا تھا' لیکن ہر وقت شرارتوں پر آمادہ رہتا۔ اس کے اساتذہ' اس کی شرارتوں سے تنگ تھے اور اکثر ہیڈ ماسٹر سے اس کی شکایتیں لگایا کرتے تھے۔ وہ بحث بہت کرتا تھا اور سچ کی جستجو میں رہتا تھا۔ اس کے نانا اس کے بچپن میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ اسے ان کی بیماری اور پھر موت کا شدید صدمہ ہوا۔ جب اس کے نانا بیمار ہوئے تو وہاں نزدیک کوئی ڈاکٹر نہیں تھا۔ وہ انہیں ایک بیل گاڑی میں لٹا کر قریبی شہر کے ہسپتال لے جا رہے تھے کہ وہ راستے ہی میں سورگباشی ہو گئے۔ اس واقعہ نے رجنیش کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ اکثر یہ واقعے سناتا تھا۔

1953ء میں رجنیش نے جبل پور کے ڈی-این-جین کالج سے ایم اے فلسفہ کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کیا۔ تمام مذاہب کے بھرپور مطالعے اور گھنٹوں کے ارتکاز سے اُسے یقین ہو گیا کہ اس نے صوفیانہ تجربے کی رفعتوں کو پا لیا ہے یعنی اسے گیان حاصل ہو گیا ہے۔ اس نے اس واقعے کی ایک تاریخ بھی متعین کی۔۔۔ 21 مارچ 1953ء۔ اس وقت اس کی عمر صرف اکیس سال تھی۔

1958ء میں اسے یونیورسٹی آف جبل پور میں فلسفے کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ یونیورسٹی میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں لیکچر بھی دینے لگا۔ لوگ بڑی تعداد میں اسے سننے کے لیے آنے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جو کچھ کہتا تھا' لوگوں نے پہلے کبھی نہیں سنا ہوتا تھا۔ وہ سحر طاری کر دینے والی آواز کا مالک تھا۔ اس کی روایت شکن تقریریں حکایتوں اور لطیفوں سے آراستہ ہوتی تھیں۔ وہ صدیوں پرانے عقیدوں کو ناقابلِ تردید دلائل سے تہس نہس کر دیتا تھا۔ ہزاروں مرد و زن' جن میں زیادہ

لوگ تعلیم یافتہ تھے' اس کے خیالات کے حامی بن گئے۔ 1974ء میں اس نے پونا میں اپنا پہلا کمیون قائم کیا۔ اس کے بعد ایک اچاریہ کی حیثیت سے اس کی شہرت دنیا بھر میں ہوگئی۔ غیر ممالک سے بے شمار لوگ اسے سننے' اس کے وضع کردہ مراقبے کے نظاموں کا تجربہ کرنے اور اس کے چیلے بننے کے لیے پونا آنے لگے۔ ان کے نئے نام رکھے جاتے۔ وہ زعفرانی رنگ کا لباس پہنتے اور گلے میں رجنیش کی تصویر والی مالا ڈالتے۔ اس کی کامیابی سے قدامت پسند ہندو مشتعل ہونے لگے۔ جب ہندوستانی اور غیر ملکی رسالوں میں عریاں رقص کرتے اور مستی کی کیفیت میں جھومتے ہوئے اس کے چیلوں کی تصویریں شائع ہوئیں تو پونا والے مرکز میں جنسی بدفعلیوں کی داستانیں عام ہونے لگیں۔ اسے ''سیکس گرو'' کہا جانے لگا۔ پونا کا ماحول معاندانہ ہوگیا۔ اس وقت کا وزیراعظم مرارجی ڈیسائی' جو کہ زیادہ پڑھا لکھا شخص نہیں تھا' رجنیش کے حوالے سے کافی منفی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ رجنیش یہ باتیں نفرت سے سنتا تھا۔ وہ سیاستدانوں کے حوالے سے ویسی ہی پست رائے رکھتا تھا' جیسی کہ ان مقدس لوگوں کے حوالے سے کہ ملک بھر کے سادہ لوح لوگ جن کے پیروکار تھے۔ اس کے پیروکار اسے بھگوان ماننے لگے۔ آخر رجنیش نے ہندوستان سے نکل کر اپنا پیغام زیادہ مہربان فضاؤں میں پھیلانے کا فیصلہ کیا۔

1981ء میں اس کے امریکی پیروکاروں نے اوریگون میں 64000 ایکڑ زمین خریدی۔ وہاں ایک کمیون قائم کیا گیا' جس کا نام رجنیش پورم رکھا گیا۔ جب اس کے پیروکار ساری دنیا سے سالانہ جشن منانے آئے ہوئے تھے تو مقامی قدامت پسند پادریوں نے مشرق سے آئے ہوئے اس ''مسیح'' کے خلاف مظاہرہ کیا' جس نے ان کے روایتی عقیدوں کو چیلنج کیا تھا۔ جھوٹی کہانیاں پھیلائی گئیں کہ کمیون میں منشیات استعمال کی جاتی ہیں' جنسی بدفعلیاں اور مجرمانہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی الزام مصدقہ نہیں تھا' نہ ہی اس حوالے سے عدالت میں کوئی مقدمہ دائر کیا گیا۔ تاہم' امریکی مصنفوں نے اس حوالے سے کتابیں لکھیں۔ جان اپڈائک نے اس کمیون کے حوالے سے ''ایس'' کے عنوان سے ناول لکھا۔

امریکا کی وفاقی حکومت مذہبی کمیونوں کو ہمیشہ شبہے کی نظر سے دیکھتی آئی ہے۔ رجنیش پورم تمام کمیونوں سے بڑا اور سب سے زیادہ فروغ پانے والا کمیون بن گیا تھا۔ امیر

اور مشہور لوگ اس کمیون میں شامل ہونے لگے۔ انہوں نے اپنے بھگوان پر تحفوں کی بارش کر دی۔ رجنیش کے پاس کئی مرسڈیز بینز کے علاوہ تقریباً 100 رولز رائس کاریں بھی تھیں۔ رجنیش کے اس طرزِ زندگی کے حوالے سے تنقید ہوئی تو اس نے طنزیہ کہا'' کار تو ہر روز نئی ہونی چاہیے۔'' رجنیش پورم کے اپنے سنیما' ریستوران' بیوٹی پارلر' سکول اور باتھنگ پول تھے۔ یہ ایک مثالی شہر تھا۔ چرچ اور حکومت اس پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

رجنیش نے کہا تھا'' کمیون کو اس طرح بسایا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ امیر ہو' وہاں لوگ زیادہ نہیں ہونے چاہئیں' کیونکہ گنجان آبادی میں فقیروں کا جنم لازمی ہوتا ہے' یتیموں کا ہونا لازم ہوتا ہے۔۔۔ اور جہاں یتیم ہوتے ہیں وہاں مدر ٹیریسائیں (Mother Teresas) بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ میرا آشرم ہندوستان کے آشرموں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں لوگ رقص کر رہے ہیں' گا رہے ہیں' ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رہے ہیں' گلے مل رہے ہیں' محبت کر رہے ہیں' خوش ہو رہے ہیں۔ آشرم کا مشرقی تصور ایسا نہیں ہے۔ مشرقی تصور کے مطابق تو آشرم کو خوشی سے بالکل خالی ہونا چاہیے' اسے باغ کی بجائے قبرستان ہونا چاہیے۔

1985ء میں امریکی حکومت نے سخت اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ رجنیش پر دھوکا دہی کے 35 الزامات عائد کر کے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اسے سترہ روز قید میں رکھنے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔

رجنیش ہندوستان واپس آ گیا۔ اس نے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ اپنا نیا مرکز کہاں بنائے۔ فروری 1986ء میں وہ کسی نئی پناہ گاہ کی تلاش میں دنیا کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دنیا کے 21 ملکوں نے اُسے ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ وہ جولائی میں بمبئی آ گیا۔ جنوری 1987ء میں اُس نے دوبارہ پونا میں آشرم بنا لیا' جو کہ اب ''اوشو کمیون انٹرنیشنل'' کے نام سے معروف ہے۔

میں پونا میں کوریگاؤں پارک میں اوشو سنٹر گیا۔ اوشو رجنیش بیمار تھا اور ڈاکٹروں نے اسے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے منع کیا ہوا تھا۔ میں دو گھنٹے تک کمیون میں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کے وسیع و عریض مراقبہ ہال میں موسیقی گونج رہی تھی۔ چار آدمی ساز بجا رہے

تھے۔ کچھ سنیاسی رقص کر رہے تھے‘ کچھ ہاتھ باندھے خاموش بیٹھے تھے اور کچھ گہرے مراقبے میں تھے۔ ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا۔ گھنے سبزے میں بل کھاتے ہوئے راستوں کے اطراف ایک آبشار‘ بطخوں سے بھرا ایک تالاب‘‘ سٹوڈیوز‘ ایک بڑی لائبریری‘ کلاس رومز‘ رہائشی کمرے‘ شاپنگ سنٹر‘ بک سٹور اور دفتر تھے۔ یہ کمیون اوشو کے پیروکاروں نے تعمیر کیا تھا۔ ان میں لینڈ سکیپ آرکیٹیکٹس‘ انجینئر‘ ترکھان‘ الیکٹریشن‘ پلمبر شامل تھے۔ ان سب نے اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہاں کوئی شے ٹھیکیداروں یا اجرتی مزدوروں نے تعمیر نہیں کی تھی۔ مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا‘ وہ یہ تھی کہ راستے میں ملنے والے ہر شخص نے مجھے مسکراہٹ سے نوازا۔ پورا کمیون آزادی اور ہم آہنگی کے احساس سے معمور تھا۔ میں نے ملک کے مختلف حصوں میں واقع آشرموں کا دورہ کیا ہے۔ یہ آشرم اُن سے بالکل مختلف تھا۔ وہاں کوئی بھی مسکراتا نہیں ہے‘ ہر شخص دنیا کے غموں کی وجہ سے قبض زدہ دکھائی دیتا ہے‘ وہاں قہقہے کو بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اوشو سنٹر کے لوگوں کی خوش مزاجی کا سبب یہ تو نہیں ہے کہ وہ جنسی پابندیوں سے آزاد ہیں‘ کہ جس کے حوالے سے بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ یہاں میں اطالوی دوشیزہ گارشیا مارسیانو کی یادیں تازہ کرتا ہوں۔ اسی نے پہلے پہل مجھے رجنیش کی تعلیمات سے دلچسپی دلوائی تھی۔

گارشیا مجھ سے ملاقات کے بعد رخصت ہوئی تو جاتے جاتے رجنیش کے بارے میں کچھ تحریریں دے گئی۔ میں نے اگلی صبح اس سے باتیں کرنے کے لیے ان تحریروں کو پڑھا۔ وہ رجنیش کے سوا کسی دوسرے موضوع پر بات ہی نہیں کرتی تھی۔ واضح تھا کہ وہ مجھے بھی رجنیش کا پیروکار بنانا چاہتی تھی۔ ایک دن میں نے یونہی مذاق مذاق میں اس سے کہا‘ ’’گارشیا! کیا تم مجھے بھگوان کا پیروکار بنانا چاہتی ہو؟ تم مجھ سے یہ ساری تحریریں نہیں پڑھوا سکتیں۔ میری قیمت تو کچھ اور ہے۔‘‘ اس نے مجھ سے میری قیمت نہیں پوچھی اور معصوم سا چہرہ لیے میرے سامنے بیٹھی رہی۔ ایسا دو تین بار ہوا۔ گارشیا سمجھ گئی کہ میں اسے سنجیدگی سے نہیں لے رہا‘ اور اگلی ملاقات میں اس نے صاف صاف کہہ دیا‘ ’’تمہیں میرا جسم چاہیے نا؟ تم میرے ساتھ ہم بستری کرنا چاہتے ہو نا؟ میرا جسم تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم جب چاہو‘ اسے لے سکتے ہو۔‘‘ اُس کی اِس بات نے میرے سارے فحش خیالات کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ وہ جنس

کے حوالے سے کوئی ایسی ویسی سوچ نہیں رکھتی تھی۔ یہ تو میں تھا‘ جو کہ ایسی سوچیں رکھتا تھا۔ میرا ذہن تو شہوانی خواہشات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی صاف گوئی نے ہمارے درمیان کھڑی رکاوٹ کو ہٹا دیا۔ ہم دونوں دوست بن گئے۔ چند ماہ بعد میں اور میری بیوی اٹلی کی جھیلوں کی سیر کے دوران روم سے گزرے تو اس نے ہمیں ڈنر کی دعوت دی۔ بعد میں وہ مجھے لاس اینجلس میں ایک کانفرنس میں ملی۔ اس نے ایک ٹی وی فلم پروڈیوسر کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اب وہ زعفرانی لباس نہیں پہنتی اور نہ ہی گلے میں رجنیش کی تصویر والی مالا ڈالے ہوئے تھی۔

جب میں نے پونا والے کمیون کا دورہ کیا تھا‘ اس وقت رجنیش نے بھگوان کا خطاب ترک کر کے جاپانی خطاب ’’اوشو‘‘ اپنا لیا تھا۔ اس لفظ کا ترجمہ آسان نہیں ہے۔ ’’او‘‘ (O) محبت‘ احترام اور احسان مندی کا مفہوم رکھتا ہے جبکہ ’’شو‘‘ (SHO) کا مطلب ہے شعور اور ہستی کا ہمہ گیر پھیلاؤ۔ آخر میں اس نے رجنیش نام ترک کر کے خود کو صرف اوشو کہلوانا شروع کر دیا تھا۔

1988ء کے وسط میں اس نے محسوس کیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا‘ کہہ چکا ہے۔ وہ بتدریج گوشہ نشینی اختیار کرنے لگا اور کبھی کبھار لیکچر دینے لگا۔ اس کی صحت کبھی عمدہ نہیں رہی تھی۔ وہ ذیابیطس اور دمے کا مریض تھا۔ اسے یقین تھا کہ امریکہ میں قید کے دوران اس کو زہر دیا گیا تھا۔ اس کے پیروکاروں کو یقین تھا کہ اسے کھانے میں تھیلیئم نامی زہر ملا کر کھلایا گیا تھا۔ یہ ایک بے ذائقہ زہر ہے‘ جو جسم پر طویل عرصے بعد اثر انداز ہوتا ہے۔ بہترین طبی نگہداشت کے باوجود رجنیش صحت یاب نہ ہو سکا۔ اپریل 1989ء میں اس نے آخری بار لیکچر دیا۔

اوشو کی زندگی کے آخری چند دنوں میں اس کے دو پیروکار چوبیس گھنٹے اس کی خدمت کرتے رہے۔ ان میں سے ایک کینیڈین سوامی جیش تھا اور دوسرا انگریز سوامی ڈاکٹر امریتو۔ اوشو نے مرنے سے تھوڑا پہلے سوامی امریتو سے آخری گفتگو کی تھی۔ امریتو بتاتا ہے کہ اس نے اوشو کی نبض دیکھی اور اسے بتایا کہ انجام قریب ہے۔ اوشو نے سر ہلا کر اشارتاً کہا کہ اسے علم ہے۔ امریتو نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کسی ماہر قلب کو بلا کر اس کے دل کو

دھڑکتا رکھنے کی کوشش کریں۔اوشو نے جواب دیا''نہیں،بس مجھے جانے دو۔ہستی اپنے وقت کا خود فیصلہ کرتی ہے۔''

اوشو نے اپنے کمرے اور ذاتی استعمال کی اشیاء کے حوالے سے ہدایات دیتے ہوئے کہا''یہاں پورے فرش پر قالین بچھا دینا۔''اس نے اپنے سٹیریو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا''نروپا اسے پسند کرے گی!''نروپا کئی سال سے اس کے کمرے کی صفائی کیا کرتی تھی۔اس نے مزید کہا''یہ ایئر کنڈیشنر تم لے جاؤ (وہ شور پیدا کرتے تھے) صرف ایک یہاں رہنے دو۔''اس سے اس کی سمادھی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اس کی موت کے بعد اس کی لاش کو مراقبہ ہال میں لے جایا جائے۔''پھر مجھے شمشان گھاٹ لے جانا۔۔۔اور میری ٹوپی اور جرابیں میرے اوپر رکھ دینا۔''

اوشو کی موت سے چند ہفتے پہلے کسی نے اس سے پوچھا کہ اس کی موت کے بعد اس کے کام کا کیا بنے گا؟ اوشو نے جواب دیا''میں ہستی میں مطلق یقین رکھتا ہوں۔میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اگر اس میں سچائی ہے تو یہ باقی رہے گا۔۔۔جو لوگ میرے کام میں دلچسپی لیتے رہیں گے،وہ مشعل اُٹھائے رکھیں گے۔تاہم، کسی پر کوئی شے زبردستی تھوپی نہیں جائے گی۔میں اپنے لوگوں کے لیے فیضان کا سرچشمہ رہوں گا۔بیشتر سنیاسی اسے محسوس کریں گے۔میں چاہتا ہوں کہ وہ آزادی سے نمو یاب ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ وہ محبت،علم،مسرت جیسی صفات پیدا کریں۔۔۔محبت کہ جس کے گرد کوئی چرچ نہیں بنایا جا سکتا،علم کہ جس پر کسی کی اجارہ داری نہیں اور مسرت کہ جس میں انسان کی آنکھیں بچوں جیسی ہوتی ہیں۔''

19 جنوری 1990ء کو 5 بجے سہ پہر مرنے سے پہلے اوشو کا آخری جملہ تھا:

"I Leave You my Dream"

اس نے رونے پیٹنے پر پابندی لگا دی تھی۔اسی رات اس کے سینکڑوں شاگرد گاتے اور رقص کرتے ہوئے اس کی لاش کو تلسی رام گھاٹ لے گئے۔اس کے چھوٹے بھائی سوامی وجے بھارتی نے چتا کو آگ دکھائی۔اگلے روز اس کی راکھ کو کمیون لایا گیا۔

اوشو نے اپنی موت سے نو ماہ پہلے اپنی راکھ پر نصب کی جانے والی لوح کی عبارت خود لکھوائی تھی:

اوشو

جو نہ کبھی پیدا ہوا۔۔۔نہ کبھی مرا

صرف 11 دسمبر 1931ء سے 19 جنوری 1991ء تک اس زمین

کے دورے پر آیا۔

پونا کمیون کا مستقبل جو بھی ہو اور خواہ کوئی بھی اس کا انتظام چلائے، یہ ساری دنیا میں موجود رجنیش کے لاکھوں پیروکاروں کی زیارت گاہ رہے گا۔اس کا خواب مستقبل کے لوگوں کے لیے باقی رہے گا۔

اوشو کی تعلیمات کو ایک مختصر سے مضمون میں سمونا کوزے میں سمندر کو سمونے کے مترادف ہے۔اس نے 35 سال تک روزانہ بے شمار موضوعات پر تقریریں کیں اور اپنے پیروکاروں اور ملاقاتیوں کے سوالوں کے جواب دیئے۔ان سب کو کیسٹوں پر ریکارڈ کر لیا جاتا تھا اور بعد میں تحریری صورت میں ڈھال کر کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔اوشو کی تقریباً 600 کتابیں اور ہزاروں کیسٹیں اوشو سنٹروں اور کتابوں کی دکانوں سے دستیاب ہیں۔اس نے مختلف مذاہب کے صحیفوں پر تقریریں کیں،اس کے علاوہ سوالوں کے جواب دیئے۔میں اس کے افکار کی گہرائی کا معترف ہوں۔میں نے کسولی میں گرونانک کی صبح کی دعائیں''جاپی''سنی ہیں اور ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔میں نے اس موضوع پر اُپنشدوں اور بھگتوں کے حوالے سے مزین اوشو کی تقریریں سنی تو پتا چلا کہ میں تو اس کے معانی بارے کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔میں نے سکھ مت کے عالموں سے بھی اس موضوع پر اتنی گہری تقریر نہیں سنی تھی۔

شاید یہ بات انوکھی لگے کہ اوشو دوسرے مذاہب اور ان کے بانیوں کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے اپنے پیروکاروں اور ملاقاتیوں کے عام دنیاوی سوالات کے جوابات دینے کو ترجیح دیتا تھا۔اس کے لیے کوئی شے بے کار نہیں تھی: اپنی محبوبہ کی بے وفائی کا زخم خوردہ کوئی نوجوان جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس حوالے سے کیا کر سکتا ہے، دو شادی شدہ مرد اور عورت یہ جاننا چاہتے تھے کہ کیا شادی کے علاوہ کسی سے تعلقات قائم کرنا گناہ ہے یا نہیں، کوئی پوچھتا محبت کیا ہے، یہ شہوت اور ہوس سے کس طرح مختلف ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔یہ اُلجھن اوشو کے سامنے رکھی گئی تو اس نے اپنی کتاب''سنہرا مستقبل'' میں یوں

جواب دیا:

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں سوال جواب کی نشست کو بہت اہم سمجھتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق تم سے' تمہارے ارتقا سے ہوتا ہے۔ یقیناً تم راستے کی تلاش میں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہو۔ تم زرتشت اور خلیل جبران کی رفعتوں کے بارے میں سوال نہیں کر سکتے۔۔۔ جبکہ مجھے تمہاری حقیقت کا جواب دینا ہے۔

زرتشت اور خلیل جبران کو سننا ایک اچھی اور بھرپور تفریح ہے:

ممکن ہے تم سسکیاں بھرو اور ممکن ہے تم اشک بہاؤ اور ممکن ہے تم بہت اچھا محسوس کرو' لیکن یہ سب فضول ہے! تم ویسے کے ویسے ہی رہتے ہو۔۔۔ تم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ میں کبھی کبھار بدھ' زرتشت' اور چوانگ زو کے حوالے سے بات کرتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ تمہیں بتایا جائے کہ وہ لوگ کیسی رفعتوں تک پہنچ گئے تھے' صرف اس لیے کہ تمہیں ان دور بہت دور کے ستاروں سے آگاہ کرایا جائے۔ وہ اتنے دور نہیں ہیں' جتنے کہ وہ دور دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ ہم جیسے لوگ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ تمہاری رسائی میں ہے۔

یہی سبب ہے کہ میں زرتشت اور بدھ اور بودھی دھرما کے بارے میں بات کرتا ہوں۔ میرا مقصد تم میں اک تمنائے بیتاب پیدا کرنا ہے۔ لیکن تمنائے بیتاب' شدید آرزو ہی کافی نہیں ہے۔ پھر مجھے تم کو ایک راستہ بھی دکھانا پڑتا ہے' مجھے اس افراط وتفریط کو ختم کرنا پڑتا ہے کہ جو تم ہو' اور خلا میں بکھرے ہوئے تمہارے ٹکڑوں کو جوڑنا پڑتا ہے۔۔۔ مجھے ان ٹکڑوں کو جوڑنا اور تمہیں راستے پر دھکیلنا پڑتا ہے۔

سوال جواب کی نشستوں کا تعلق تم سے تمہارے نشوو ارتقا سے' تمہاری بڑھوتری سے ہے۔ جبکہ زرتشت اور خلیل جبران پر دیئے

جانے والے لیکچروں کا تعلق ان مقامات سے ہے کہ جہاں تمہیں ہونا چاہیے۔۔۔ لیکن تم ہنوز وہاں نہیں ہو۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمہاری ترجیحات درست ہوں یعنی یہ تعین کیا جائے کہ کون سی شے اہم ہے اور کون سی شے معمولی نتائج کا باعث ہوگی۔ وہ کہتا ہے:

کیا تم نے کسوٹی کو دیکھا ہے' کہ جس سے سونے کو پرکھا جاتا ہے؟ اسے اہم شے کی کسوٹی بناؤ: کیا موت اسے تم سے چھین رہی ہے؟ تو پھر یہ اہم نہیں ہے۔ تو پھر روپیہ اہم نہیں ہے۔۔۔ یہ فائدہ مند تو ہے لیکن اہم نہیں ہے' یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ اقتدار' عظمت و سطوت' ذمہ داری۔۔۔ موت آئے گی اور ان سب کو مٹا ڈالے گی۔

پس تم جن چند دنوں کے لیے یہاں ہو' ان میں ایسی اشیاء کے لیے کیوں افراتفری مچائی جائے؟ یہ تو ایک کارواں سرائے ہے' یہاں قیام رات بھر کا ہے' صبح ہوگی تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔

اوشو کے پیروکار خود کو سنیاسی کہلواتے ہیں۔ تاہم' سنیاس لینے والے دوسرے لوگوں کے برعکس انہیں یہ نہیں کہا جاتا کہ دنیا ترک کر کے ہمالیہ کی غاروں میں یا جنگلوں میں رہنے لگو۔ جب اوشو سے پوچھا گیا کہ کیا یہ درست ہے کہ اس کے سنیاسی ہر شے سے لطف اندوز ہوتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا:

تم نے درست سنا ہے! میرے سنیاسی ہر شے سے لطف اندوز ہوتے ہیں' خوشیاں کشید کرتے ہیں۔ لطف و مسرت میرے سنیاس کی بنیاد ہے۔ ہر طرح کی خوبصورتی سے لطف اٹھاؤ' تمام خوشیاں سمیٹ لو' ہر اس شے سے لطف کشید کرو جو کہ زندگی پیش کرتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جیون بھگوان کا تحفہ ہے۔

پرانے دھرموں نے تمہیں زندگی کو تیاگنے کا درس دیا ہے۔ وہ سب زندگی کی نفی ہیں' ان کی فکر مایوسانہ ہے۔ وہ سب زندگی اور مسرتوں کے مخالف ہیں۔ میرے نزدیک جیون اور بھگوان ہم معنی

ہیں۔ درحقیقت جیون بھگوان سے کہیں بہتر لفظ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھگوان محض ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے' جبکہ جیون حقیقی ہے' وجودی ہے۔ لفظ ''بھگوان'' صرف پستکوں میں وجود رکھتا ہے' یہ ایک لفظ ہے' محض ایک لفظ۔ جیون تمہارے اندر ہے اور تمہارے باہر بھی۔۔۔ درختوں میں' بادلوں میں' ستاروں میں۔ یہ ساری ہستی جیون کا رقص ہے۔ میں جیون سے محبت کا درس دیتا ہوں۔

کیا بھگوان ہماری خواہشات پر گرفت رکھتا ہے؟ اوشو جواب دیتا ہے:

جیون کا اپنے سوا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیون بھگوان کا دوسرا نام ہے۔ دنیا کی ہر شے کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے' وہ کسی مقصد کے حصول کا وسیلہ ہو سکتی ہے' تاہم کم از کم ایک شے ایسی ہے جو ہر شے کا مقصد تو ہے لیکن وسیلہ کسی کا نہیں ہے۔

تم اسے ہستی کہہ سکتے ہو۔
تم اسے بھگوان کہہ سکتے ہو۔
تم اسے جیون کہہ سکتے ہو۔
یہ ایک حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

الٰہیات دانوں نے جیون کا نام بھگوان رکھا تھا۔ یہ خطرناک بات ہے کیونکہ اس کو رد کیا جا سکتا ہے' اس کی خلاف دلائل لائے جا سکتے ہیں۔ تقریباً آدھی دنیا بھگوان کو نہیں مانتی۔ نہ صرف کمیونسٹ بلکہ بدھ مت اور جین مت کے پیروکار بھی بھگوان کو نہیں مانتے۔ نیز ہزاروں ایسے آزاد فکر لوگ بھی ہیں' جو کہ دہریے ہیں۔ لفظ ''بھگوان'' کوئی بہت قابلِ دفاع نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نام انسان کا دیا ہوا ہے اور اس کے لیے کوئی ثبوت ہے نہ شہادت' نہ دلیل۔ یہ کم و بیش ایک لفظ ہی رہتا ہے۔ اس کا وہی معنی ہوتا ہے کہ جو تم اس سے چاہو۔

لفظ ''وجود'' بہتر ہے۔ اس صدی کے تمام عظیم فلسفی وجودی تھے۔ انہوں نے لفظ ''بھگوان'' کو مکمل طور پر ترک کر دیا تھا۔ ان کے لیے وجود ہی کافی تھا۔

اوشو ایسے سنیاسیوں کو قطعی برداشت نہیں کرتا تھا' جو خود کو تمام مسرتوں سے محروم کر چکے تھے اور اپنے جسم کو تکلیفیں دینا اپنے دھرم کا لازمی حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ کہتا ہے:

میں صرف اُس شخص کو مذہبی کہتا ہوں جو ''جیون کو قبول کرتا ہے۔ ایک مصدقہ مذہب کا ماننے والا شخص مزاح کی حس رکھتا ہوگا۔ یہ کائنات ہماری ہے' یہ ہمارا گھر ہے۔ ہم کوئی یتیم تھوڑا ہی ہیں۔ دھرتی ہماری ماں ہے۔ آکاش ہمارا باپ ہے۔ یہ ساری کی ساری وسیع و عریض کائنات ہمارے لیے ہے اور ہم اس کے لیے ہیں۔ درحقیقت ہم میں اور کُل میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہم نامیاتی اعتبار سے اس سے جڑے ہوئے ہیں' ہم ایک آرکسٹرا کا حصہ ہیں۔ ہستی کی اس موسیقی کو محسوس کرنا ہی ایسا واحد دھرم ہے جسے میں مصدقہ دھرم کے طور پر قبول کر سکتا ہوں۔۔۔ بھگوان بطور ایک شخص کے نہیں ہے۔ بھگوان تو ہر سُو پھیلا ہوا ہے: درختوں میں' پرندوں میں' جانوروں میں' انسانوں میں' داناؤں میں' اور نادانوں میں بھی۔

ایک نوجوان نے' جو کہ اپنے محبوبہ کے ساتھ ایک بار جنسی عمل کرنے کے بعد محسوس کرتا تھا کہ اس کی محبت ختم ہوگئی ہے' اوشو سے اس بارے میں سوال پوچھا تو اوشو نے درج ذیل جواب دیا:

میں جنس کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو جنس کو پوجا بنا رہا ہوں۔۔۔ جنس کو ایک تحقیر تصور کیا گیا ہے۔۔۔ تاہم' یہ کامل پاکیزگی اور مسرت اور معصومیت کے چند لمحے بھی مہیا کرتی ہے۔ یہ لاوقتی کے چند لمحے بھی مہیا کرتی ہے' کہ جب یک لخت کوئی وقت نہیں رہتا

ہے۔ یہ بے انائی کے چند لمحے بھی مہیا کرتی ہے' جب انسان عمیق وصال میں ہوتا ہے تو انا فراموش ہو جاتی ہے۔ یہ تمہیں بھگوان کے جلوے دکھاتی ہے' لہٰذا اسے ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اوشو ہم جنس پرستی کو دھرم کی ضمنی پیداوار قرار دے کر اس کی مذمت کرتا ہے۔ کیونکہ مندروں میں عورت ممنوع ہوتی ہے' اس لیے وہاں ہم جنس پرستی کا چلن عام ہوتا ہے۔ میں اوشو کے اس نظریے سے متفق نہیں ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جنس پرست مرد اور عورتیں مندروں یا نن گاہوں (Nunneries) کی ضمنی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ وہ تو پیدائشی اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں۔ سب لوگ اس کے اس مؤقف کے بھی حامی نہیں ہیں کہ "جنس کو ایک عظیم مراقباتی فن بننا ہوگا۔ تانترا نے دنیا کو یہ فن عطا کیا ہے۔ تانترا کی عطا عظیم ترین ہے کیونکہ یہ تمہیں پست ترین شے کو اعلیٰ ترین شے میں ڈھالنے کی کلید دیتا ہے۔ یہ تمہیں کیچڑ کو کنول میں بدلنے کی کلید عطا کرتا ہے۔ یہ ماضی کی عظیم ترین سائنسوں میں سے ایک ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

اس سے ایک اور سوال پوچھا گیا کہ دوسروں کے ساتھ تعلق قائم کرنا اس قدر مشکل کیوں ہوتا ہے؟ تو اوشو نے اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا:

صرف اک ذرا سی سمجھ کی ضرورت ہے۔ چند بنیادی سچائیوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ایک سچائی تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ دوسری سچائی یہ ہے کہ کوئی شخص اس لیے یہاں وجود نہیں رکھتا کہ تم اس کے حوالے سے جو خیال رکھتے ہو' وہ خود کو اس خیال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے۔ تیسری سچائی یہ ہے کہ اپنی محبت کے آقا تم خود ہوتے ہو' اور تم جتنا چاہو محبت دے سکتے ہو۔۔۔ لیکن تم دوسرے شخص سے محبت کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کا غلام نہیں ہے۔

اگر ان سادہ سی حقیقتوں کو سمجھ لیا جائے تو پھر اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہتی کہ تم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ تم اس کے بغیر

بھی ساتھ رہ سکتے ہو۔۔۔ ایک دوسرے کو گنجائش مہیا کرتے ہو۔۔۔ ایک دوسرے کی فردیت میں ذرا بھی مداخلت کیے بغیر۔

درحقیقت شادی ایک فرسودہ رسم ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی رسم کے تحت جینا اچھا نہیں ہے۔ ہر رسم تباہ کن ہوتی ہے۔ شادی لاکھوں لوگوں کے لیے خوشیوں کے تقریباً تمام امکانات کو تباہ کر چکی ہے۔۔۔ اور یہ فقط لایعنی باتوں کے لیے ہوتی ہے۔ پہلی بات ہی یہ ہے کہ شادی' ٹھیک یہ رسوماتی شادی' لایعنی ہے۔

اگر تم شادی کو زیادہ سنجیدگی سے لوگے تو تم آزاد ہو سکو گے۔ تمہیں شادی کرنی ہی کیوں چاہیے؟ اگر تم کسی سے محبت کرتے ہو' کسی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہو تو یہ تمہارا بنیادی حق ہے۔ تم کسی بھی شخص کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہو' کسی بھی شخص سے محبت کر سکتے ہو۔"

محبت اور دوستی کے حوالے سے اوشو کہتا ہے:

"دوستی محبت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ محبت میں تھوڑی بہت ہوس لازماً ہوتی ہے۔ دوستی میں ہوس یکسر ختم ہو جاتی ہے۔ دوستی میں کوئی کثیف شے باقی نہیں رہتی' یہ مطلق طور پر لطیف ہوتی ہے۔"

وہ "محبت" (Love) کو سنسکرت لفظ "لوبھ" (لالچ) سے ماخوذ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

"محبت لالچ ہوتی ہے۔ محبت میں کوئی شخص بلند نہیں ہوتا' ہر شخص محبت میں گر جاتا ہے۔ انگریزی میں تو کہتے ہی Fall in Love ہیں۔ تم محبت میں کیوں گرتے ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شعور سے لاشعور میں گرنا ہوتی ہے' ذہن سے جبلت کی طرف گرنا ہوتی ہے۔"

(اوشو نے انگریزی لفظ Fall سے کیا خوب مفہوم اخذ کیا ہے! مترجم)

وہ دوستی کے حوالے سے مزید کہتا ہے:

''جیون ایک آئینہ ہے' یہ آئینہ تمہارا چہرہ دکھاتا ہے۔ دوست بن جاؤ' سارا جیون دوستی کو منعکس کرنے لگے گا۔ لوگوں کو اس بات کا خوب علم ہے کہ اگر تم کسی کتے سے بھی دوستانہ رویے کا اظہار کرو تو کتا بھی تمہارا دوست بن جاتا ہے۔ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں' جو اس بات کو جان چکے ہیں کہ اگر تم کسی درخت کے لیے دوستانہ رویہ اپناؤ گے تو درخت بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔ دوستی میں بڑے تجربوں کی کوشش کرو۔ گلاب کے پودے کے ساتھ دوستی کرو' تم معجزے رونما ہوتے دیکھو گے۔ دھیرے دھیرے معجزہ رونما ہوگا۔ چونکہ انسان درختوں کے لیے دوستانہ رویے کا اظہار نہیں کر رہا' اس لیے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے ہیں۔''

ٹینشن پر قابو پانے کے لیے اوشو کا اپنا ہی طریقہ ہے:

''اور تم یہ جان کر حیران ہو گے کہ اگر تم اپنے جسم کے کسی حصے تک رسائی پا لو تو وہ تمہیں سنتا ہے' تمہیں سمجھتا ہے۔۔۔ یہ ہے تمہارا جسم! آنکھیں بند کر کے اپنے پاؤں کے پنجے سے سر تک سارے جسم کا جائزہ لو کہ ٹینشن کہاں ہے۔ پھر جسم کے اس حصے سے یوں بات کرو جیسے تم کسی دوست سے بات کرتے ہو۔ اپنے جسم کے ساتھ مکالمہ کرو۔ اسے کہو کہ وہ پُرسکون ہو جائے۔ اسے کہو 'ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ خوف مت کرو۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے میں ہوں نا۔۔۔ تم پُرسکون رہو۔'' دھیرے دھیرے تمہیں طریقہ آ جائے گا۔ تب جسم پُرسکون' ڈھیلا ڈھالا ہو جائے گا۔

اب ایک قدم مزید آگے بڑھو' تھوڑا اور گہرا۔ ذہن سے کہو کہ پُرسکون ہو جائے۔ اگر جسم سنتا ہو لیکن تم ذہن کے ساتھ مکالمے کا آغاز نہیں کر پاتے تو تمہیں نئے سرے سے آغاز کرنا ہوگا۔ تم

درمیان سے آغاز نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ ذہن سے آغاز کرتے ہیں اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ وہ اس لیے ناکام ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ غلط مقام سے آغاز کرتے ہیں۔ ہر کام کو درست طریقے سے انجام دینا چاہیے۔''

انا پر غلبہ پانے کے حوالے سے اس کی رائے ہے:

''یہ ایک وہم ہوتی ہے۔ کبھی کبھار یہ غائب ہو جاتی ہے۔ سب سے عمدہ وقت خوابوں سے خالی نیند ہے۔ لہٰذا یاد رکھو' نیند بہت قیمتی ہے۔ کسی بھی وجہ سے نیند کو ضائع مت کرو۔ بے انائی کا دوسرا عظیم سرچشمہ جنس ہے۔ اگر تم جنسی عمل کاملیت کے ساتھ کرو گے تو انا غائب ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے سب سے بلند مرحلے میں تم خالص توانائی ہوتے ہو۔ تب ذہن عمل نہیں کر سکتا۔ ایسی مسرت کے ہوتے ہوئے' توانائی کے اس وفور کے ہوتے ہوئے ذہن تھم جاتا ہے۔ یہ توانائی کا ایسا وفور ہوتا ہے کہ ذہن کچھ بھی کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ ذہن معمول کی صورت حال میں عمل کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ جب کوئی بالکل نئی اور جاندار شے رونما ہوتی ہے تو یہ تھم جاتا ہے۔ جنس سب سے زیادہ جاندار شے ہے۔

اگر تم جنسی عمل کے دوران گہرائی میں جا سکتے ہو تو انا غائب ہو جائے گی۔ جنسی عمل کا یہ حسن ہے' یہ بھگوان کی ایک جھلک دیکھنے کا ایک اور طریقہ ہے۔۔۔ بالکل گہری نیند کی مانند' لیکن اس سے کہیں زیادہ قیمتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گہری نیند میں تم بے شعور ہو گے جبکہ جنسی عمل میں تم شعور میں ہو گے۔۔۔ شعور میں لیکن ذہن کے بغیر۔

اوشو نے جنسی عمل کو پوجا کی شکل کا اعلیٰ درجہ دے دیا تھا:

''جنسی عمل کرتے ہوئے پوجا' مراقبے' بھگوان کے بارے

میں سوچو۔ جنسی عمل کرتے ہوئے خوشبودار بوٹیاں سلگاؤ' گاؤ' ناچو۔ تمہاری خواب گاہ کو ایک مندر ہونا چاہیے' ایک پوتر استھان۔ جنسی عمل جلدی میں نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں گہرا اترو' جتنا ممکن ہو آہستگی سے عمل کرو' وقار کے ساتھ عمل کرو۔ تم حیران رہ جاؤ گے کہ تم کلید پا چکے ہو۔''

اس میں شک نہیں کہ اوشو موت کے بعد دوبارہ جنم پر یقین رکھتا تھا۔ وہ یہ نہیں بتاتا کہ اس نے یہ نتیجہ کس بنیاد پر اخذ کیا ہے تاہم' کنول کے آسن کو مراقبے کے لیے بہترین آسن قرار دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ بدھ بھکشو اس آسن میں جاگتے ہوئے موت سے ہمکنار ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے:

''اگر مرتے ہوئے تم جاگ رہے ہو گے تو تم ایک بالکل مختلف قسم کا جنم لو گے۔ تم جاگتے ہوئے جنم لو گے۔ جو شخص جاگتا ہوا مرتا ہے' وہ جاگتا ہوا جنم لیتا ہے۔ جو شخص بے شعور مرتا ہے' وہ بے شعور پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص آگاہی کے ساتھ مرتا ہے وہ اپنے لیے صحیح کوکھ کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اسے انتخاب کا حق ہوتا ہے' اس نے یہ حق خود حاصل کیا ہے۔ جو شخص بے شعور مرتا ہے' وہ کوکھ کے انتخاب کا حق نہیں رکھتا۔ اسے کوکھ بے شعوری میں' اتفاقیہ ملتی ہے۔''

اوشو کے مراقبے کے تصور کو سمجھنا عام آدمی کے لیے مشکل ہے۔ وہ کہتا ہے:

''دوڑنا مراقبہ ہو سکتا ہے۔۔۔ جاگنگ' رقص' تیراکی' ہر عمل مراقبہ ہو سکتا ہے۔ میں مراقبے کی تعریف یوں کرتا ہوں: جب بھی تمہارا جسم' ذہن اور روح ہم آہنگ ہو کر عمل کرتے ہیں' اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چوتھے کو اندر لے آئے گا۔ اگر تم جانتے ہو کہ تم اسے مراقبے کے طور پر کر رہے۔۔۔ اولمپکس میں شامل نہیں ہو' بلکہ اسے مراقبے کے طور پر کر رہے ہو۔۔۔ تو پھر یہ

حیران کن حد تک خوبصورت ہوگا۔''

اوشو اپنے پیروکاروں کو ہدایت کرتا ہے کہ عمل کے درست طریقے کا انتخاب کریں۔ وہ کہتا ہے:

''وہ کرو جو تمہاری فطرت کرنا چاہتی ہے' وہ کرو جو تمہاری جبلی صفات کرنے کو بے تاب ہیں۔ پستکوں پر توجہ مت دو' اپنے من کی سنو' یہ واحد پستک ہے کہ میں جس کی تصدیق کرتا ہوں۔ ہاں' بغور سنو' نہایت شعور کے ساتھ سنو' اور تم کبھی غلط نہیں ہو گے۔ اپنے من کی سنتے ہوئے تم کبھی تقسیم نہیں ہو گے۔ اپنے من کی سنتے ہوئے تم درست سمت میں بڑھنا شروع کر دو گے' ذرا بھی یہ سوچے بغیر کہ درست کیا ہے اور غلط کیا۔''

اوشو کا اپنی مادرِ وطن کے حوالے سے رویہ سمجھنا بھی دشوار ہے۔ اس نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہچکچاتے ہوئے یہاں واپس آیا تھا۔ اس سے سوال پوچھا گیا کہ ہندوستان میں اتنا تشدد' خون خرابہ کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

''ایسا عدم تشدد کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ لوگوں کو پانچ ہزار سال سے عدم تشدد کی تلقین کی جا رہی ہے۔ انہوں نے غیر متشدد دکھائی دینے کا ڈھونگ رچانا سیکھ لیا ہے۔ ہوا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے تشدد کو دبا لیا ہے۔ وہ آتش فشاں پہاڑوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ کوئی بہانہ' کوئی معمولی سا بہانہ' اور تشدد پھوٹ پڑتا ہے۔ پھر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتا ہے۔''

بعد میں اس نے ہندوستان کے انوکھے پن کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا تھا:

''ہندوستان محض ایک جغرافیہ یا تاریخ نہیں ہے۔ یہ محض ایک قوم' ایک ملک' زمین کا محض ایک ٹکڑا نہیں ہے۔ یہ تو ایک استعارہ ہے' ایک نظم ہے۔ کوئی غیر مرئی شے' لیکن انتہائی ٹھوس۔ یہ توانائی کے ایسے

ذخیروں سے معمور ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ملک جن کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

تقریباً دس ہزار سال سے ہزاروں لوگ شعور کے حتمی جھماکے تک پہنچے ہیں۔ان کا ارتعاش اب بھی زندہ ہے' ان کا اثر اب بھی فضا میں ہے' تمہیں غیر مرئی کی قبولیت کی ایک خاص استعداد کی ضرورت ہے' وہ غیر مرئی شے جس نے اس انوکھی سرزمین کا احاطہ کر رکھا ہے۔

سادھو صرف ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ سادھو نہایت غریب ہوتا ہے لیکن روحانی اعتبار سے ایک انتہائی قیمتی اثاثے کا حامل ہوتا ہے۔''

اوشو کا یہ دعویٰ تاریخی حوالے سے مشکوک ہے کہ یسوع نے اپنی زندگی کے آخری سترہ برس ہندوستان میں گزارے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ یسوع نے جو کچھ بھی کہا' وہ اسے ہندوستان سے لائے تھے' خصوصاً گوتم بدھ کی تعلیمات سے۔اوشو کے بقول یسوع ہندوستان واپس آئے' 112 برس جئے اور فوت ہونے کے بعد کشمیر میں پہل گام کے مقام پر دفن ہوئے۔ عیسائیت اور ہندوستانی تاریخ کا کوئی بھی سنجیدہ سکالر اس مفروضے کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اوشو نے نہ تو کبھی اس بات کی توقع کی اور نہ خواہش کہ اس کے پیروکار اس کی باتوں کو الوہی صداقت تسلیم کریں۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر شخص اپنے بارے میں خود سوچے' خود کو روایتی دھرم اور اخلاقی تصورات کی زنجیروں سے آزاد کرے۔ یوں آزاد ہونے والا شخص اقتدار' شہرت اور دولت کی پروا کیے بغیر تخلیقی کاموں میں مشغول رہتا ہے اور فراواں مسرت کی زندگی جیتا ہے۔

خوش ونت سنگھ
نئی دہلی
جون 1994ء

1

جینے کا فن

❖.... موت جس شے کو لے جا سکتی ہے' وہ غیر اہم ہے اور جسے موت نہیں لے جا سکتی ہے' وہ اہم ہے۔۔۔صرف علم ایسی شے ہے جسے موت نہیں لے جا سکتی۔

❖.... میں زندگی سے محبت کا درس دیتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی پوری طرح جینے کا فن سکھاتا ہوں۔ میں فراریت پسند نہیں ہوں۔

❖.... سب کچھ جیون ہے۔ یہی بھگوان ہے اور یہی مندر ہے اور یہی پوتر پستک ہے۔۔۔ اور اسے پوری طرح جینا' پورے من کے ساتھ جینا ہی واحد دھرم ہے۔

اہم کیا ہے' غیر اہم کیا ہے؟

زندگی مختصر ہے' توانائی محدود ہے' بہت محدود۔۔۔ اور اس محدود توانائی کے ساتھ ہم نے لامحدود ہستی کو پانا ہے۔ اس مختصر زندگی کے ساتھ ہمیں ابدی ہستی کو پانا ہے۔ یہ ایک عظیم کام' عظیم چیلنج ہے! پس مہربانی کرو غیر اہم معاملات میں سر مت کھپاؤ۔

اہم کیا ہے' غیر اہم کیا ہے؟ تمام بدھوں کی بیان کردہ تعریف کے مطابق موت جس شے کو لے جا سکتی ہے' وہ غیر اہم ہے اور جسے موت نہیں لے جا سکتی ہے' وہ اہم ہے۔ اس تعریف کو یاد رکھو' اسے کسوٹی بنالو۔ تم اس کسوٹی پر ہر شے کو فوراً پرکھ سکتے ہو۔

کیا تم نے کسوٹی دیکھی ہے' جس پر سونے کو پرکھا جاتا ہے؟ اسے ہر اہم شے کی کسوٹی بنالو: کیا موت اسے تم سے چھین رہی ہے؟ تب یہ اہم نہیں ہے۔ تب روپیہ اہم نہیں ہے۔۔۔ یہ فائدہ مند تو ہے لیکن اہم نہیں ہے' یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اقتدار' وقار' ذمہ داری۔۔۔ موت آئے گی اور ان سب کو مٹا ڈالے گی' پس یہاں گزرنے والے چند دنوں میں ان کے لیے کیوں ہنگامہ برپا کیا جائے؟ یہ ایک کاروان سرائے ہے' یہاں ہمارا قیام رات بھر کا ہے' صبح ہوگی تو ہم چلے جائیں گے۔

یاد رکھو! تم اس جسم کو چھوڑتے وقت جس شے کو ساتھ لے جا سکتے ہو' بس وہی اہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مراقبے کے سوا کوئی شے اہم نہیں ہے' آگہی کے سوا کوئی شے اہم نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف علم ایسی شے ہے جسے موت نہیں لے جا سکتی۔ باقی

ہر شے چھینی جا سکتی ہے‘ کیونکہ ہر شے باہر سے آتی ہے۔ صرف علم ہے جو کہ اندر سے پھوٹتا ہے۔ اسے چھینا نہیں جا سکتا۔ محبت اور ہمدردی‘ علم کی چھاؤں ہیں۔ انہیں بھی چھینا نہیں جا سکتا۔ یہ علم کے اٹوٹ حصے ہیں۔

تم اپنے ساتھ صرف وہی کچھ لے جا سکتے ہو‘ جو کچھ کہ تم سے جانا ہے‘ یہ تمہاری واحد حقیقی دولت ہے۔

میرے سنیاسی

''میں نے سنا ہے کہ آپ کے سنیاسی ہر شے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔۔۔''

تم نے درست سنا ہے! میرے سنیاسی ہر شے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لطف اندوز ہونا میرے سنیاس کی بنیاد ہے۔۔۔ ترک کرنا نہیں بلکہ لطف اندوز ہونا‘ ہر خوب صورتی سے لطف اندوز ہونا‘ تمام خوشیاں حاصل کرنا‘ ہر اس شے سے لطف اندوز ہونا جو کہ زندگی پیش کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی بھگوان کا تحفہ ہے۔

پرانے دھرموں نے تمہیں زندگی کو ترک کرنے کا درس دیا ہے۔ وہ سب زندگی کے مخالف ہیں۔ ان کی کل فکر مایوسانہ ہے۔ وہ سب زندگی اور اس کی مسرتوں کے خلاف ہیں۔ میرے نزدیک زندگی اور بھگوان ہم معنی ہیں۔ درحقیقت زندگی بھگوان سے زیادہ بہتر لفظ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھگوان محض ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جبکہ زندگی حقیقی ہے‘ وجودی ہے۔ لفظ ''بھگوان'' صرف پستکوں میں وجود رکھتا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے محض ایک لفظ۔ زندگی تمہارے اندر اور تمہارے باہر ہے۔۔۔ درختوں میں‘ بادلوں میں‘ ستاروں میں۔ یہ ساری ہستی زندگی کا رقص ہے۔

میں زندگی سے محبت کا درس دیتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی پوری طرح جینے کا فن سکھاتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی کے وسیلے الوہیت کے نشے سے سرشار ہونے کا فن سکھاتا

ہوں۔ میں فراریت پسند نہیں ہوں۔تمہارے سارے پرانے دھرموں نے تمہیں فراریت کا درس دیا ہے۔۔۔ وہ سب ایک خاص قسم کی سنسرشپ لاگو کرتے ہیں۔ لفظ 'ہپی'' کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کا سادہ سا مطلب ہے' ایسا شخص جو زندگی کی جنگ سے فرار اختیار کرے۔۔۔ ایسا شخص جو اپنے کو لیے دکھائے۔ وہ زندگی کے چیلنج کو قبول نہیں کر سکے۔ وہ زندگی سے متصادم نہیں ہو سکے' اس سے ٹکرا نہیں سکے۔ وہ بزدل تھے۔ وہ پہاڑوں کی طرف' خانقاہوں کی طرف فرار ہو گئے۔

تاہم' تم پہاڑوں اور خانقاہوں کی طرف فرار ہو بھی جاؤ تو اپنے آپ کو کس طرح چھوڑ سکتے ہو؟ تم زندگی کا حصہ ہو۔ زندگی تمہارے لہو میں موجزن ہے۔ زندگی تم میں سانس لے رہی ہے۔ زندگی تو عین تمہاری ہستی ہے! تم کہاں فرار ہو سکتے ہو؟ اگر فرار کی ان سب کوششوں کو درست سمجھا جائے تو یہ خودکشی ہیں۔ تمہارے راہب' تمہاری ننیں' تمہارے مہاتما' تمہارے نام نہاد سادھو' سب کے سب خودکشی کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے خودکشی کر رہے ہیں۔ وہ نہ صرف خودکشی کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں' بلکہ وہ بزدل بھی ہیں۔ وہ بزدل اس وجہ سے ہیں کہ وہ خودکشی بھی ایک بار ہی نہیں کر سکتے۔ وہ دھیرے دھیرے' قسطوں میں خودکشی کر رہے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ مر رہے ہیں۔۔۔ اور ہم ہیں کہ ان غیر صحت مند' ادھورے' پاگل افراد کا احترام کرتے ہیں۔ وہ بھگوان کے مخالف ہیں' کیونکہ وہ زندگی کے مخالف ہیں۔

میں تو زندگی سے بے پناہ محبت کرتا ہوں لہٰذا میں تو زندگی سے لطف اندوز ہونے کا درس دیتا ہوں۔ ہر شے سے لطف اندوز ہونا ضروری ہے۔ ہر شے کو جینا ضروری ہے' ہر شے سے محبت کرنا ضروری ہے۔ میرے نزدیک نہ تو کوئی شے ناپاک ہے' نہ ہی کوئی شے پوتر ہے۔ میرے نزدیک تو ہر شے پوتر ہے۔ زینہ ایک ہی ہے' جسم سے روح تک' جسمانی سے روحانی تک' جنس سے سمادھی تک۔۔۔ ہر شے الوہی ہے!

ایک پرانے اداکار نے' جو کہ نیا نیا سنیاسی بنا تھا' ہیملٹ کا
کردار ادا کرنے والے ایک اداکار سے کہا کہ وہ بھی ایک مرتبہ یہ
کردار ادا کر چکا ہے۔

اداکار نے پوچھا'' تم اس کردار کی کیا تعبیر کرتے ہو؟ کیا
ہیملٹ نے اوفیلیا سے حقیقتاً محبت کی تھی؟''
سنیاسی نے جواب دیا'' مجھے نہیں پتا کہ ہیملٹ نے کیا کیا تھا'
تاہم میں نے تو یقیناً محبت کی تھی۔''

مکمل طور پر پُرلطف اندوز ہونا ضروری ہے۔ صرف تبھی تم ہر ہر جہت سے مالا مال ہو سکتے ہو۔ صرف ہمہ جہت امارت و ثروت ہی واحد ایسی شے ہے' جو ہم بھگوان کو پیش کر سکتے ہیں۔

اگر بھگوان ہے اور کسی روز تمہارا اس سے سامنا ہو تو وہ تم سے صرف ایک سوال پوچھے گا'' کیا تم نے اپنا جیون مکمل طور پر جیا تھا یا نہیں؟'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جیون تمہیں جینے کے لیے دیا گیا تھا' ترک کرنے کے لیے نہیں۔

میرے سنیاسی تو موت سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک موت جیون کا اختتام نہیں بلکہ جیون کا عروج ہے' کلائمیکس ہے۔ یہ جیون کی کاملیت ہے۔ اگر تم نے درست انداز میں جیون بسر کیا ہے' اگر تم نے لمحہ لمحہ کاملیت کے ساتھ گزارا ہے' اگر تم نے جیون کا سارا رس کشید کیا ہے' تو تمہاری موت کامل وصال ہوگی۔

جیون کا مقصد کیا ہے؟

جیون کا اپنے سوا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیون بھگوان کا دوسرا نام ہے۔ دنیا کی ہر شے کسی مقصد کی حامل ہو سکتی ہے' یا کسی مقصد کے حصول کا وسیلہ ہو سکتی ہے۔ تاہم' کم از کم ایک شے ایسی ہے جو کہ ہر شے کا مقصد تو ہے لیکن وسیلہ کسی کا نہیں ہے۔

تم اسے ہستی کہہ سکتے ہو
تم اسے بھگوان کہہ سکتے ہو
تم اسے جیون کہہ سکتے ہو
یہ ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

بھگوان نام ہے' جو کہ الٰہیات دانوں نے جیون کو دیا تھا حالانکہ اس میں ایک خطرہ مضمر ہے کیونکہ اسے رد کیا جا سکتا ہے' اس کے خلاف دلیل دی جا سکتی ہے۔ آدھی کے قریب دنیا بھگوان کو نہیں مانتی۔ نہ صرف کمیونسٹ بلکہ بدھ مت اور جین مت کے پیروکار بھی بھگوان کو نہیں مانتے۔ اس کے علاوہ ہزاروں ایسے آزاد فکر لوگ ہیں جو دہریے ہیں۔ اسم ''بھگوان'' کا دفاع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نام انسان کا دیا ہوا ہے اور اس کے لیے کوئی شہادت' کوئی ثبوت' کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ کم و بیش ایک کھوکھلا لفظ ہی رہتا ہے۔ تم اسے جو معنی چاہو دے سکتے ہو۔

لفظ ''وجود'' بہتر ہے۔ اس صدی کے سارے عظیم فلسفی وجودی تھے۔ انہوں نے لفظ ''بھگوان'' کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ وجود ہی ان کے لیے کافی تھا۔

تاہم' میرے نزدیک جس طرح ''بھگوان'' ایک انتہا ہے' اسی طرح ''وجود'' ایک اور انتہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''وجود'' میں ایسا کوئی اشارہ مضمر نہیں ہے کہ یہ زندہ ہو سکتا ہے۔۔۔ ممکن ہے یہ مردہ ہو۔ اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ وہ ذہین ہے۔ ممکن ہے وہ ذہانت کا حامل نہ ہو۔ اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ وہ شعور ہے۔۔۔ ممکن ہے وہ شعور نہ ہو۔

لہٰذا میں نے لفظ ''جیون'' چنا ہے۔ جیون میں ہر وہ شے شامل ہے' جو کہ ضروری ہے۔ مزید برآں اسے کسی ثبوت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم جیون ہو۔ تم ہی ثبوت ہو۔ تم ہی دلیل ہو۔ تم جیون کی نفی نہیں کر سکتے۔ انسان کی پوری تاریخ میں کسی ایک فلسفی نے بھی جیون کی نفی نہیں کی ہے۔

لاکھوں لوگ بھگوان کی نفی کر چکے ہیں' لیکن تم جیون کی نفی کیسے کر سکتے ہو؟ یہ تو تمہارے دل میں دھڑک رہا ہے' یہ تو تمہارے سانسوں میں ہے' یہ تو تمہاری آنکھوں سے جھلک رہا ہے۔ یہ تمہاری محبت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ ہزاروں طریقوں سے رونما ہو رہا ہے۔۔۔ درختوں میں' پرندوں میں' پہاڑوں میں' دریاؤں میں۔

جیون ہر شے کا مقصد ہے۔ لہٰذا جیون کا اپنے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے: جیون کا مقصد اسی میں ہے۔ نشوونما پانا' پھیلنا' رونما ہونا' رقص کرنا' محبت کرنا' خوش ہونا' اسی میں ہے۔۔۔ یہ سب جیون کے رُخ ہی تو ہیں۔

تاہم' آج تک کسی دھرم نے جیون کو ہماری تمام کوششوں' تمام سرگرمیوں کا مقصد نہیں مانا۔ اس کے برعکس دھرم تو جیون کو جھٹلاتے اور ایک مفروضہ بھگوان کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ تاہم جیون اس قدر حقیقی ہے کہ ہزاروں برس سے تمام دھرم اسے جھٹلانے کے باوجود اس کو ذرا سا بھی گزند نہیں پہنچا سکے' حالانکہ وہ سب جیون دشمن رہے ہیں۔ ان کا بھگوان جیون کا انتہائی داخلی مرکز نہیں تھا۔ ان کے بھگوان کو تو صرف جیون کو ترک کرنے کے بعد ہی پایا جا سکتا تھا۔ انسان پر وارد ہونے والا یہ سب سے بڑا عذاب رہا ہے۔ جیون کو ترک کرنے کا مطلب ہے موت کو قبول کرنا۔

تمہارے سارے دھرم موت کے پجاری ہیں۔ محض اتفاق نہیں ہے کہ تم صرف

مردہ سادھوؤں کی پرستش کرتے ہو۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں، تم انہیں صلیب پر چڑھا دیتے ہو۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں، تم انہیں سنگسار کر دیتے ہو۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں، تم انہیں زہر دے دیتے ہو اور جب وہ مر جاتے ہیں تو تم ان کی پرستش کرتے ہو۔۔۔ ایک دم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ تمہارا سارا رویہ ہی بدل جاتا ہے۔

کسی نے گہرائی میں جا کر اس تبدیلی کی نفسیات کو نہیں سمجھا۔ ضروری ہے کہ اس پر غور کیا جائے: مردہ سادھوؤں کی پرستش کیوں کی جاتی ہے اور زندوں کی تذلیل کیوں کی جاتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مردہ سادھو مذہبی ہونے کی تمام شرائط پوری کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو ہنستے ہیں، نہ خوش ہوتے ہیں، نہ محبت کرتے ہیں، نہ رقص کرتے ہیں۔ ہستی سے ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ جیون کو مکمل طور پر ترک کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ سانس نہیں لیتے ہیں۔ ان کے دل دھڑکنا چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ اب وہ مکمل طور پر مذہبی ہیں! وہ پاپ نہیں کر سکتے۔ ایک شے یقینی ہوتی ہے۔۔۔ تم ان پر بھروسہ کر سکتے ہو، تم ان پر انحصار کر سکتے ہو۔

کوئی زندہ سادھو اتنا قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ ممکن ہے آنے والے کل وہ اپنا ذہن بدل لے۔ ایسا ہوا ہے کہ سادھو پاپی بن گئے اور پاپی سادھو۔۔۔ لہٰذا جب تک وہ مر نہیں جاتے، ان کے حوالے سے تیقن کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہی بنیادی وجوہات ہیں کہ تم اپنے گردواروں میں، اپنے مندروں میں، اپنے گرجا گھروں میں، اپنے سیناگوگوں میں۔۔۔ تم کن کی پرستش کر رہے ہو؟ اور تم اس کے احمقانہ پن کو نہیں دیکھتے ہو۔۔۔ کہ زندہ لوگ مرے ہوؤں کی پرستش کر رہے ہیں۔ حال ماضی کی پرستش کر رہا ہے۔

زندگی کو موت کی پرستش پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ایسا زندگی مخالف دھرموں کی وجہ سے ہوا ہے کہ صدیوں سے ایک سوال بار بار کیا جا رہا ہے: زندگی کا مقصد کیا ہے؟

تمہارے دھرموں کی رو سے جیون کا مقصد اسے ترک کرنا ہے، اسے تباہ کرنا ہے، کسی اساطیری، مفروضہ بھگوان کے نام پر خود کو اذیت دینا ہے۔

جانوروں کا جیون کے سوا کوئی دھرم نہیں ہے۔ درختوں کا جیون کے سوا کوئی دھرم نہیں ہے۔ کُل ہستی صرف جیون پر بھروسہ کرتی ہے۔ دوسرا کوئی بھگوان نہیں ہے، دوسرا کوئی مندر نہیں ہے۔ کوئی پوتر پستک نہیں ہے۔

سب کچھ جیون ہے۔

یہی بھگوان ہے اور یہی مندر ہے اور یہی پوتر پستک ہے۔۔۔ اور اسے پوری طرح جینا، پورے من کے ساتھ جینا ہی واحد دھرم ہے۔

میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ اس کاملیت کے ساتھ جینا کہ ہر لمحہ وصال بن جائے، جیون کا۔ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔ ''مقصد'' کے تو تصور ہی سے ذہن میں مستقبل در آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مقصد، ہر منزل کے لیے مستقبل ضروری ہے۔ تمہارا ہر مقصد تمہیں تمہارے حال سے محروم کر دیتا ہے، جو کہ تمہاری واحد حقیقت ہے۔ مستقبل صرف تمہارے تخیل میں ہوتا ہے جبکہ ماضی تمہارے حافظے کے صحرا پر بنے ہوئے نقوشِ قدم ہیں۔ نہ تو ماضی حقیقی ہے اور نہ ہی مستقبل۔

لمحۂ موجود واحد حقیقت ہے۔

اور لمحۂ موجود کو کسی پابندی، کسی دباؤ، مستقبل کے کسی لالچ، کسی خوف کے بغیر جینا۔۔۔ ماضی کو بار بار دہرائے بغیر، ہر لمحہ تازہ ہوتے ہوئے، تازہ اور جوان ہوتے ہوئے، یادوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر، تخیلات کی رکاوٹوں سے بچ کر جینا ہی وہ پاکیزگی، وہ معصومیت ہے کہ جسے میں الوہیت کہتا ہوں۔

میرے نزدیک بھگوان وہ نہیں ہے جس نے دنیا بنائی ہے۔ بھگوان تو وہ ہے جسے تم اس وقت تخلیق کرتے ہو، جب تم کاملیت کے ساتھ، شدت کے ساتھ جیتے ہو۔۔۔ اپنے پورے من کے ساتھ، کسی شے سے چمٹے بغیر۔ جب تمہارا جیون لمحہ لمحہ خوشی میں ڈھل جاتا ہے، لمحہ لمحہ رقص میں ڈھل جاتا ہے، تب تمہارا جیون روشنی کے میلے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔۔۔ ہر لمحہ انتہائی قیمتی ہے، کیونکہ وہ گیا تو پھر گیا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں مسرت کے ساتھ، قناعت کے ساتھ، اپنی محبت، اپنی خاموشی، اپنا سکون بانٹتے ہوئے جینے کی ہدایت کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے جیون کو اتنا خوبصورت رقص بننے دو کہ نہ صرف تمہیں مسرت کا احساس ہو بلکہ تم ساری دنیا کو مسرت بخش سکو۔ یہی واحد مصدقہ راستہ ہے۔ جیون ہی کسوٹی ہے۔ ہر شے غیر اہم ہے۔ ہر انسان اتنا منفرد ہے کہ تم کوئی ایسا سپر ہائی وے نہیں بنا سکتے کہ جس پر سفر کر کے ہر شخص جیون کا

مقصد پا سکے۔ اس کے برعکس ہر شخص کو ہجوم کے پیچھے پیچھے چلے بغیر اپنے جیون کو پانا ہوتا ہے۔ تاہم' اپنی آواز کی پیروی کرو' ہجوم میں سفر کیے بغیر' ایک چھوٹے سے نقش قدم پر قدم دھرو۔ اسے بھی کسی نے خلق نہیں کیا ہے۔ تم ہی چلتے ہو تو یہ تخلیق ہوتا ہے۔

جیون اور شعور کی دنیا تقریباً آسمان جیسی ہے۔۔۔ پرندے اُڑتے ہیں لیکن کوئی نقش قدم نہیں چھوڑتے۔ تم جتنا گہرائی میں' خلوص کے ساتھ' دیانت کے ساتھ جیتے ہو' تم کوئی نقش قدم نہیں چھوڑتے اور کسی کو تمہاری پیروی نہیں کرنی ہوتی۔ ہر شخص کو اپنی خاموش ننھی سی صدا پر جانا ہوتا ہے۔

میں مراقبے پر اسی لیے اصرار کرتا ہوں تاکہ تم اپنی خاموش' ننھی سی صدا سن سکو۔۔۔ جو تمہیں رہنمائی دے گی' سمت کا شعور دے گی۔ کوئی پستک تمہیں یہ کچھ نہیں دے سکتی۔ کوئی دھرم' کسی دھرم کا بانی تمہیں یہ کچھ نہیں دے سکتا' کیونکہ وہ ہزاروں برسوں سے انسانیت کو دے رہے ہیں اور ان کی ساری کوششیں ناکامی سے دوچار ہو رہی ہیں۔ انہوں نے صرف مسخ شدہ لوگ تخلیق کیے ہیں' ذہانت سے عاری لوگ تخلیق کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماننے پر اصرار کرتے ہیں۔ جس لمحے تم کسی شے کو مانتے ہو' تم ذہانت سے محروم ہو جاتے ہو۔ یقین تمہاری ذہانت کے لیے زہر کا سا درجہ رکھتا ہے۔

میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ مجھ سمیت کسی کو مت مانو' تمہیں اپنی بصیرت خود پانی ہوگی' پھر اس کی پیروی کرو۔ یہ جب بھی راستہ دکھاتی ہے' وہ تمہارے لیے درست راستہ ہوتا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس راستے پر چلتا ہے یا نہیں۔ ہر انسان منفرد ہے اور ہر منفرد جیون ایک منفرد حسن کا حامل ہوتا ہے۔

تمہارا سوال بہت اہم ہے۔ شاید یہ سب سے قدیم سوال ہے۔ انسان آغاز سے یہ سوال پوچھ رہا ہے۔ لاکھوں جواب دیے جا چکے ہیں لیکن کوئی جواب درست نہیں نکلا۔ سوال ویسے ہی موجود ہے۔۔۔

میرا جواب ہے: جیون کا مقصد خود جیون ہے۔۔۔ زیادہ جیون' زیادہ گہرا جیون' زیادہ بلند جیون' لیکن ہمیشہ جیون۔ جیون سے اعلیٰ تر کچھ نہیں ہے۔

کامل جینے کا فن

کاملاً اور شدت کے ساتھ جینے کا فن مشکل نہیں ہے۔ تاہم' اسے تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ یہ اتنا سادہ اور اتنا واضح ہے کہ اسے سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

انسان زندگی کے وجدانی احساس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ درخت اس فن سے آگاہ ہیں' پرندے اس سے آگاہ ہیں' جانور اس سے آگاہ ہیں۔ صرف انسان ہی بدقسمت ہے۔ جیون کے خلاف مسلسل پرچار کیا گیا ہے۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ فن کی ضرورت پڑتی ہے۔

انسانیت پر ہزاروں برس سے مسلط دنیا کے تمام دھرم جیون مخالف ہیں۔ ان کی بنیاد ہی یہ ہے۔ انسان پیدا ہی گناہ گار ہوا ہے۔ تمام کلچر' تمام معاشرے فرماں برداری کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ غلامی کا' روحانی قید کا دوسرا نام ہے۔ کیا دانش گناہ ہے؟ کیا جہالت نیکی ہے؟

دنیا کے تمام دھرم عیسائیت' ہندومت' جین مت' بدھ مت کہتے ہیں کہ تم عذاب میں ہو' تم مصیبت زدہ ہو اور تم ان سے نجات نہیں پا سکتے کیونکہ یہ تمہارے پچھلے جنم کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ پچھلے جنم میں جو کچھ ہوا ہے' اسے مٹایا نہیں جا سکتا لہٰذا تمہیں ہر صورت عذاب سہنا ہے۔ یہ عذاب' یہ ابتلا' یہ کرب تمہارا اپنا تخلیق کردہ ہے اور تم صرف یہی کر سکتے ہو کہ خاموشی سے عذاب و اذیت کو سہتے چلے جاؤ تاکہ مستقبل میں تمہیں انعام سے نوازا جائے۔ یہ تو عجیب استدلال ہے!

اگر تم اس جنم میں کوئی غلط کام کرتے ہو تو تمہیں اسی جنم میں سزا ملنی چاہیے۔

در حقیقت علت اور معلول ہمیشہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ ذرا اپنا ہاتھ آگ میں ڈالو۔۔۔ کیا تم سوچو گے کہ تم اگلے جنم میں جلو گے؟ تم تو اسی وقت جل جاؤ گے۔ ہر عمل کی اپنی سزا یا انعام ہوتا ہے۔ جنموں کا یہ فاصلہ ایک عیارانہ تصور ہے' جس کے ذریعے تم سے جیون کو کم سے کم حالت میں قبول کرایا جاتا ہے اور سارے دھرم تمہیں جیون کو ترک کر دینے کا درس دیتے ہیں۔ جو لوگ کاملاً جیتے ہیں۔۔۔ کوئی ان کی پرستش نہیں کرتا' کوئی ان کی تعریف تک نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ان کی تذلیل کی جاتی ہے۔

ہماری پرورش خوشی' لذت' حس مزاح' زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے خلاف ہوئی ہے۔ ہمیں رقص کرنے' گانے' بانسری بجانے سے منع کیا جاتا رہا ہے۔ تمہیں کوئی شخص سادھو نہیں کہے گا کیونکہ تم بہت مدھر بانسری بجاتے ہو۔ البتہ میری بات اور ہے۔

اگر تم کاملاً رقص کرو گے' تم رقص میں معدوم ہو جاؤ گے اور صرف رقص باقی رہ جائے گا' رقاص مکمل طور پر رقص میں جذب ہو جائے گا اور رقص بن جائے گا تو میں تمہیں سادھو کہوں گا۔ اگر تم اتنی کاملیت سے بانسری بجاؤ کہ تم اپنے آپ کو مکمل طور پر فراموش کر دو' صرف نغمہ باقی رہ جائے اور تم بانسری بجانے والے نہیں بلکہ صرف سننے والے ہو' تو پھر بانسری بھگوان کے لبوں سے لگی ہو گی۔

اگر تم محبت کرو تو اس کی تذلیل کی جاتی ہے۔ تمام دھرموں نے کہا ہے کہ محبت حیوانیت ہے۔ میں نے جانوروں کا مشاہدہ کیا ہے۔ مجھے تو کسی نوع کے جانوروں میں محبت نظر نہیں آئی۔ محبت مطلق طور پر انسانی عمل ہے۔ جانور جنسی عمل کر سکتے ہیں لیکن کیا تم نے جانوروں کو جنسی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر تم انہیں دیکھو تو تمہیں کوئی خوشی نظر نہیں آئے گی۔۔۔ تم انہیں بالکل انگریز پاؤ گے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی عذاب سے گزر رہے ہوں۔ در حقیقت وہ عذاب ہی سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے اور انہیں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ایسی انجانی قوت نے' کہ جس میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے' انہیں کچھ کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کے سوا کوئی جانور سارا سال جنسی عمل نہیں کرتا۔ صرف

جب ان کا ملاپ کا موسم آتا ہے' جب حیاتیاتی تقاضا انہیں مجبور کرتا ہے تب وہ جنسی عمل کرتے ہیں۔ ایسے جیسے کوئی شخص بندوق لیے کھڑا حکم دے رہا ہو ''جنسی عمل کرو۔'' ذرا جانوروں کو دیکھو' ان کی آنکھوں کو دیکھو۔۔۔ وہ خوشی محسوس نہیں کر رہے ہوتے۔

محبت کو حیوانیت قرار دینا بکواس ہے۔ جانور تو جانتے ہی نہیں کہ محبت کیا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ لاکھوں لوگ جانتے ہی نہیں کہ محبت کیا ہے۔ محبت کا تمہاری ہستی میں ایک مرکز بننا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک تم اپنی ہستی کا مرکز رہو گے' تم ان سب خزانوں سے آگاہ نہیں ہو پاؤ گے' جو تمہارے اندر موجود ہیں۔ محبت تو ان میں سے صرف ایک خزانہ ہے۔ وہاں تو اس سے بھی عظیم چیزیں موجود ہیں۔۔۔ سچ ہے' مسرت ہے اور الوہیت کا تجربہ ہے۔ جب تک کوئی گہرے مراقبے میں نہیں ہوتا' وہ محبت نہیں کر سکتا۔۔۔ اور وہ جی بھی نہیں سکتا ہے۔

تم نے مجھ سے کامل جینے کے فن کے بارے میں پوچھا ہے۔ مراقبے سے شروعات کرو تاکہ تم اپنی زندگی کے سرچشمے کو جان سکو۔ تم اپنی زندگی کے سرچشمے کو پا سکتے ہو۔۔۔ اور یہ ایک حیران کن تجربہ ہوتا ہے۔ تمہیں اچانک پتا چلتا ہے کہ تمہارے پاس تو بہت کچھ ہے' اتنی فراوانی کہ تم چاہو تو ساری دنیا سے محبت کر سکتے ہو۔ تم ساری دنیا کو اپنی محبت سے بھر سکتے ہو۔

تمہارے چھوٹے سے بدن میں ایک ایسا بیج موجود ہے' جو لاکھوں پھولوں کو تخلیق کر سکتا ہے' ایسا بیج جو تمام ممکنہ خوشبوؤں کا حامل ہے۔

زندگی کا فن مراقبے سے شروع ہوتا ہے۔ مراقبے سے میری مراد ہے ذہن کی خاموشی' دل کا سکوت' تمہارا اپنی ہستی کے عین مرکز تک پہنچنا اور اس خزانے کو پانا جو کہ تمہاری حقیقت ہے۔ جب تم اسے جان لیتے ہو' تب تم میں سے محبت چھلکنے لگتی ہے' تم میں سے زندگی چھلکنے لگتی ہے' تم میں سے تخلیقیت چھلکنے لگتی ہے۔ تمہارے الفاظ شاعرانہ ہو جائیں گے' تمہارے اشاروں میں وقار ہو گا' یہاں تک کہ تمہاری خاموشی بھی ایک نغمہ بن جائے گی۔ ہر آتی جاتی سانس ایک مسرت ہو گی' ہر دھڑکن بے حد قیمتی ہو گی کیونکہ یہ کائنات کی دھڑکن ہو گی۔۔۔ تم کائنات کا حصہ بن جاتے ہو۔

اپنے کو ہستی کے ایک حصے کے طور پر جانو۔۔۔تم کاملاً جینے لگو گے۔ دھرموں، پنڈتوں اور تمام جیون دشمن تعلیمات کے خوف کے بغیر۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم زندگی سے خوشی کشید نہ کرو بلکہ اسے ترک کر دو، زندگی سے فرار اختیار کرو۔ مراقبہ ایک ایسی آگ ہے جو ماضی کے اکٹھے کیے ہوئے کچرے کو جلا ڈالتی ہے۔ تم دوبارہ جنم لیتے ہو۔ تمہیں کسی فن کو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو تمہاری ہستی کے اندر سے ایک دم پھوٹ پڑتا ہے۔

اس وقت تمہیں بہت سی رکاوٹیں درپیش ہیں۔ تم طویل عرصے سے قید ہو۔ تمہیں اتنی بہت زیادہ غلط باتیں بتائی گئی ہیں کہ جینا گھسٹنا بن چکا ہے۔ زندگی ایک رقص کی بجائے پنگھوڑے سے قبر تک گھسٹنے کا عمل بن چکی ہے۔ لوگ پھر بھی جئے چلے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اور کیا کریں؟ وہ اس لیے خودکشی نہیں کرتے کیونکہ اگر زندگی اتنی اذیت دہ ہے تو پھر موت اس سے بہتر کس طرح ہو سکتی ہے؟ پس جینے کے فن پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے وہاں توجہ مرکوز کرو جہاں سے تمہاری زندگی ابھرتی ہے۔

ان جڑوں پر توجہ دو جہاں سے زندگی اپنا رس حاصل کرتی ہے۔ اپنی زندگی کی جڑوں کی تلاش میں اپنے اندر گہرے اتر جاؤ۔ تب اچانک تمہیں وہ تجربہ ہوگا، جسے سادھو لوگ گیان کہتے ہیں، بیداری کہتے ہیں، الوہیت کا تجربہ کہتے ہیں۔ اس تجربے کے بعد تم ایک مکمل طور پر مختلف شخص ہوتے ہو۔

تب ہر فن کے پیچھے تمہاری کاملیت ہوگی۔

تب تم شیزوفرینک نہیں ہو گے۔

تب تم کسی شے سے چمٹے ہوئے نہیں ہو گے۔

اگر تم رقص کرو تو رقص ہوتے ہو، اگر تم گیت گاؤ تو تم گیت ہوتے ہو، اگر تم محبت کرو تو تم محبت ہوتے ہو، اگر تم سن رہے ہو تو تم فقط کان ہوتے ہو اور باقی ہر شے معدوم ہو جاتی ہے۔ تب ہر لمحہ بھرپور ہو جاتا ہے اور یہ کاملیت بڑھتی جاتی ہے۔

بصورتِ دیگر لوگ کم سے کم پر مطمئن ہیں۔ خود کو دلاسے دیتے رہتے ہو کہ غریبوں پر رحمت ہوتی ہے، مظلوموں پر رحمت ہوتی ہے۔ کسی کو غریب بننے کی، مظلوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔

زندگی تمہیں اتنا کچھ دیتی ہے کہ تم بادشاہ بن سکتے ہو۔ تمہیں بادشاہ بننے کے لیے کسی سلطنت کی ضرورت نہیں ہے۔ بادشاہ بننے کے لیے زندگی گزارنے کا ایک مکمل اور مصدقہ طرز اپنانا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر تمہارے بادشاہ بھی فقیر ہی ہوتے ہیں۔ وہ زندہ نہیں ہیں، وہ اسی کشتی کے سوار ہیں، جس کے تم سوار ہو۔ اندر سے وہ بھی تمہاری طرح کھوکھلے ہیں۔ تم بھی مزید کے طلبگار ہو اور وہ بھی مزید کے طلبگار ہیں۔

مجھے ایک پرانی صوفی کہانی یاد آ رہی ہے:

''ایک عظیم بادشاہ صبح سویرے اپنے باغ کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک اسے ایک فقیر نظر آیا۔ وہ فقیر باغ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے پتا تھا کہ بادشاہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہر روز باغ میں آتا ہے۔ بصورت دیگر ایک فقیر کو بادشاہ سے کون ملواتا؟ بادشاہ ہمیشہ اکیلا سیر کرنے آتا تھا۔ پس کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ بادشاہ نے کہا'' ''تم کیا چاہتے ہو؟''

فقیر نے کہا'' ''میں چاہتا ہوں کہ میرا کاسہ بھر دیا جائے۔ میری شرط یہ ہے کہ آپ میرا کاسہ بھر دیں۔۔۔ میری شرط یہ نہیں ہے کہ اسے سونے، چاندی، ہیرے جواہرات سے بھرا جائے، اسے تو بس مکمل بھر دیجئے۔ یہی میری شرط ہے۔ اگر آپ کو میری شرط منظور ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ میں جاتا ہوں۔

بادشاہ کے لیے یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ اس نے کہا'' ''تمہارا کیا خیال ہے میں اس کاسے کو نہیں بھر سکتا؟'' اس نے اسی وقت اپنے وزیراعظم کو بلایا اور کہا'' اس کاسے کو انتہائی قیمتی ہیروں سے بھر دو۔''

فقیر نے کہا'' ''میں آپ سے پھر کہتا ہوں، فقیر سے فقیر، ابھی وقت ہے، میں جا سکتا ہوں۔''

بادشاہ نے کہا'' ''فقیر سے فقیر۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟''

وہ بولا'' ''آپ کو تھوڑے عرصے بعد اس کا مطلب سمجھ آ جائے

گا۔اپنے وزیراعظم کو بلائیں۔''

وزیراعظم ہیروں سے بھری ٹوکری لے کر آیا۔ اس نے سارے ہیرے چھوٹے سے کاسے میں ڈال دے۔ بادشاہ اور وزیراعظم حیران رہ گئے۔۔۔ ہیرے کاسے میں گرتے ہی غائب ہو گئے تھے۔کاسہ خالی کا خالی تھا۔۔۔ ویسے ہی خالی جیسے وہ پہلے تھا۔ بادشاہ بہت مغرور تھا' وہ بولا''خواہ میرا سارا خزانہ خالی ہو جائے' اس فقیر کو شکست دی جائے۔ میں تو بادشاہوں کو شکست دے چکا ہوں۔ میں اس فقیر سے شکست نہیں کھا سکتا۔اس نے تو پہلے ہی کہا تھا' فقیر سے فقیر۔''

سورج طلوع ہوتے ہوتے دارالسلطنت میں افواہ پھیل گئی کہ بادشاہ سخت مشکل میں ہے۔فقیر کا کاسہ اس کے خزانے کو ہڑپ کر چکا تھا۔لوگ اکٹھے ہونے لگے۔کسی کو اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ تاہم بادشاہ ضد پر اڑا ہوا تھا۔ پہلے ہیرے جواہرات غائب ہوئے' پھر سونا' پھر چاندی۔شام ہوئی تو بادشاہ بولا''تم ٹھیک کہتے تھے۔ اب میں بھی تمہاری طرح فقیر ہوں۔''فقیر نے کہا''اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آپ سمجھ جائیں گے۔''

بادشاہ بولا''تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔یہ کاسہ نہیں ہے اور تم فقیر نہیں ہو۔تم جادوگر لگتے ہو۔''

فقیر نے جواب دیا۔''نہیں' میں جادوگر نہیں ہوں۔ میں تو فقیر ہوں۔تاہم' یہ کاسہ جادوئی ہے۔میں آپ کو''فقیر سے فقیر'' کا راز بتاؤں گا۔ذرا قریب آئیے اور اک نظر دیکھئے۔یہ ایک انسان کی کھوپڑی ہے۔ میں نے اسے صاف کیا' چمکایا ہے۔ میں نے اسے ایک قبرستان میں پایا تھا۔میں اتنا غریب ہوں کہ بازار سے کاسہ بھی نہیں خرید سکتا' پس میں نے کہا' یہ ٹھیک رہے گی۔ میں نے اسے

دھویا' صاف کیا' چمکایا لیکن چونکہ یہ انسان کی کھوپڑی ہے اس لیے یہ کبھی نہیں بھرتی' یہ ہمیشہ اور مانگتی رہتی ہے۔اس میں ایسا کوئی بھید نہیں ہے۔آپ کی کھوپڑی بھی یہی کچھ کر رہی ہے۔ہر شخص کا سر یہی کر رہا ہے؛ یعنی مزید کا طلب گار ہے۔

مزید مانگتے ہوئے تم اس شے کو ضائع کیے جا رہے ہو' جس کے تم حامل ہو۔

مراقبہ کرنے والا نہ تو ماضی کی فکر کرتا ہے' جو کہ جا چکا ہوتا ہے' نہ ہی وہ مستقبل کی فکر کرتا ہے' جو کہ ابھی آیا ہی نہیں ہے۔وہ حال پر توجہ مرکوز کرتا ہے اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے' وہ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے۔وہ لمحۂ موجود کا رس زیادہ سے زیادہ کشید کر لیتا ہے۔فطری بات ہے کہ اس کی زندگی فقیر کی زندگی نہیں ہوتی۔وہ مزید کا طلب گار نہیں ہوتا۔وہ کاملیت اور شدت کے ساتھ جیتا ہے۔بصورتِ دیگر تمہیں قناعت کرنا پڑتی ہے۔ تمہارے دھرم تمہیں اسی کا تو درس دیتے ہیں۔۔۔تھوڑے پر قناعت کرو۔

قناعت کو بے پناہ اہمیت دی گئی ہے۔یہ تو افیم ہے تاکہ تم عذابوں کے حصار میں بھی مطمئن رہو جبکہ جس ابتلا میں تم غرق ہو رہے ہو' بڑھتی رہتی ہے۔

ایک آدمی گولف کھیل رہا تھا۔اس کی گیند جنگل میں جا گری۔ وہ اسے ڈھونڈنے گیا تو اسے ایک جادوگرنی نظر آئی جو اپنے کڑھاؤ میں لکڑی گھما رہی تھی۔اس آدمی نے پوچھا''اس میں کیا ہے؟''

''یہ جادوئی مشروب ہے''جادوگرنی نے کہا''اگر تم نے اسے چکھ لیا تو تم دنیا کے سب سے اچھے گولف کے کھلاڑی بن جاؤ گے۔تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔''

اس آدمی نے کہا''مجھے مشروب دو' میں اسے پینا چاہتا ہوں۔''

''ذرا ٹھہرو' 'اس نے اسے خبردار کیا''تم دنیا میں سب سے بری جنسی زندگی گزارو گے۔''

آدمی نے کچھ دیر غور کیا' پھر بولا''ٹھیک ہے' مجھے مشروب دو۔''

جادوگرنی نے اسے مشروب دیا۔اس نے اسے پی لیا۔

وہ شخص واپس جا کر کلب کا چمپئن بن گیا۔

وہ ٹورنامنٹ کھیلتا گیا اور ملک کا سب سے اچھا گولفر بن گیا۔

ایک سال بعد کی بات ہے۔ وہ اسی میدان میں کھیل رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جا کر دیکھے کہ وہ جادوگرنی ابھی وہیں ہے کہ نہیں۔ وہ جنگل میں گیا تو جادوگرنی اسی جگہ موجود تھی۔ اس نے جادوگرنی سے پوچھا'' کیا میں تمہیں یاد ہوں؟''

''ہاں تم مجھے یاد ہو۔'' جادوگرنی بولی'' اپنے گولف کے کھیل کے بارے میں بتاؤ۔''

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔'' وہ بولا'' میں ہر مقابلہ جیت چکا ہوں' ملک کا بہترین گولفر بن چکا ہوں۔''

جادوگرنی نے قہقہہ لگایا اور بولی'' تمہاری جنسی زندگی کیسی رہی؟''

''زیادہ بری نہیں رہی۔'' آدمی نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' جادوگرنی نے حیرت سے کہا'' تم نے پچھلے سال کتنی مرتبہ جنسی عمل کیا؟''

''تین ۔۔۔ یا شاید چار مرتبہ'' اس آدمی نے جواب دیا۔

''تین چار مرتبہ؟'' جادوگرنی بولی۔'' اور تم اسے برا نہیں کہتے؟''

''بالکل'' وہ بولا۔ میں ایک کیتھولک پادری ہوں۔''

پس یاد رکھو کیتھولک پادری مت بنو! اگر تم زندگی کو کاملاً جینا چاہتے ہو تو کسی منظّم دھرم کا حصہ مت بنو اور مُردوں سے مغلوب نہ ہو۔ اپنی روشنی کے مطابق جیو۔ اپنے اندر اپنی روشنی پاؤ اور کسی خوف کے بغیر اس کے مطابق جیو۔ یہ ہماری ہستی ہے' ہم اس کا حصہ ہیں۔ ہستی ہم سے جو کچھ ہونے کی خواہاں ہے' وہ ہم میں موجود ہے۔ اسے استعمال کرو! اسے حقیقت بناؤ! کسی شے سے مت چمٹو اور مصیبتوں بھری زندگی مت گزارو۔

2

جلتی ہوئی مشعل

❖..... تم جتنا زیادہ سوچتے ہو' اتنا ہی کم تم ہوتے ہو۔ جتنا کم تم سوچتے ہو' اتنا ہی زیادہ ہوتے ہو۔

❖..... تم جتنا زیادہ تجربہ کار ہوتے جاتے ہو' مردہ تجربے کا خول مزید موٹا ہوتا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ تمام کھڑکیاں' دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تب تم موجود تو ہوتے ہو لیکن تم بیگانگی میں موجود ہوتے ہو۔

قبولیت

سوال: آپ اکثر کشادگی اور قبولیت کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ قبولیت کیا ہے؟

قبولیت لاذہنی کی حالت ہوتی ہے۔ جب تم تمام خیالات سے مکمل طور پر خالی ہو جاتے ہو، جب شعور کے پاس کوئی مواد نہیں ہوتا، جب آئینے میں کوئی عکس نہیں ہوتا، اسے قبولیت کہتے ہیں۔ قبولیت الوہیت کا دروازہ ہے۔ ذہن کو ترک کرو اور بس ہو ؤ۔

ذہن میں ہوتے ہوئے تم ہستی سے میلوں دور ہوتے ہو۔ تم جتنا زیادہ سوچتے ہو، اتنا ہی کم تم ہوتے ہو۔ جتنا کم تم سوچتے ہو، اتنا ہی زیادہ تم ہوتے ہو۔ اگر تم بالکل نہ سوچو تو وہ ایسے لمحات ہوتے ہیں کہ جب ہستی اپنی کاملیت میں ہوتی ہے۔

قبولیت کا سادہ سا مطلب اس کچرے کو پرے پھینکنا ہے، جسے تم اپنے سر میں اٹھائے ہوئے ہو۔ سر میں جتنا کچرا ہے، سب بے کار ہے، کسی کام کا نہیں ہے۔ ذہن کا مطلب ہوتا ہے ماضی۔ اب ماضی مزید کسی کام کا نہیں رہا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب وہ دوبارہ نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں کوئی واقعہ دوبارہ رونما نہیں ہوتا۔

حد تو یہ ہے کہ جب تم سوچتے ہو، تب محسوس کرتے ہو کہ یہ ویسی ہی صورتحال ہے۔ حالانکہ وہ ویسی ہی صورت حال بالکل نہیں ہوتی۔ ہر صبح نئی ہوتی ہے اور ہر صبح جو سورج تم دیکھتے ہو، نیا سورج ہوتا ہے۔ میں مادی سورج کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس خوبصورتی، رحمت اور مہربانی کی بات کر رہا ہوں جو وہ ہر روز لے کر آتا ہے۔۔۔ یہ بالکل

نئی ہوتی ہے۔

اگر تم ماضی کی تصویریں اٹھائے پھرو گے تو تم نئے کو دیکھنے سے قاصر رہو گے۔ تمہاری آنکھوں کو تمہارے تجربات اور توقعات نے ڈھانپا ہوا ہے۔ یہ آنکھیں تمہیں وہ کچھ نہیں دکھا سکیں گی، جس کا کہ تمہیں سامنا ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی کو ضائع کیے چلے جا رہے ہیں۔ ماضی ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔ وہ تمہیں محصور کر لیتا ہے' تمہیں باندھ دیتا ہے' ایک ایسی شے میں جو کہ اب نہیں رہی۔ تم مرے ہوئے کے خول میں بند ہو جاتے ہو۔ تم جتنا زیادہ تجربہ کار ہوتے جاتے ہو' مردہ تجربے کا خول مزید موٹا ہوتا جاتا ہے۔ تم زیادہ بند ہو جاتے ہو۔ آہستہ آہستہ تمام کھڑکیاں' تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تب تم موجود تو ہوتے ہو لیکن تم بیگانگی میں موجود ہوتے ہو' تم جڑوں سے اکھڑے ہوئے موجود ہوتے ہو۔ تب زندگی سے تمہارا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ درختوں اور ستاروں اور پہاڑوں سے تمہارا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تم رابطہ استوار کر بھی نہیں سکتے کیونکہ تمہارے ماضی کی دیوارِ چین نے تمہیں محصور کر دیا ہوتا ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ قبولیت کے حامل ہو جاؤ تو میرا مطلب ہوتا ہے دوبارہ بچے بن جاؤ۔

یسوع کو یاد کرو' جو اپنے حواریوں سے مسلسل کہا کرتے تھے کہ جب تک تم کسی ننھے بچے جیسے نہیں بنو گے' تم خداوند کی سلطنت میں داخل نہیں ہو سکو گے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں' قبولیت کا مفہوم عین وہی ہے۔ بچہ قبول کرنے والا نہیں ہے کیونکہ وہ کچھ نہیں جانتا ہے۔ کچھ بھی نہ جانتے ہوئے' وہ قبول کرنے والا بن جاتا ہے۔ بوڑھا آدمی قبول کرنے والا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہت زیادہ جانتا ہے۔ بہت زیادہ جانتے ہوئے' وہ بند ہو گیا ہے۔ اسے دوبارہ جنم لینا ہو گا۔ اسے ماضی کے لیے مرنا ہو گا اور دوبارہ بچہ بننا ہو گا۔ بلاشبہ جسمانی طور پر نہیں۔ شعور کو ہمیشہ بچے جیسا ہونا چاہیے۔ یاد رکھو طفلانہ نہیں بلکہ بچے کی طرح: بالغ' پختہ لیکن معصوم اور سادہ۔

انسان اسے کس طرح سیکھتا ہے۔ تم اس سچ کو کس طرح جانتے ہو جو تمہاری زندگی کے ہر لمحے میں تمہارے سامنے آ رہا ہے۔ تم اس ''مہمان'' سے کس طرح واقف ہوتے ہو' جو ہر لمحہ آ کر تمہارے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ برسوں سے ہر روز آ رہا ہے

لیکن تم اپنے اندر کی باتوں' اپنے اندر کے خیالوں کے ہجوم میں اس طرح گھرے ہوئے ہو کہ تم اس کی دستک نہیں سنتے۔

کیا تم دور سے آتی ہوئی ہو کوئل کی آواز سنتے ہو؟ کیا تم پرندوں کی چہچہاہٹ سنتے ہو؟ یہی قبولیت ہے۔ یہ خاموشی کی ایک وجودی سطح ہے' گہری' کامل خاموشی' کوئی حرکت نہیں ہے' کوئی ہلچل نہیں ہے اور اس پر بھی تم سوئے ہوئے نہیں ہو' تم چوکس ہو' بیدار ہو اور پوری طرح آگاہ ہو۔ جب خاموشی اور آگہی ملتی ہیں اور ایک ہو جاتی ہیں' وہی قبولیت ہوتی ہے۔ قبولیت سب سے اہم مذہبی صفت ہے۔ بچے بن جاؤ' نہ جاننے کی حالت سے آغاز کرو' یوں خاموشی خود بخود وارد ہوتی ہے' اور عظیم آگہی بھی۔ تب زندگی ایک رحمت بن جاتی ہے۔

بے ساختگی اور مشاہدہ

''مغرب میں ہمیں مستقل طور پر اس جملے کے برمے سے اذیت دی جاتی ہے کہ ''یوں بیٹھے نہ رہو۔۔۔کچھ کرو!'' تاہم' گوتم بدھ کہتا ہے: ''کچھ مت کرو۔۔۔بس بیٹھے رہو!''

بے شعور آدمی ردعمل کا اظہار کرتا ہے جبکہ دانا انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن سوال بے ساختگی کا ہے۔ کیا بے ساختگی اور مشاہدے میں ہم آہنگی ہے؟

گوتم بدھ یقیناً یہ کہتا ہے کہ'' کچھ مت کرو۔۔۔بس بیٹھے رہو!'' تاہم' یہ زائری (Pilgrimage) کی صرف شروعات ہے' اختتام نہیں۔ جب تم بیٹھے رہنا سیکھ جاتے ہو' جب تم مکمل طور پر خاموش ہونا' بے حرکت ہونا سیکھ جاتے ہو' جب تم بیٹھنا۔۔۔خاموشی سے بیٹھنا' کچھ نہ کرتے ہوئے بیٹھنا۔۔۔سیکھ جاتے ہو' تب بہار آجاتی ہے اور گھاس خود بخود اُگ آتی ہے۔ یاد رکھنا گھاس اُگ آتی ہے۔

عمل معدوم نہیں ہوتا ہے: گھاس خود بخود اُگ آتی ہے۔ بدھ بے عمل نہیں ہوتا ہے' اس کے وسیلے تو عظیم عمل وقوع پذیر ہوتا ہے' گو کہ عمل کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ عمل کرنے والا معدوم ہو جاتا ہے' عمل جاری رہتا ہے۔ جب عمل کرنے والا کوئی نہیں ہوتا' تب عمل بے ساختہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔ یہ تو عمل کرنے والا ہے' جو بے ساختگی کو رونما

نہیں ہونے دیتا۔

عمل کرنے والے کا مطلب ہے انا اور انا کا مطلب ہے ماضی۔ تم جب بھی عمل کرتے ہو' ماضی کے وسیلے کرتے ہو۔ تم تجربے کی بنیاد پر عمل کرتے ہو۔

تم ان نتائج کی بنیاد پر عمل کرتے ہو' جنہیں تم نے ماضی میں اخذ کیا ہوتا ہے۔ سوال یہ کہ یوں تم کس طرح بے ساختہ ہو سکتے ہو؟ اس طرح تو ماضی غلبہ پالیتا ہے اور ماضی کی وجہ سے تم حال کو نہیں دیکھ پاتے۔ تمہاری آنکھیں ماضی سے اتنی بھری ہوئی ہیں' ماضی کا دھواں اتنا زیادہ ہے کہ تمہارے لیے دیکھنا' مشاہدہ کرنا' ناممکن ہو گیا ہے۔ تم دیکھ نہیں سکتے ہو! تم قریب قریب نابینا ہو چکے ہو۔۔۔دھوئیں کی وجہ سے نابینا' ماضی کے اخذ کردہ نتائج کی وجہ سے نابینا' علم کی وجہ سے نابینا۔

علم کا حامل انسان دنیا کا سب سے زیادہ نابینا انسان ہوتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے علم کی بنیاد پر عمل کرتا ہے اس لیے وہ صورت حال کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ وہ مشینی انداز میں عمل کیے چلا جاتا ہے۔ اس نے کچھ سیکھ لیا ہے جو اس میں ایک بنے بنائے میکانزم میں ڈھل گیا ہے۔۔۔وہ اسی کے تحت عمل کرتا ہے۔

ایک مشہور کہانی ہے:

جاپان میں دو معبد تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔۔۔جیسا کہ معبد صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن رہے ہیں۔ پجاری اتنے مشتعل تھے کہ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا تک چھوڑ دیا تھا۔ اگر سڑک پر آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ بولنا بند کر دیتے تھے۔ صدیوں سے ان دونوں معبدوں کے پجاریوں میں بات چیت بند تھی۔

دونوں پجاریوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ وہ ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ دونوں پجاری لڑکوں سے خوفزدہ رہتے تھے۔ انہیں ڈر رہتا تھا کہ وہ تو بچے ہیں' کہیں وہ آپس میں دوست نہ بن جائیں۔

ایک پجاری نے اپنے لڑکے سے کہا ''یاد رکھنا! دوسرا معبد ہمارا دشمن ہے۔ دوسرے معبد کے لڑکے سے کبھی بات مت کرنا! وہ لوگ خطرناک ہیں۔ ان سے یوں بچنا جیسے بیماری سے بچا جاتا ہے' جیسے طاعون سے بچا جاتا ہے! دور رہنا ان سے!''

لڑکا لمبے لمبے وعظ سن سن کر تنگ آ چکا تھا۔ وہ انہیں سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ عجیب عجیب صحیفے پڑھے جاتے تھے۔ وہ تو ان کی زبان بھی نہیں جانتا تھا۔ عظیم مسائل پر بحث مباحثہ کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ کھیلنے کودنے والا کوئی نہیں تھا' اس کے ساتھ بات کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ ''دوسرے معبد کے لڑکے سے بات نہیں کرنی ہے'' تو اس کے اندر اس لڑکے سے بات کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوگئی۔ خواہش یوں پیدا ہوا کرتی ہے!

اس روز وہ دوسرے لڑکے سے بات کرنے سے باز نہ رہ سکا۔ جب اس نے سڑک پر اسے دیکھا تو اس سے پوچھا ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

دوسرا لڑکے تھوڑا فلسفی سا تھا۔ عظیم فلسفے سنتے سنتے وہ بھی کچھ کچھ فلسفی سا بن چکا تھا۔ اس نے کہا ''جا رہا ہوں؟ آتا جاتا کوئی نہیں ہے! یہ تو ہو رہا ہے۔۔۔ ہوا جدھر چاہے مجھے لے جاتی ہے۔''

وہ اپنے گرو سے بہت مرتبہ سن چکا تھا کہ ایک بدھ کسی مردہ پتے کی طرح زندہ رہتا ہے۔ ہوا جہاں چاہے اسے لے جائے۔ پس اس لڑکے نے کہا ''میں نہیں ہوں! عمل کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پس میں کس طرح جا سکتا ہوں؟ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں تو ایک مردہ پتا ہوں۔ ہوا جہاں چاہے مجھے لے جائے۔۔۔''

دوسرا لڑکا بہت حیران ہوا۔ اس سے مزید بات بھی نہیں ہو سکی۔ وہ حقیقتاً شرمندہ تھا۔ اسے یہ بھی خیال آیا ''میرا گرو درست کہتا

تھا کہ ان لوگوں سے بات نہیں کرنی۔۔۔ یہ خطرناک لوگ ہیں! یہ کیسی بات کی ہے اس نے؟ میں نے تو سادہ سا سوال پوچھا تھا کہ ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اصل میں تو مجھے پتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ مجھے پتا ہے کہ ہم دونوں بازار سے سبزی خریدنے جا رہے ہیں۔ میرے سوال کا تو سیدھا سادا جواب دیا جا سکتا تھا۔''

اس نے واپس جا کر اپنے گرو سے کہا ''جناب میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے منع کیا تھا لیکن میں نے آپ کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ اصل میں آپ کے منع کرنے سے مجھ میں خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ میں اس لڑکے سے بات کروں۔ میں نے ان خطرناک لوگوں سے پہلی مرتبہ بات کی تھی۔ میں نے اس لڑکے سے سادہ سا سوال کیا کہ ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اور وہ تو عجیب عجیب باتیں کرنے لگا: ''کوئی آنا نہیں ہوتا' کوئی جانا نہیں ہوتا۔ کون آتا ہے؟ کون جاتا ہے؟ میں تو مکمل خالی پن ہوں۔ میں تو ہوا کے آگے مردہ پتے کی طرح ہوں۔ ہوا جہاں چاہے مجھے لے جائے۔۔۔''

گرو نے کہا ''میں نے تو تمہیں پہلے ہی منع کیا تھا۔ خیر کل تم اسی جگہ پر کھڑے ہو جانا۔ جب وہ لڑکا آئے تو اس سے دوبارہ پوچھنا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ جب وہ پہلے جیسی باتیں کرے تو تم کہنا کہ ''تم سچ کہتے ہو میں بھی تمہاری طرح ایک مردہ پتا ہوں۔ لیکن جب ہوا نہیں چل رہی تو تم کہاں جا رہے ہو گے؟ تب تم کہاں جا سکتے ہو؟'' بس اتنا کہنا اور اس بات سے وہ شرمندہ ہو جائے گا۔۔۔ اور اسے شرمندہ ہونا ہی ہوگا' اسے شکست کھانی پڑے گی۔ ہم مسلسل جھگڑا کر رہے ہیں اور وہ لوگ کسی بحث میں ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔ پس کل ایسا ہی کرنا۔''

اگلے روز لڑکا صبح سویرے اٹھا۔ گرو کا بتایا ہوا جواب یاد کیا اور

روانہ ہونے سے پہلے بار بار اسے دہرایا۔ وہ سڑک پر کھڑے ہو کر جواب کو بار بار دہراتا رہا۔

وہ لڑکا آیا تو اس نے پوچھا ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اسے امید تھی کہ وہ کل والا جواب ہی دے گا لیکن اس لڑکے نے کہا: ''جہاں ٹانگیں مجھے لے جائیں گی۔''

اس نے نہ تو ہوا کی بات کی' نہ ہی یہ کہا کہ وہ نہیں ہے۔ لڑکا سوچ میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے؟ اس کا یاد کیا ہوا جواب تو بے کار تھا۔ اب ہوا کی بات کرنا تو بے کار تھا۔

اس مرتبہ وہ پہلے سے بھی زیادہ شرمندہ ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ لڑکا تو واقعی عجیب سی باتیں جانتا ہے۔۔۔ اب یہ کہتا ہے کہ ''جہاں ٹانگیں مجھے لے جائیں گی۔۔۔''

وہ واپس اپنے گرو کے پاس گیا۔ گرو نے کہا ''میں نے تمہیں ان لوگوں سے بات کرنے سے منع کیا تھا نا۔ یہ خطرناک لوگ ہیں! یہ ہمارا صدیوں پرانا تجربہ ہے۔ تاہم' اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ پس کل تم اس سے پوچھنا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ جب وہ کہے ''جہاں ٹانگیں مجھے لے جائیں گی'' تو تم کہنا کہ ''اگر تمہاری ٹانگیں نہ ہوتیں تو۔۔۔؟ یقیناً وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکے گا۔''

اگلے روز لڑکے نے دوبارہ پوچھا ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

دوسرے لڑکے نے جواب دیا ''میں سبزی لینے بازار جا رہا ہوں۔''

انسان عمومی طور پر ماضی کی بنیاد پر عمل کرتا ہے جبکہ زندگی تبدیل ہو رہی ہے۔ زندگی تمہارے نتائج سے ہم آہنگ ہونے کی پابند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی اتنی الجھا دینے والی ہوتی ہے۔ علم والے لوگوں کے لیے الجھا دینے والی۔ علم والے آدمی کے پاس تمام بنے بنائے جواب ہوتے ہیں: بھگوت گیتا' وید' وغیرہ۔ وہ سب کچھ رٹ چکا ہے' وہ

سب جواب جان چکا ہے لیکن زندگی کبھی پہلے جیسے سوال دوبارہ نہیں اُٹھاتی۔ پس علم والا انسان ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔

گوتم بدھ یقیناً یہ کہتا ہے: خاموشی سے بیٹھنا جانو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کہتا ہے: ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو بیٹھو۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ تم بے عمل ہو جاؤ۔ اس کے برعکس' ہوتا یہ ہے کہ خاموشی سے عمل جنم لیتا ہے۔ اگر تم خاموش نہیں ہو' اگر تم خاموشی سے بیٹھنا نہیں جانتے' یا گہرے مراقبے میں خاموش کھڑے رہنا نہیں جانتے تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ عمل نہیں ردعمل ہوگا۔ تم ردعمل کرتے ہو۔

کوئی شخص تمہاری بے عزتی کرتا ہے۔ وہ ایک بٹن دباتا ہے اور تم ردعمل کرتے ہو۔ تم ناراض ہو جاتے ہو۔ تم اس پر جھپٹ پڑتے ہو۔۔۔ اور تم اسے عمل کہتے ہو؟ یہ عمل تو نہیں ہے' معاف رکھنا' یہ تو ردعمل ہے۔ اس نے بٹن دبایا اور تم کسی مشین کی طرح حرکت میں آ گئے۔ بالکل ویسے ہی جیسے تم بٹن دباتے ہو تو روشنیاں جل اُٹھتی ہیں اور بٹن بجھاتے ہو تو روشنیاں بجھ جاتی ہیں۔ لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی تو کر رہے ہیں۔ وہ تمہیں جلاتے بجھاتے ہیں۔

کوئی شخص تمہاری تعریف کرتا' تمہاری انا کو سہلاتا ہے۔ تمہیں بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر کوئی شخص تم پر نکتہ چینی کرتا ہے اور تمہاری ساری ہوا نکل جاتی ہے۔ تم خود اپنے آقا نہیں ہو۔ کوئی شخص بھی تمہاری بے عزتی کر کے تمہیں اداس' مشتعل' متشدد' پاگل کر سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص تمہاری تعریف کر کے تمہیں برتری کا احساس دلا سکتا ہے' وہ تمہیں احساس دلا سکتا ہے کہ تم عظیم ترین انسان ہو۔۔۔ تمہارے مقابلے میں سکندر اعظم کی کیا حیثیت!۔۔۔ اور تم دوسروں کے تحت ''عمل'' کرتے رہتے ہو۔ یہ حقیقی عمل نہیں ہوتا ہے۔

گوتم بدھ ایک بستی سے گزر رہے تھے۔ بستی کے لوگوں نے ان کی بے عزتی کی۔ انہوں نے گوتم بدھ کو بے تحاشا گالیاں دیں۔ گوتم بدھ خاموشی سے' انتہائی توجہ سے ان کی گالیاں سنتے رہے اور پھر بولے'' تمہاری آمد کا شکریہ لیکن میں جلدی میں ہوں۔ مجھے اگلی بستی میں پہنچنا ہے۔ لوگ وہاں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہیں آج زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ تاہم' کل دوبارہ آؤں گا اور تمہیں زیادہ

وقت دوں گا۔ تم کل دوبارہ اکٹھے ہونا اور اگر کہنے کو کچھ رہ گیا ہے تو وہ تم کل کہہ لینا۔"

ان لوگوں کو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ انہوں نے سوچا کہ اس شخص پر تو ہماری گالیوں کا بالکل بھی اثر نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا" "کیا تم نے ہماری گالیاں نہیں سنیں۔ ہم نے تمہیں اتنی گالیاں دیں اور تم نے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔"

گوتم بدھ نے کہا" "اگر تمہیں جواب کی خواہش ہے تو تم بہت دیر سے آئے ہو۔ تمہیں دس برس پہلے آنا چاہیے تھا۔ تب میں تمہیں جواب دیتا۔ تاہم، اب ان دس برسوں میں، مَیں نے دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلنا چھوڑ دیا ہے۔ اب میں غلام نہیں رہا، اب میں خود اپنا آقا ہوں۔ میں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہوں، کسی دوسرے کی مرضی کے مطابق نہیں۔ میں اپنی داخلی ضرورت کے تحت عمل کرتا ہوں۔ تم مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ٹھیک ہے، تم مجھے گالیاں دینا چاہتے تھے۔ تم نے مجھے گالیاں دیں۔ تمہیں اس سے تسکین ملی۔ تم نے اپنا کام بھرپور طریقے سے انجام دیا۔ تاہم، جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے بے عزتی محسوس نہیں کی۔ جب تک میں بے عزتی محسوس نہیں کروں گا تمہاری گالیاں بے کار ہوں گی۔"

جب کوئی شخص تمہاری بے عزتی کرتا ہے تو تمہیں وصول کرنے والا بننا پڑتا ہے۔ تمہیں وہ کچھ قبول کرنا پڑتا ہے، جو وہ کہتا ہے۔ صرف تبھی تم ردعمل کرتے ہو۔ تاہم، اگر تم قبول ہی نہ کرو۔ اگر تم لاتعلق رہو، اگر تم فاصلہ رکھو، اگر تم ٹھنڈے رہو تو وہ کیا کر سکتا ہے؟

گوتم بدھ نے کہا تھا" "کوئی شخص جلتی ہوئی مشعل دریا میں پھینکے تو وہ دریا میں پہنچنے تک جلتی رہتی ہے۔ جس لمحے وہ دریا میں گرتی ہے، بُجھ جاتی۔ دریا آگ کو بجھا دیتا ہے۔ میں دریا بن چکا

ہوں۔ تم مجھے گالیاں دیتے ہو۔ یہ آگ تھی لیکن مجھ تک پہنچتے ہی، میری ٹھنڈک تک پہنچتے ہی آگ بجھ گئی۔ اب یہ کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ تم کانٹے پھینکتے ہو۔۔۔ میری خاموشی میں گر کے وہ پھول بن جاتے ہیں۔ میں اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہوں۔"

یہ ہے بے ساختگی۔ آگہی والا انسان عمل کرتا ہے۔ جو شخص آگہی نہیں رکھتا، جو بے شعور ہے، مکینیکل ہے، روبوٹ جیسا ہے، وہ ردعمل کرتا ہے۔

تم کہتے ہو" "بے شعور انسان ردعمل کرتا ہے جبکہ دانا انسان مشاہدہ کرتا ہے۔" دانا انسان صرف مشاہدہ نہیں کرتا۔۔۔ مشاہدہ تو اس کی ہستی کا صرف ایک رُخ ہوتا ہے۔ وہ مشاہدہ کیے بغیر عمل ہی نہیں کرتا۔ تاہم، گوتم بدھ کو سمجھنے میں غلطی مت کرو۔ انہیں سمجھنے میں ہمیشہ غلطی کی گئی ہے۔ تم انہیں سمجھنے میں غلطی کرنے والے پہلے شخص نہیں ہو۔ یہ سارا ملک انہیں سمجھنے میں غلطی کرتا رہا ہے۔ پس سارا ملک بے عمل بن چکا ہے۔ وہ یہ سوچتے ہوئے بے عمل بن چکے ہیں کہ ہر عظیم گرو کہتا ہے: خاموش بیٹھو۔ سارا ملک کاہل بن چکا ہے۔ سارا ملک، اپنی توانائی اپنی زندگی کھو چکا ہے۔ یہ بالکل نکما اور احمق ہو چکا ہے۔ ذہانت صرف تبھی بڑھتی ہے کہ جب تم عمل کرتے ہو۔

جب تم آگہی اور مشاہدے کی بنیاد پر عمل کرتے ہو تب عظیم ذہانت پیدا ہوتی ہے۔ تم چمکنے لگتے ہو۔ تم درخشندہ ہو جاتے ہو۔ اس کا سبب دو چیزیں ہیں: مشاہدہ اور اس مشاہدے کی بنیاد پر عمل۔ اگر مشاہدہ بے عملی میں ڈھل جائے تو تم خودکشی کر رہے ہو۔ مشاہدے کو عمل میں ڈھلنا چاہیے، ایک نئی طرز کے عمل میں: عمل میں ایک نئی صفت پیدا کی جائے۔

تم مشاہدہ کرتے ہو۔ تم بالکل خاموش اور ساکن ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ صورت حال کیا ہے اور پھر اس مشاہدے کی بنیاد پر عمل کرتے ہو۔ عمل والا آدمی ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ ردعمل نہیں کرتا۔ اس کا عمل اس کی آگہی سے جنم لیتا ہے۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں نہیں کھیلتا۔ یہ فرق ہے۔ پس سوال مشاہدے اور بے ساختگی میں ہم آہنگی ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے۔ مشاہدہ تو بے ساختگی کی شروعات ہے اور بے ساختگی مشاہدے کی تکمیل ہے۔

حقیقی آگہی والا انسان عمل کرتا ہے۔ وہ کاملاً عمل کرتا ہے۔ وہ لمحے میں عمل کرتا

ہے' اپنے شعور کی بنیاد پر۔ وہ آئینے جیسا ہوتا ہے۔ عام آدمی' بے شعور آدمی آئینے جیسا نہیں ہوتا۔ وہ فوٹو پلیٹ جیسا ہوتا ہے۔ آئینے اور فوٹو پلیٹ میں کیا فرق ہے؟ فوٹو پلیٹ ایک بار استعمال کے بعد بے کار ہو جاتی ہے۔ وہ عکس کو لیتی ہے۔ یاد رکھو تصویر حقیقی نہیں ہوتی۔ حقیقت تو نشوونما پاتی ہے۔ تم باغ میں جا کر گلاب کے پودے کی تصویر اتارو۔ اگلے روز تصویر ویسے کی ویسی ہوگی' اس سے اگلے روز بھی تصویر ویسی ہی ہوگی۔ گلاب کے پودے کو دیکھو۔ وہ ویسے کا ویسا نہیں ہوگا۔ پہلے والے گلاب مرجھا چکے ہوں گے اور نئے گلاب کھل رہے ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک حقیقت پسند فلسفی مشہور مصور پکاسو سے ملنے گیا۔ وہ فلسفی حقیقت پسندی میں یقین رکھتا تھا اور پکاسو پر تنقید کرنے گیا تھا کیونکہ پکاسو کی تصویریں تجریدی ہوتی تھیں۔ ان تصویروں سے حقیقت کا ویسا اظہار نہیں ہوتا تھا' جیسی وہ ہو۔ اس کے برعکس وہ علامتی ہوتی تھیں' ایک بالکل مختلف جہت کی حامل ہوتی تھیں۔

حقیقت پسند فلسفی نے کہا: ''مجھے تمہاری تصویریں پسند نہیں ہیں۔ تصویر کو حقیقی ہونا چاہیے! اگر تم میری بیوی کی تصویر بناؤ تو اسے میری بیوی جیسا ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنی بیوی کی ایک تصویر نکالی اور بولا'' ذرا اس تصویر کو دیکھو! پینٹنگ کو اس جیسا ہونا چاہیے۔''

پکاسو نے تصویر کو دیکھا اور بولا'' کیا یہ تمہاری بیوی ہے؟''

فلسفی نے کہا'' ہاں' یہ میری بیوی ہے۔''

پکاسو بولا'' حیرت ہے؟ یہ تو چھوٹی سی اور چپٹی ہے۔''

تصویر بیوی نہیں ہوسکتی۔

ایک اور کہانی سنو:

''ایک خوبصورت عورت پکاسو کے پاس آئی اور بولی'' کل میں نے اپنی ایک دوست کے گھر تمہارا سیلف پورٹریٹ دیکھا۔ وہ

بہت خوبصورت تھا۔ میں تو اسے دیکھ کر سحرزدہ سی ہوگئی۔ میں اتنی متاثر ہوئی کہ میں نے اسے چوم لیا۔''

پکاسو بولا'' ''واقعی! پھر پورٹریٹ نے تم سے کیا کیا؟ کیا پورٹریٹ نے بھی تمہیں چوما؟''

عورت بولی'' کیا تم پاگل ہو؟ تصویر نے تو مجھے نہیں چوما۔''

پکاسو بولا'' تب پھر وہ میں نہیں تھا۔''

تصویر تو ایک مردہ شے ہوتی ہے۔ کیمرا' فوٹو پلیٹ تو صرف ایک ساکن منظر کو گرفت کرتا ہے۔ جبکہ زندگی بالکل بھی ساکن نہیں ہے۔ یہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ تمہارا ذہن کیمرے کی طرح کام کرتا ہے۔ یہ تصویریں اکٹھی کرتا رہتا ہے۔۔۔ یہ ایک البم ہے۔ تم انہی تصویروں کی بنیاد پر ردعمل کرتے ہو۔ پس تم زندگی سے کبھی سچے نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو غلط ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں تم جو کچھ کرتے ہو غلط ہوتا ہے۔ یہ کبھی درست نہیں ہوتا۔

ایک عورت اپنے بچوں کو خاندان کا البم دکھا رہی تھی۔ ایک خوبصورت آدمی کی تصویر سامنے آئی۔ اس کے بال لمبے اور گھنے تھے' وہ نوجوان اور زندگی سے بھرپور تھا۔

بیٹے نے پوچھا'' ممی' یہ آدمی کون ہے؟''

عورت بولی۔'' کیا تم نے نہیں پہچانا؟ یہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔''

اس کے بیٹے نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا'' اگر یہ میرے ڈیڈی ہیں تو پھر وہ گنجا کون ہے جو ہمارے ساتھ رہتا ہے؟''

تصویر تو ساکن ہوتی ہے وہ ویسے کی ویسی ہی رہتی ہے' بالکل بھی نہیں بدلتی۔ ایک بے شعور ذہن کیمرے کی طرح کام کرتا ہے۔ وہ ایک فوٹو پلیٹ کی طرح کام کرتا ہے۔ مشاہدہ کرنے والا ذہن' مراقبہ کرنے والا ذہن کسی آئینے کی طرح کام کرتا ہے۔ وہ کوئی تصویر نہیں لیتا' وہ تو خالی ہی رہتا ہے' ہمیشہ خالی۔ آئینے کے سامنے جو کچھ آتا ہے' وہی

منعکس ہوتا ہے۔ اگر آئینے کے سامنے تم کھڑے ہو تو وہ تمہیں منعکس کرے گا۔ اگر تم ہی چلے جاؤ تو یہ مت کہنا کہ آئینے نے تم سے غداری کی ہے۔ آئینہ تو آئینہ ہی ہے۔ تم چلے جاؤ گے تو وہ تمہیں منعکس نہیں کرے گا۔ تمہیں منعکس کرتا' اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اب کوئی اور اس کے سامنے ہے تو وہ اس کو منعکس کر رہا ہے۔ اگر اس کے سامنے کوئی نہیں ہے تو وہ کچھ بھی منعکس نہیں کرے گا۔ آئینہ ہمیشہ زندگی سے سچا رہتا ہے۔

فوٹو پلیٹ کبھی زندگی سے سچی نہیں ہوتی ہے۔ اگر ابھی تمہاری تصویر اتاری جائے تو جس وقت تک کیمرے سے تمہاری تصویر نکلے گی تم پہلے جیسے نہیں رہے ہو گے! تم تبدیل ہو چکے ہوتے ہو' تم عمر میں زیادہ ہو چکے ہوتے ہو۔ ممکن ہے صرف ایک منٹ ہی گزرا ہو۔ تاہم' ایک منٹ بھی بڑی شے ہے۔۔۔ ہوسکتا ہے تم مر جاتے۔ صرف ایک منٹ پہلے تم زندہ تھے' ایک منٹ بعد تم مردہ ہوتے۔ تصویر کبھی نہیں مرتی۔

تاہم آئینے میں اگر تم زندہ ہو تو زندہ ہو گے اور اگر مردہ ہو تو مردہ ہو گے۔

گوتم بدھ کہتا ہے: خاموشی سے بیٹھنا سیکھو۔۔۔ آئینہ بنو' خاموشی تمہارے شعور سے آئینہ بناتی ہے۔

تب تم لحہ بہ لحہ عمل کرتے ہو۔ تم زندگی کو منعکس کرتے ہو۔ تب تم اپنے سر میں البم نہیں اٹھائے ہوتے۔ تب تمہاری آنکھیں صاف اور معصوم ہو جاتی ہیں۔ تم شفافیت کے حامل ہوتے ہو' تم وژن کے حامل ہوتے ہو اور تم زندگی سے کبھی جھوٹے نہیں ہوتے ہو۔

یہی مصدقہ جینا ہوتا ہے۔

3

محبت

❖.... خوف محبت کا متضاد ہے۔ یاد رکھو نفرت نہیں ہے محبت کا متضاد۔ نفرت تو ایسی محبت ہوتی ہے' جو الٹ گئی ہو۔ محبت کا حقیقی متضاد خوف ہے۔

❖.... محبت گلاب کا پودا ہوتی ہے۔۔۔ بہت سے کانٹے اور بہت سے پھول۔ انسان کانٹوں کا تمنائی نہیں ہوتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ گلاب کے پودے پر پھول ہی پھول ہوں' کانٹا کوئی نہ ہو۔

محبت اور کاملیت

محبت نور ہے۔ محبت خود آگہی کی خوشبو ہے' اپنا ہونے کی خوشبو ہے۔ محبت چھلکتی ہوئی مسرت ہے۔ محبت یہ ہے کہ تم خود کو دیکھو کہ تم کیا ہو' تب تم اپنی ہستی دوسروں کے ساتھ بانٹنے کے سوا کچھ نہیں کرتے ہو۔ محبت یہ ہے کہ تم دیکھ لو کہ تم ہستی سے الگ نہیں ہو۔

محبت کوئی تعلق داری نہیں ہے' محبت تو ہونے کی ایک حالت ہے۔ اس کا کسی شخص سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ انسان ''محبت کرتا'' نہیں ہے' وہ محبت ''ہوتا ہے۔'' بلاشبہ جب انسان محبت ''ہوتا'' ہے تو وہ ''محبت کرتا'' ہے۔۔۔ تاہم' یہ ایک نتیجہ ہے' ضمنی پیداوار ہے' یہ سرچشمہ نہیں ہے۔ سرچشمہ یہ ہے کہ انسان محبت ہے۔

محبت کون ہو سکتا ہے؟ اگر تم اس بات سے آگاہ نہیں ہو کہ تم کون ہو تو تم محبت نہیں ہو سکتے۔ تم خوف ہو گے۔ خوف محبت کا متضاد ہے۔ یاد رکھو نفرت نہیں ہے محبت کا متضاد۔۔۔ جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ نفرت تو ایسی محبت ہوتی ہے جو الٹ گئی ہو۔ یہ محبت کا متضاد نہیں ہے۔ محبت کا حقیقی متضاد خوف ہے۔ محبت میں انسان وسیع ہوتا ہے' خوف میں سمٹ جاتا ہے۔ خوف میں انسان بند ہو جاتا ہے' محبت میں انسان کھل جاتا ہے۔ خوف میں انسان شک کرتا ہے' محبت میں انسان بھروسہ کرتا ہے۔ خوف میں انسان تنہا رہ جاتا ہے' محبت میں انسان گم ہو جاتا ہے اور تنہائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب انسان ہے ہی نہیں تو وہ تنہا کیسے ہو سکتا ہے؟ تب یہ درخت اور پرندے اور بادل اور سورج اور ستارے

تمہارے اندر ہوتے ہیں۔ محبت تب ہوتی ہے جب تم اپنے اندر کے آسمان کو جان لیتے ہو۔

ننھا بچہ خوف سے آزاد ہوتا ہے۔ بچے ہر خوف سے عاری پیدا ہوتے ہیں۔ اگر معاشرہ انہیں خوف سے عاری رہنے میں مدد دے' اگر معاشرہ انہیں درختوں اور پہاڑوں پر چڑھنے اور سمندروں اور دریاؤں میں تیرنے میں مدد دے' اگر معاشرہ انہیں مہم جو بننے میں' غیر معلوم کو کھوجنے والے بننے میں ہر ممکن طریقے سے مدد دے اور اگر معاشرہ انہیں مردہ عقیدے دینے کی بجائے انہیں تلاش و جستجو کرنے دے تو بچے عظیم محبت کرنے والے بن جائیں گے' زندگی سے محبت کرنے والے۔۔۔ اور یہی سچا دھرم ہے۔ محبت سے بڑا دھرم کوئی نہیں ہے۔

مراقبہ کرو' رقص کرو' گاؤ اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ گہرا اترو۔ پرندوں کی چہچہاہٹ زیادہ توجہ سے سنو۔ پھولوں کو حیرت سے' مرعوبیت سے دیکھو۔ علم والے مت بنو۔ چیزوں پر لیبل مت لگاؤ۔ علم یہی کچھ تو کرتا ہے۔۔۔ علم ہر شے پر لیبل لگانے کا' درجہ بندی کرنے کا عظیم فن ہے۔ اس عمر سے گٹار بجانا یا بانسری بجانا سیکھنا شروع کرو۔ لوگوں سے ملاقات کرو' لوگوں سے گھل مل جاؤ' جتنے زیادہ لوگوں سے ممکن ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص بھگوان کے مختلف چہرے کا اظہار ہے۔ لوگوں سے سیکھو۔ خوفزدہ مت ہو۔ یہ ہستی تمہاری دشمن نہیں ہے۔ یہ ہستی تو تمہاری ماں ہے۔ یہ ہستی تو ہر ممکن طریقے سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہے۔ بھروسہ کرو' تم محسوس کرنے لگو گے کہ تم میں توانائی کا ایک نیا ابھار ہو رہا ہے۔ یہ توانائی محبت ہے۔ محبت ساری ہستی پر مہربانی کرنا چاہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس توانائی میں تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ تم پر رحمت و مہربانی کی گئی ہے۔ جب تم ایسا محسوس کرتے ہو تو تم ساری ہستی کے لیے مہربان ہو جاتے ہو۔

محبت ساری ہستی پر مہربانی کرنے کی ایک گہری خواہش ہے۔

میں بہتر محبت کیسے کر سکتا ہوں

محبت جتنی ہو بہت ہوتی ہے۔ اسے بہتر بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جیسی ہو' کامل ہوتی ہے۔ اسے مکمل نہیں بنایا جا سکتا۔ تمہاری خواہش' تمہارا سوال ہی اس امر کا غماز ہے کہ تم محبت اور اس کی نوعیت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو۔ کیا تم کامل دائرہ کھینچ سکتے ہو؟ دائرے تو سارے ہی کامل ہوتے ہیں' اگر وہ کامل نہیں ہوں تو دائرہ ہی نہیں ہوں۔

کاملیت دائرے میں ہوتی ہے اور محبت پر بھی یہی قانون پورا اُترتا ہے۔ تم تھوڑی محبت نہیں کر سکتے' تم زیادہ محبت نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقدار نہیں ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے' جس کو ناپا نہیں جا سکتا۔

تمہارے سوال سے عیاں ہوتا ہے کہ تم نے کبھی محبت کا ذائقہ چکھا ہی نہیں ہے اور تم اپنے محبت سے تہی ہونے کو اس خواہش میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہو کہ ''بہتر محبت کیسے کی جائے'' محبت کو جاننے والا کوئی شخص ایسا سوال نہیں کر سکتا۔

محبت کو ایک حیاتیاتی تقاضا نہیں سمجھنا چاہیے۔۔۔ وہ تو شہوت ہوتی ہے' جو کہ ہر جانور میں موجود ہے۔ یہ تو درختوں میں بھی ہوتی ہے۔ یہ تو افزائشِ نسل کا فطری طریقہ ہے۔ اس میں کچھ روحانی نہیں ہوتا' کچھ انسانی نہیں ہوتا۔

پس پہلی بات یہ ہے کہ شہوت اور محبت میں ایک واضح فرق قائم کیا جائے۔ شہوت ایک اندھا جذبہ ہے۔ محبت ایک خاموش' پُرسکون' مراقباتی دل کی خوشبو ہے۔ محبت

کا حیاتیات یا کیمیا یا ہارمونز سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ محبت تمہارے شعور کی اعلیٰ تر اقالیم میں اڑان ہے' مادے سے پرے اور جسم سے ماورا۔ جس لمحے تم محبت کو ایک مادے سے ماورا شے کے طور پر جان لو گے اسی لمحے محبت بنیادی مسئلہ نہیں رہے گی۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جسم سے ماورا کیسے ہوا جائے' وہ شے جو ماورا ہے اور تمہارے اندر ہے اسے کس طرح جانا جائے۔۔۔ وہ شے جو ہر ماپی جاسکنے والی شے سے ماورا ہے۔ لفظ ''مادہ'' کا مطلب یہی ہے نا۔ اس کی اصل (Root) ایک سنسکرت لفظ ''ماترا'' ہے' جس کے معنی ہیں پیائش۔ اس کا مطلب ہوا وہ شے جسے ناپا جاسکے۔ فرانسیسی لفظ metre کی اصل بھی یہی ہے۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ قابلِ پیائش سے کس طرح دور ہوا جائے اور کس طرح ناقابلِ پیائش میں داخل ہوا جائے۔ دوسرے لفظوں میں مسئلہ یہ ہے کہ مادے سے ماورا کیسے ہوا جائے اور اپنی آنکھوں کو زیادہ شعور کی طرف کیسے کھولا جائے۔ شعور کی کوئی حد نہیں ہے۔ تم جتنا زیادہ باشعور ہوتے ہو اتنا ہی تمہیں ادراک ہوتا ہے کہ آگے کتنا کچھ ممکن ہے۔ جب تم ایک چوٹی پر پہنچتے ہو تو تمہارے سامنے دوسری چوٹی ابھر آتی ہے۔ یہ ایک ابدی زائری ہے۔

محبت ابھرتے ہوئے شعور کی ایک ضمنی پیداوار ہے۔ یہ پھول کی خوشبو جیسی ہے۔ اسے جڑوں میں مت ڈھونڈو۔ یہ وہاں نہیں ہے۔ تمہاری حیاتیات تمہاری جڑ ہے۔ تمہارا شعور تمہارا پھول ہے۔ تم جتنا زیادہ شعور کا کھلتا کنول بنو گے اتنا ہی تم ایک حیران کن تجربے سے دوچار ہو گے' جسے صرف محبت کہا جاسکتا ہے۔ تم خوشی سے' رحمت سے ایسے سرشار ہو گے کہ تمہاری ہستی کا رُواں رُواں مستی میں رقص کر رہا ہوگا۔ تم بارش برسانے والا بادل بن جاتے ہو' جو بارش برسائے جانا چاہتا ہے۔ جس لمحے تم رحمت سے چھلک رہے ہوتے ہو' تم میں اسے بانٹنے کی حیرت ناک خواہش ابھر آتی ہے۔

محبت ایسی شے نہیں ہے' جسے تم کسی ایسے شخص سے حاصل کر سکو جس پر رحمت نہیں ہوئی ہو۔ ساری دنیا کا المیہ یہی ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے جبکہ وہ اداکاری کر رہا ہوتا ہے محبت کرنے کی۔ تم محبت نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جانتے

ہی نہیں ہو کہ شعور کیا ہے۔ تم ستیم' شوم' سندرم کو جانتے۔

تم سچ کو نہیں جانتے' تم الوہیت کے تجربے سے واقف نہیں ہوا اور تم حسن کی خوشبو سے شناسا نہیں ہو۔ دینے کے لیے تمہارے پاس ہے ہی کیا؟ تم تو بالکل خالی' بالکل کھوکھلے ہو۔۔۔ تمہاری ہستی میں کچھ نہیں اگتا' کوئی شے ہری نہیں ہے۔ تمہارے اندر کوئی پھول نہیں ہے۔ تمہاری بہار ابھی تک نہیں آئی ہے۔

محبت ایک ضمنی پیداوار ہے۔ جب بہار آتی ہے اور تم دفعتاً کھل جاتے ہو اور اپنے اندر نہاں خوشبو بکھیرنے لگتے ہو۔۔۔ یہی محبت ہے۔ اس خوشبو کو' اس دلکشی کو' اس حسن کو بانٹنا محبت ہے۔

اسے بہتر بنانے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ تو کامل ہے۔ یہ ہمیشہ کامل ہوتی ہے۔ اگر یہ کامل نہ ہو تو یہ ہوتی ہی نہیں۔ کاملیت اور محبت کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر تم مجھ سے پوچھو ''محبت کیا ہے؟'' تو یہ سوال زیادہ سچا' دیانت دارانہ' مخلصانہ اور مصدقہ ہوگا۔ تم تو مجھ سے پوچھ رہے ہو'' میں بہتر محبت کیسے کر سکتا ہوں؟'' تم تو پہلے ہی اس بات کو ایک حقیقت کے طور پر قبول کر چکے ہو کہ تم جانتے ہو کہ محبت کیا ہے؟۔۔۔ یہی نہیں' تمہارے سوال سے پتا چلتا ہے کہ تم پہلے ہی سے محبت کر رہے ہو' اب سوال اسے بہتر بنانے کا ہے۔

میں تمہارے دل کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا۔ لیکن میں کیا کروں' مجھے تم سے سچ بولنا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ محبت کیا ہے۔ تم جان بھی نہیں سکتے کیونکہ تم اپنے شعور میں گہرائی تک نہیں اُترے ہو۔ تم نے اپنا تجربہ نہیں کیا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ تم کیا ہو۔ اس اندھے پن میں' اس جہالت میں' اس بے شعوری میں محبت جنم نہیں لیتی۔ تم ایک صحرا میں رہ رہے ہو۔ اس تاریکی میں' اس صحرا میں محبت کے کھلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

پہلے تمہیں روشنی سے' خوشی سے معمور ہونا ہوگا۔۔۔ اتنا کہ تم چھلکنے لگو۔ یہی چھلکتی ہوئی توانائی محبت ہے۔ تب محبت کو دنیا کی عظیم ترین کاملیت کہا جاتا ہے۔ یہ نہ تو کبھی کم ہوتی ہے' نہ زیادہ۔

ہم نفسیاتی اعتبار سے پیار پرورش پاتے ہیں۔ یہ چیز ہماری داخلی نشوونما کے

سارے امکانات کو تباہ کر دیتی ہے۔ تمہیں عین ابتدا ہی سے تکمیل پسند بننے کا درس دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم اپنے تکمیل پسندانہ تصورات کا اطلاق ہر شے پر کرنے لگتے ہو' حد تو یہ ہے کہ محبت پر بھی۔

ابھی پچھلے روز ہی میں نے ایک جملہ پڑھا: تکمیل پسند ایسا انسان ہوتا ہے' جو زبردست تکلیفیں سہتا ہے اور دوسروں کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے۔

نتیجہ یہ مصیبت زدہ دنیا ہے!

ہر شخص کامل بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ جس لمحے کوئی شخص کامل بننے کی کوشش کا آغاز کرتا ہے' وہ ہر شے سے کامل ہونے کی توقع کرنے لگتا ہے۔ وہ مذمتی بن جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی تحقیر کرنے لگتا ہے۔ تمہارے سارے نام نہاد سینٹ (Saits) صدیوں سے یہی کرتے آ رہے ہیں۔ تمہارے دھرموں نے تمہارے ساتھ یہی کیا ہے۔۔۔ کاملیت کے تصور سے تمہاری ہستی کو مسموم کر دیا ہے۔

چونکہ تم کامل نہیں ہو سکتے' اس لیے تم خطا کے احساس کا شکار ہو جاتے ہو۔ تم اپنا احترام کھو بیٹھتے ہو۔ جو شخص اپنا احترام کھو بیٹھتا ہے وہ ساری نوع انسان کا احترام کھو بیٹھتا ہے۔ تمہارے وقار' تمہاری انسانیت کو کاملیت جیسے خوبصورت الفاظ کے ذریعے روندا' کچلا اور تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔

انسان کامل نہیں ہو سکتا۔

ہاں' ایسی شے ہے جس کا کہ انسان تجربہ کر سکتا ہے' تاہم وہ انسان کے عمومی تصور سے ماورا ہے۔ جب تک انسان کسی الوہی شے کا تجربہ بھی نہیں کرتا' وہ کامل نہیں ہو سکتا۔

کاملیت کوئی ڈسپلن نہیں ہے۔ یہ ایسی شے نہیں ہے کہ جس کی تم مشق کر سکو۔ یہ ایسی شے نہیں ہے کہ جس کے لیے تمہیں ریہرسل کرنی پڑے۔ تاہم' ہر انسان کو اسی کا درس دیا جا رہا ہے اور نتیجہ اس کا ایک ایسی دنیا ہے جو منافقوں سے بھری ہوئی ہے۔ ایسے منافق' جو پوری طرح جانتے ہیں کہ وہ کھوکھلے اور خالی ہیں لیکن وہ یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے تمام تر صفات کے حامل ہوں۔ ان کی سب صفات کھوکھلے الفاظ ہیں۔

جب تم کسی سے کہتے ہو' ''میں تم سے محبت کرتا ہوں'' تو کبھی تم نے سوچا کہ اس

سے تم کیا مراد لیتے ہو؟ کیا یہ دو اصناف کا محض حیاتیاتی تقاضا ہے؟ یوں جب تم ایک مرتبہ اپنی حیوانی بھوک مٹا لیتے ہو تو تمہاری ساری نام نہاد محبت غائب ہو جاتی ہے۔ وہ صرف بھوک تھی اور تم اپنی بھوک مٹا چکے ہو' پس تم ختم ہو گئے ہو۔ وہی عورت ہوتی ہے جو دنیا کی سب سے حسین عورت دکھائی دے رہی تھی' وہی آدمی ہوتا ہے جو سکندر اعظم لگتا تھا۔۔۔ لیکن تم اپنے ساتھی سے چھٹکارا پانے کا سوچنے لگتے ہو۔

پیڈی کا اپنی محبوبہ مارین کے نام درج ذیل خط تمہارے لیے کافی سبق آموز ہوگا:

مائی ڈارلنگ مارین!

میں تمہارے لیے بلند ترین پہاڑ پر چڑھ سکتا ہوں' میں تمہارے لیے بڑے سے بڑا سمندر بھی تیر کر پار کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے پہلو میں ایک لمحہ گزارنے کے لیے ہر تکلیف برداشت کر سکتا ہوں۔

تم سے ہمیشہ محبت کرنے والا

پیڈی

پس نوشت: میں اگلے جمعے کی رات کو تمہیں ملنے آؤں گا' اگر بارش نہ ہو رہی ہو تو۔

جس لمحے تم کسی سے کہتے ہو ''میں تم سے محبت کرتا ہوں'' تب تم نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ ایک خوبصورت لفظ محبت کے پیچھے چھپی محض ہوس ہے۔ یہ محبت غائب ہو جائے گی۔ یہ لمحاتی ہوتی ہے۔

محبت تو ایک ابدی شے ہے۔ یہ داناؤں کا تجربہ ہوتی ہے' بے شعور لوگوں کا نہیں کہ جن سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ محبت کو بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہی لوگ انتہائی آگاہ لوگ ہیں۔ یہ لوگ انسانی شعور کی اعلیٰ ترین رفعتوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔

اگر تم محبت کو حقیقتاً جاننا چاہتے ہو تو محبت کو فراموش کر دو اور مراقبے کو یاد رکھو۔ اگر تم اپنے باغ میں گلاب کھلانا چاہتے ہو تو گلابوں کو بھول جاؤ اور گلاب کے پودے کی

حفاظت کرو۔ اسے پانی دو‘ کھاد ڈالو‘ اس کی دیکھ بھال کرو‘ سورج کی روشنی اس تک پہنچنے دو۔ اگر ہر بات کا خیال رکھا گیا تو ٹھیک وقت پر گلابوں کا کھلنا یقینی ہے۔ تم انہیں جلدی نہیں کھلا سکتے۔ تم انہیں جلدی کھلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ تم گلاب کے پھول سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ مزید کامل ہو۔

کیا تم نے کبھی گلاب کا کوئی ایسا پھول دیکھا ہے جو کامل نہ ہو؟ اور تم کیا چاہتے ہو؟ ہر گلاب کا پھول اپنی انفرادیت میں کامل ہوتا ہے۔ ہوا میں‘ بارش میں‘ دھوپ میں رقص کرتا ہوا۔ کیا تم حیرت ناک حسن کو‘ مطلق مسرت کو نہیں دیکھ سکتے؟ چھوٹا سا‘ عام سا گلاب کا پھول ہستی کے پوشیدہ نور کا مظہر ہوتا ہے۔ محبت تمہاری ہستی میں کھلا گلاب کا پھول ہے۔ تاہم اپنی ہستی کو تیار کرو‘ تاریکی اور بےشعوری کو نکال باہر کرو۔ زیادہ سے زیادہ چوکس اور آگاہ ہو جاؤ اور محبت اپنے وقت پر آپ آ جائے گی۔ تمہیں اس کے لیے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جب بھی وہ آتی ہے‘ ہمیشہ کامل ہوتی ہے۔

محبت ایک روحانی تجربہ ہے۔ اس کا اصناف سے اور جسموں سے کوئی سروکار نہیں ہے‘ اس کا سروکار تو انتہائی داخلی ہستی سے ہے۔

تاہم‘ تم تو اپنے معبد میں بھی داخل نہیں ہوئے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تم کون ہو اور تم پوچھ رہے ہو محبت کے بارے میں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اپنے بنو‘ اپنے آپ کو جانو‘ اس کا انعام محبت کی صورت میں ملے گا۔ یہ ماوراسے آنے والا انعام ہوگا۔ یہ تم پر پھولوں کی طرح نچھاور ہوگی۔۔۔ تمہاری ہستی کو بھر دے گی۔ یہ تم پر نچھاور ہوتی رہے گی۔ یہ بانٹنے کی شدید آرزو لے کر آئے گی۔

انسانی زبان میں بانٹنے کی اس شدید آرزو کو صرف محبت کہا جا سکتا ہے۔ یہ زیادہ بات نہیں کرتی لیکن درست سمت کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے۔ محبت چوکسی کا‘ شعور کا عکس ہے۔

میں تمہیں زیادہ باشعور ہونے کا درس دیتا ہوں جب تم زیادہ باشعور ہو گے‘ محبت تم تک آ جائے گی۔ یہ ایک مہمان ہے‘ جس کا آنا ناگزیر ہے۔ یہ مہمان انہی کے ہاں آتا ہے جو اس کی میزبانی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ تم تو اسے پہچاننے کے لیے بھی تیار نہیں ہو۔۔۔

اگر محبت تمہارے دروازے پر آئے تو تم اسے پہچانو گے نہیں۔۔۔ اگر محبت تمہارے دروازے پر دستک دے تو ہو سکتا ہے تم ایک ہزار ایک بہانے تراش لو۔ ممکن ہے تم سوچو کہ یہ ہوا کا جھونکا ہو سکتا ہے۔۔۔ یا ایسا ہی کوئی اور بہانہ۔ بہرحال تم دروازہ نہیں کھولو گے۔ اگر تم دروازہ کھول بھی لو تو تم محبت کو نہیں پہچانو گے کیونکہ تم نے پہلے کبھی محبت کو دیکھا نہیں ہے۔ تم اسے کیسے پہچان سکتے ہو؟

تم اسی کو پہچان سکتے ہو جسے تم جانتے ہو۔ جب محبت پہلی بار آ کر تمہاری ہستی کو بھر دیتی ہے تو تم مطلق طور پر حیرت زدہ ہوتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ کیا ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا دل رقص کر رہا ہے‘ تم جانتے ہو کہ ملکوتی موسیقی تمہیں محصور کیے ہوئے‘ تم اس خوشبو کو جانتے ہو جس سے تم پہلے کبھی واقف نہیں رہے ہوتے۔ تاہم‘ ان سب تجربات کو یکجا کر کے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں تمہیں تھوڑا وقت لگتا ہے کہ یہ تو محبت ہے۔ آہستہ آہستہ یہ تمہاری ہستی میں اتر جاتی ہے۔

محبت کو شاعری میں مت ڈھونڈو۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ محبت کی شاعری کرنے والے لوگ محبت سے واقف نہیں ہوتے۔ محبت پر صرف صوفیوں کی اجارہ داری ہے۔ اگر تم محبت کو جاننا چاہتے ہو تو تمہیں صوفیوں کی دنیا میں داخل ہونا پڑے گا۔

یسوع کہتے ہیں ”خداوند محبت ہے۔“ میں کہتا ہوں کہ محبت بھگوان ہے۔ ان دونوں میں حیران کن فرق ہے۔ یہ فرق محض لفظوں کا نہیں ہے۔ بھگوان خیر ہے‘ ہمدردی ہے‘ رحمت ہے۔ وہ محبت بھی ہے۔ عمر خیام کہتا ہے کہ مجھے مذہبی پیشواؤں کی پروا نہیں۔ میرا خدا بے پناہ محبت والا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں کہ اس کی محبت جسے معاف نہ کر سکے۔ پس مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ چھوٹے ہیں‘ ہمارے گناہ چھوٹے ہیں۔ ہماری پہنچ تھوڑی ہے۔ ہم ایسے گناہ کس طرح کر سکتے ہیں کہ خدا کی محبت جنہیں معاف نہ کر سکے؟

محبت حتمی قدر ہے‘ حتمی بہار۔
اس کے آگے کچھ نہیں ہے۔
لہٰذا تم اسے مکمل نہیں کر سکتے۔

درحقیقت تم اسے حاصل کرنے سے پہلے ہی معدوم ہو جاؤ گے۔ جب محبت ہو گی‘

تب تم نہیں ہو گے۔

ایک عظیم مشرقی صوفی کبیر نے کہا تھا۔۔۔اور ایسی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے تجربہ کیا ہو' جو ادراک رکھتا ہو' جو مطلق حقیقت کی داخلی اقلیم میں پہنچ چکا ہو۔ کبیر کہتا ہے ''میں سچ کو ڈھونڈ رہا تھا لیکن حیرانی کی بات ہے کہ جب تک متلاشی رہا سچ نہ ملا' اور جب سچ ملا تو میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔۔۔ میں نہیں تھا۔ جب سچ ملا تو متلاشی نہ رہا۔ جب متلاشی تھا تو سچ کہیں نہیں تھا۔''

سچ اور متلاشی کبھی اکٹھے موجود نہیں ہو سکتے۔

تم اور محبت کبھی اکٹھے موجود نہیں ہو سکتے۔

دونوں کی ایک ساتھ موجودگی ممکن نہیں ہے۔ یا تو تم یا محبت۔ انتخاب تمہیں کرنا ہے۔ اگر تم معدوم ہونے کو تیار ہو' تم تیار ہو کہ صرف ایک خالص شعور موجود رہے تو پھر محبت کھلے گی۔ تم اسے کامل نہیں بنا سکتے کیونکہ تم موجود ہی نہیں ہو گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے کاملیت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہ ہمیشہ کامل ہوتی ہے۔ تاہم محبت ایسا لفظ ہے' جسے ہر شخص استعمال کرتا ہے اور کوئی بھی اسے نہیں سمجھتا۔ والدین بچوں سے کہتے ہیں ''ہمیں تم سے محبت ہے''۔۔۔ اور یہی لوگ اپنے بچوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو ہر طرح کے تعصبات دیتے ہیں' ہر طرح کے مردہ اوہام دیتے ہیں۔ ماں باپ بچوں پر وہ بوجھ ڈال دیتے ہیں' جو صدیوں سے ہر نسل آنے والی نسل پر ڈالتی آ رہی ہے۔ پاگل پن مسلسل ہے۔۔۔ پہاڑ بن رہا ہے۔

ہاں تمام والدین سوچتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ اگر انہیں اپنے بچوں سے حقیقتاً محبت ہوتی تو وہ اپنے بچوں کو اپنے عکس بنانا پسند نہ کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو مصیبت زدہ ہیں۔ ان کا زندگی کا تجربہ ہے کیا؟ محض مصیبتیں، محض آلام۔ زندگی ان کے لیے رحمت نہیں بلکہ زحمت رہی ہے۔ اس پر بھی وہ اپنے بچوں کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں۔

ایک دفعہ میں کسی کے ہاں مہمان ٹھہرا' میں شام کے وقت ان کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا' شام بہت

خوبصورت' بہت خاموش تھی۔ پرندے اپنے گھونسلوں کو واپس آ رہے تھے۔ میرے میزبان کا چھوٹا بچہ میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے یونہی پوچھا: ''تمہیں پتا ہے' تم کون ہو؟''

بچے بڑوں سے زیادہ واضح ہوتے ہیں' کیونکہ بڑے تو پہلے ہی تباہ اور ہر طرح کے نظریات اور دھرموں سے آلودہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس بچے نے مجھے دیکھا اور بولا' ''آپ مجھ سے ایک بہت مشکل سوال پوچھ رہے ہیں۔''

میں نے کہا'' اس میں کون سی مشکل ہے؟''

وہ بولا' ''مشکل یہ ہے کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' کوئی کہتا ہے اس کی آنکھیں اپنے باپ جیسی ہیں' کوئی کہتا ہے اس کی ناک اس کی ماں جیسی ہے' کوئی کہتا ہے اس کی شکل اپنے چچا سے ملتی ہے۔ پس مجھے نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔ کیونکہ کوئی نہیں کہتا کہ کوئی شے میرے جیسی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''واقعی یہ مشکل ہے۔''

تاہم' ہر بچے کے ساتھ ایسا ہی کیا جا رہا ہے۔ تم بچوں کو خود تجربہ نہیں کرنے دیتے۔ تم بچے کو اپنا نہیں بننے دیتے۔ تم بچے پر اپنے پورے نہ ہو سکنے والے عزائم تھوپے جاتے ہو۔۔۔ سب والدین چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ ان کا عکس ہو۔ تاہم' بچے کی اپنی منزل ہوتی ہے۔ اگر وہ تمہارا عکس بن گیا تو وہ کبھی اپنا نہیں بن پائے گا۔ تم اپنا بنے بغیر کبھی اطمینان حاصل نہیں کر سکتے' تمہیں ہمیشہ کسی کمی کا احساس رہے گا۔

تمہارے والدین تم سے محبت کرتے ہیں اور وہ تمہیں بھی کہتے ہیں کہ تمہیں ان سے محبت کرنا ہو گی۔ کیونکہ وہ تمہارے والدین ہیں۔ یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے اور کوئی شخص اس سے آگاہ دکھائی نہیں دیتا۔ ماں ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ بچہ تم سے محبت کرے۔ تمہیں قابلِ محبت بننا پڑے گا۔ صرف تمہارا ماں ہونا کافی نہیں ہے۔ ممکن ہے تم

باپ ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم خود بخود قابلِ محبت بن گئے ہو۔ صرف باپ ہونے کی وجہ سے بچے میں تمہاری محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔

تاہم، توقع یہی کی جاتی ہے اور بے چارے بچے کو علم نہیں ہوتا کہ کیا کرنا ہے۔ وہ اداکاری کرنے لگتا ہے۔ یہی واحد ممکن راستہ ہوتا ہے۔ جب اس کے دل میں مسکراہٹ نہیں ہوتی، وہ مسکراتا ہے۔ وہ محبت، احترام، تشکر کا جھوٹا اظہار کرنے لگتا ہے۔ وہ اداکار بن جاتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے منافق بن جاتا ہے، سیاستدان بن جاتا ہے۔ ہم سب ایسی دنیا میں جی رہے ہیں جہاں والدین، اساتذہ، مذہبی پیشواؤں، سبھی نے تمہیں برباد کر دیا ہے، تمہیں تم سے دور کر دیا ہے۔

میں تمہیں تمہارا مرکز واپس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اسے مراقبہ کہتا ہوں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے ہو جاؤ، عظیم عزتِ نفس کے ساتھ، اس آگہی کے ساتھ کہ ہستی کو تمہاری ضرورت ہے۔۔۔ اور تب تم اپنی تلاش شروع کر سکتے ہو۔ پہلے مرکز تک پہنچو اور پھر یہ تلاش شروع کرو کہ تم کون ہو۔

انسان کا اپنے اور ازلی چہرے کو جاننا محبت کی، زندگی کی شروعات ہے۔ تم بہت زیادہ محبت دینے کے اہل ہو گے کیونکہ یہ ایسی شے نہیں ہے، جو کہ ختم ہونے والی ہو۔ یہ تو ناقابلِ پیمائش ہوتی ہے۔ یہ ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ جتنا زیادہ تم دیتے ہو، اتنا ہی زیادہ تم اسے دینے کے قابل ہوتے ہو۔

زندگی کا عظیم ترین تجربہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی شرط کے دو، شکریہ کی بھی سادہ سی توقع کے بغیر دو۔ ایک حقیقی، مصدقہ محبت کرنے والا اس شخص کا ممنون ہوتا ہے، جو اس کی محبت کو قبول کرتا ہے۔ وہ اسے رد بھی تو کر سکتا تھا۔

جب تم محبت کو اسے قبول کرنے والوں کے لیے ممنونیت کے احساس کے ساتھ دینا شروع کرو گے تو تم حیران رہ جاؤ کہ تم تو بادشاہ بن چکے ہو گے۔

اب تم محبت کی بھیک مانگنے والے، در در پر صدائیں لگانے والے کاسہ بدست فقیر نہیں رہے اور جن لوگوں کے دروازوں پر تم صدا لگا رہے ہو وہ تمہیں محبت نہیں دے سکتے۔ وہ تو خود فقیر ہیں!

میں تمہیں دو عظیم ستارہ شناسوں کا قصہ سناتا ہوں:

وہ ہر روز ایک مخصوص چوک میں ملا کرتے تھے۔ وہاں سے ان کے راستے الگ الگ ہوتے تھے۔ وہ شہر کے مختلف حصوں میں لوگوں کی قسمت کا حال بتانے کا کام کرتے تھے۔ تاہم یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے اپنے راستے پر روانہ ہونے سے پہلے ایک دوسرے سے چوک میں ملا کرتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسروں کو اپنی ہتھیلیاں دکھا کر پوچھتے تھے "آج میری قسمت کیسی ہوگی؟"

وہ دونوں عظیم ستارہ شناس تھے۔ وہ لوگوں کو ان کی قسمتوں کا حال بتایا کرتے تھے لیکن انہیں اپنی قسمتوں کا حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے لیے انہیں دوسرے ستارہ شناس سے معلوم کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر قسمت کا حال ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں ہی دوسروں کی قسمت کا حال بتایا کرتے تھے۔

بھکاری ایک دوسرے سے محبت کا سوال کرتے ہیں اور مضطرب و مشتعل ہو جاتے ہیں کیونکہ محبت نہیں ملتی ہے۔ تاہم ایسا ہونا لازم ہے۔ محبت تو بادشاہوں کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ فقیروں کی نہیں جب انسان محبت سے اس قدر معمور ہو کہ اسے بغیر کسی شرط کے دوسروں کو دینے لگے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

تب ایک اس سے بھی عظیم حیرت رونما ہوتی ہے: جب تم اپنی محبت ہر کسی کو دیتے، ہو حتیٰ کہ اجنبیوں کو بھی۔ سوال یہ نہیں ہوتا کہ تم کس کو محبت دے رہے ہو، دینے کی خوشی ہی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کی پروا نہیں رہتی کہ محبت پانے والا کون ہے؟ جب وہ تمہاری ہستی میں در آتی ہے تو تم اسے ہر کسی کو دیتے ہو۔۔۔ نہ صرف انسانوں کو بلکہ جانوروں، درختوں اور دور کے ستاروں کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت ایسی شے ہے کہ جسے تم محض نگاہ کے ذریعے دور کے ستاروں کو دے سکتے ہو۔ صرف تمہارے لمس سے محبت کسی درخت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر۔۔۔ اسے کامل خاموشی میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں تو صرف کہہ نہیں رہا۔ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی زندہ

مثال ہوں۔ کیا تم میری محبت محسوس نہیں کرتے؟۔۔۔ اگرچہ میں نے تمہیں کبھی کہا نہیں ہے۔

اسے بیان کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہ اپنا اظہار خود کرتی ہے۔ یہ اپنے ہی راستوں سے انتہائی گہرائیوں میں، تمہاری ہستی میں اتر جاتی ہے۔

پہلے محبت سے معمور ہو جاؤ پھر اسے بانٹو۔ یوں ایک عظیم معجزہ رونما ہوگا۔۔۔ کہ جتنا تم دیتے ہو اتنا ہی تمہیں ان جانے سرچشموں سے محبت ملنا شروع ہو جاتی ہے۔۔۔ ان جانے گوشوں سے ان جانے لوگوں سے، درختوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے، ہستی کے تمام گوشوں سے محبت تم پر برسنے لگتی ہے۔ تم جتنا زیادہ دیتے ہو، اتنا زیادہ حاصل کرتے ہو۔ زندگی محبت کا رقص بن جاتی ہے۔

میرے نزدیک محبت آگہی کی حالت ہوتی ہے۔ خالص محبت کے سوا کوئی بھگوان نہیں ہے۔

خود سے محبت

انسان کو خود سے محبت کرنے سے شروعات نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ تم کون ہو؟

اگر تم خود سے محبت سے شروعات کرو گے تو تم صرف اپنی انا سے محبت کرو گے جو کہ تمہاری ذات نہیں ہے۔ وہ تمہاری جھوٹی شخصیت ہے۔ تقریباً ہر شخص اپنی شخصیت سے محبت کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی انا سے محبت کرتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر تم کسی بدصورت ترین عورت سے بھی کہو کہ "تم کتنی خوبصورت ہو" تو وہ تمہاری اس تعریف کو قبول کر لے گی۔

میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔

دو بوڑھے آدمی گلی میں ایک دوسرے سے ملے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا "تم پچھلے آٹھ ہفتے دکھائی نہیں دیئے۔ کہاں تھے تم؟"

دوسرے بوڑھے نے جواب دیا "جیل میں۔"

پہلے بوڑھے نے پوچھا "وہ کیوں؟"

دوسرے بوڑھے نے بتایا "آٹھ ہفتے پہلے کی بات ہے۔ میں گلی کے کونے پر کھڑا تھا کہ ایک حسین دوشیزہ پولیس مین کے ساتھ آئی اور بولی، آفیسر اس نے مجھ سے دست درازی کی تھی۔"

بوڑھے نے قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے

کہا'' اور میں نے تسلیم کرلیا۔''

کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں تمہیں پتا ہے کہ وہ سچی نہیں ہیں اور تم نے انہیں قبول کیا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں تم بڑے محبت کرنے والے ہو' بہت مخلص ہو' بہت سچے ہو' بہت خوبصورت ہو' بہت دیانت دار ہو۔۔۔ اور تم انہیں رد نہیں کرتے۔ میں ایسی محبت کے بارے میں بات نہیں کررہا ہوں۔

ہاں میں تمہارا خود سے محبت کرنا پسند کروں گا کیونکہ جب تک تم خود سے محبت نہیں کرتے تم کسی سے محبت نہیں کرسکتے۔ اگر تم خود سے محبت نہیں کروگے تو تم یہ نہیں جان سکو گے کہ محبت کیا ہے۔ تمہیں محبت کرنے سے پہلے خود کو جاننا ہوگا۔ پس محبت ثانوی ہے' مراقبہ ثانوی ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ تم مراقبے کرتے ہو تو دھیرے دھیرے انا سے چھٹکارہ پاتے ہو اور اپنی حقیقی ذات سے آگاہ ہوتے ہو تو محبت خود بخود رونما ہوجاتی ہے۔ تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ بے ساختگی سے یکا یک کھل جاتی ہے۔ تاہم یہ ایک مخصوص موسم میں ہی کھلتی ہے۔ میں اس موسم کو مراقبہ کہتا ہوں۔ خاموشی لاذہنی کے موسم میں جب اندر کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ مطلق پاکیزگی ہو' سکون ہو تو دفعتاً تم دیکھو گے کہ تمہارے اندر ہزاروں پھول کھل گئے ہیں اور محبت انہی پھولوں کی خوشبو ہے۔

فطری طور پر پہلے تم خود سے محبت کروگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس سے تمہارا پہلا سابقہ ہوگا۔ پہلے تم اپنے اندر سے ابھرنے والی خوشبو سے آگاہ ہوگے اور اس روشنی سے جو تمہارے اندر پیدا ہوئی ہے اور اس رحمت سے جو تم پر برس رہی ہے۔ تب محبت تمہاری فطرت بن جاتی ہے۔ تب تم سب سے محبت کرتے ہو۔

درحقیقت ہم جس کو لاعلمی میں محبت کہتے ہیں وہ تعلق داری ہوتی ہے اور جس سے ہم آگاہی کے ساتھ واقف ہوتے ہیں وہ تعلق داری نہیں رہتی۔ ایسا نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ہے یوں کہ میں محبت ہوں۔

تمہیں فرق کو سمجھنا ہوگا جب تم کہتے ہو'' میں تم سے محبت کرتا ہوں'' تو دوسروں کا کیا ہوگا؟ ساری ہستی کا کیا ہوگا؟ تمہاری محبت جتنی محدود ہوتی ہے اتنی زیادہ مفید ہوجاتی

ہے۔ اس کے پر کاٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ آسمان پر اڑ نہیں سکتی۔ اسے آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ ایک سنہرے پنجرے میں ہے۔ پنجرہ خوبصورت ہے لیکن اس کے اندر قید پرندہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ تم آسمان پر اپنے پر پھیلائے اڑتے دیکھتے ہو۔

محبت کو تعلق داری نہیں ہونا چاہیے۔ اسے محدود نہیں ہونا چاہیے اسے کشادہ ہونا چاہیے۔

محبت کو تمہاری صفت ہونا چاہیے۔ تمہارا کردار ہونا چاہیے' تمہاری ہستی ہونا چاہیے' تمہاری روشنی ہونا چاہیے۔ بالکل سورج کی طرح جس کی روشنی کسی خاص فرد کے لیے نہیں ہوتی۔ مراقبہ محبت کو روشنی کی طرح پھیلاتا ہے۔

بلاشبہ پہلے تمہیں اسے اپنے اندر محسوس کرنا ہے۔ پھر یہ روشنی کی طرح ہر طرف پھیل جائے گی۔ تب تم صرف انسانوں سے محبت نہیں کرتے' تم درختوں سے محبت کرتے ہو' تم پرندوں سے محبت کرتے ہو۔ تم سراپا محبت بن جاتے ہو۔ تم محبت ہوتے ہو۔

تم نے پوچھا ہے'' خود سے محبت کرنے کا کیا مطلب ہے؟''

اس کا مطلب ہے مراقبہ۔

اس کا مطلب ہے تمہارا اپنا بننا۔

اور فطرت انعام کے طور پر محبت دے گی۔

مذہبی پیشواؤں کو مت سنو۔ وہ تو محبت کے دشمن ہیں۔ وہ دنیا کو نفرت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ درس دیتے رہے ہیں کہ تمہارا جنم لینا ایک گناہ ہے' یہ تمہارے پچھلے جنم کے برے اعمال کا نتیجہ ہے کہ تم اس زندگی میں عذاب سہہ رہے ہو۔ کوئی دھرم خوشیوں بھری زندگی کو قبول نہیں کرتا ہے۔

پس پہلی بات یہ ہے کہ پنڈتوں سے بچو۔ انہوں نے تمہیں حیات دشمن قدروں کی تعلیم دی ہے۔ میں زندگی کو قبول کرنے کا درس دے رہا ہوں۔ اسی لیے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خود سے محبت کرو۔ خود کو گناہ گار سمجھو گے تو کس طرح خود کو قبول کرسکو گے؟ اگر تم خود کو خطاؤں سے معمور سمجھو گے' پچھلے لاکھوں جنموں کے برے اعمال کا ذخیرہ سمجھو گے تو خود سے محبت کس طرح کرسکو گے؟

تم نفرت کرو گے اپنے ساتھ اور تمہارے پنڈت تمہیں اسی کی تلقین کرتے آئے ہیں۔ زندگی کو ترک کرو' زندگی سے نفرت کرو' لذتوں سے نفرت کرو' ہر شے سے نفرت کرو اور اگر تم سؤرگ میں جانا چاہتے ہو تو ہر شے قربان کر دو۔ سورگ سے واپس تو کبھی کوئی نہیں آیا ہے لہٰذا کسی سؤرگ کا کوئی ثبوت' کوئی شہادت نہیں ہے۔ یہ ایک بے کار سرگرمی ہے جس کا کوئی نتیجہ کبھی نہیں نکلا ہے۔

بوڑھا پنڈت گناہ کے حوالے سے وعظ دے رہا تھا۔ اس نے کہا'' گناہ ایک کتے کے مانند ہے۔ تکبر' حسد' لالچ اور سب سے بڑھ کر جنس کتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ کتے تمہیں مار دیں' تمہیں ان کتوں کو مارنا ہوگا تاکہ تم سؤرگ میں جا سکو۔ ایسا کرنا ممکن ہے۔ میں خود کئی سال پہلے ایسا کر چکا ہوں۔ میں حسد' تکبر' لالچ اور ہاں میرے بچو جنس کے کتے کو مار چکا ہوں۔

مندر میں موجود لوگوں میں سے کسی کی آواز آئی'' کیا آپ کو یقین ہے کہ آخری کتا فطری موت مرا تھا؟''

تم فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اگر تم فطری انداز میں جی سکو تو قلبِ ماہیئت رونما ہوتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو جنس ختم ہو جاتی ہے۔۔۔ لیکن یہ تمہاری کوششوں سے ختم نہیں ہوتی۔ تم جتنا اس کو دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گی۔ تم جتنا اس کو جیو گے' اس سے ماور ہونے کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

فطری انداز میں جیو' سکون سے جیو' باطنی طور پر جیو۔ اپنے آپ کو تھوڑا سا وقت دو۔ اکیلے رہو' خاموش رہو' صرف اپنے ذہن کے داخلی منظر کا نظارہ کرو۔ دھیرے دھیرے خیالات غائب ہو جاتے ہیں۔ دھیرے دھیرے ایک روز ذہن اتنا ساکت ہو جائے گا جیسے کہ وہ ہے ہی نہیں۔ اس خاموشی میں یوں لگے گا کہ جیسے تم نہیں ہو۔

تم اپنے اندر کی خاموشی میں زندگی کی ایک نئی جہت کو پاؤ گے۔ اس جہت میں لالچ وجود نہیں رکھتا ہے' جنس وجود نہیں رکھتی ہے' غصہ وجود نہیں رکھتا ہے' تشدد وجود نہیں رکھتا

ہے۔ ذہن سے ماورا اس نئی جہت میں محبت وجود رکھتی ہے۔۔۔ خالص' کسی حیاتیاتی تقاضے سے غیر آلودہ محبت اس جہت میں بغیر کسی سبب کے ہمدردی وجود رکھتی ہے۔۔۔ سؤرگ میں کسی انعام کی توقع کے بغیر۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمدردی تو خود اپنا انعام ہوتی ہے۔

تم جو خزانے پا چکے ہو انہیں بانٹنے کی شدید آرزو تمہارے اندر موجود ہوتی ہے۔۔۔ اور گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر چلا چلا کر لوگوں کو یہ بتانے کی خواہش کہ'' تم غریب نہیں ہو' سورگ تو تمہارے اندر ہے۔''

تمہیں فقیر بننے کی ضرورت نہیں' تم تو پیدا ہی بادشاہ ہوئے ہو۔ تمہیں صرف اپنی سلطنت دریافت کرنی ہے۔۔۔ اور تمہاری سلطنت کہیں باہر کی دنیا میں نہیں ہے۔ تمہاری سلطنت تمہارا اپنا باطن ہے۔ سلطنت تمہارے اندر ہے اور ہمیشہ وہیں رہی ہے۔۔۔ تمہارے گھر لوٹ آنے کا انتظار کرتی ہوئی۔

محبت آئے گی اور بے حساب آئے گی۔ اتنی زیادہ کہ تم اسے سنبھال نہیں سکو گے۔ تم اسے خود میں سے چھلکتا پاؤ گے۔ وہ ہر طرف پھیل رہی ہوگی۔

صرف اپنے پوشیدہ اجالے کو دریافت کرو۔ زندگی ایک نغمہ ہو سکتی ہے' خوشی کا نغمہ۔ زندگی ایک رقص ہو سکتی ہے۔۔۔ ایک میلہ' ایک مسلسل میلہ۔

ضرورت صرف اتنی ہے کہ تم زندگی دوست طرزِ زندگی اپناؤ۔

میں صرف اس شخص کو مذہبی کہہ سکتا ہوں جو زندگی دوست ہو۔ وہ سب لوگ جو کہ زندگی دشمن ہیں' اپنے آپ کو مذہبی کہلوا سکتے ہیں تاہم وہ مذہبی ہوتے نہیں ہیں۔ ان کی اداسی ظاہر کرتی ہے کہ وہ مذہبی نہیں ہیں۔ ان کا سنجیدہ پن ظاہر کرتا ہے کہ وہ مذہبی نہیں ہیں۔

ایک مصدقہ مذہبی انسان مزاح کی حس رکھتا ہے۔ یہ کائنات ہماری ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ ہم کوئی یتیم تھوڑے ہیں۔ یہ دھرتی ہماری ماں ہے۔ یہ آکاش ہمارا باپ ہے۔ یہ وسیع و عریض کائنات ہمارے لیے ہے اور ہم اس کے لیے ہیں۔

درحقیقت ہمارے اور کُل کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہم نامیاتی اعتبار سے اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہم ایک آرکسٹرا کا حصہ ہیں۔

ہستی کی اس موسیقی کو محسوس کرنا ہی وہ واحد دھرم ہے' جسے میں مصدقہ تسلیم کر سکتا

ہوں۔اس کی کوئی پستک نہیں ہے۔نہ ہی اسے اس کی ضرورت ہے۔اس میں پوجا پاٹھ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی صرف خاموش ہونا ضروری ہوتا ہے۔اس خاموشی سے پوجا جنم لیتی ہے اور ساری ہستی بھگوان بن جاتی ہے۔

بھگوان ایک شخص کے طور پر نہیں ہے۔بھگوان ہر طرف موجود ہے۔درختوں میں' پرندوں میں جانوروں میں' انسانوں میں' داناؤں میں اور نادانوں میں۔

ہاں! تم خود سے محبت کرو اور ساری ہستی سے بھی۔

محبت' درد ہے یا راحت؟

محبت درد بھی ہے اور راحت بھی۔یہ اذیت بھی ہے اور مسرت بھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت دھرتی اور آکاش کا ملن ہوتی ہے۔یہ جانے اور اَن جانے کا ملن ہوتی ہے' یہ دکھائی دینے والے اور نہ دکھائی دینے والے کا ملن ہوتی ہے۔

محبت وہ سرحد ہے جو مادے اور شعور کو الگ الگ کرتی ہے۔یہ وہ سرحد ہے جو پست اور بلند کو الگ الگ کرتی ہے۔محبت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں۔۔۔یہ درد ہے' اذیت ہے۔اس کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں۔۔۔یہ اس کی مسرت ہے۔

محبت کوئی اکہرا مظہر نہیں ہے یہ دہرا مظہر ہے۔یہ دو قطبین کے بیچ بندھی رسی ہے۔تم ان دو قطبین کو جاننا پسند نہیں کرو گے؟ ایک ہے جنس اور دوسرا ہے پوجا۔محبت جنس اور پوجا کے بیچ بندھی رسی ہے۔اس کا کچھ حصہ جنس ہے کچھ پوجا۔

اس کا جنسی حصہ لازماً درد و کرب و اذیت لاتا ہے۔اس کا پوجا والا حصہ بے شمار مسرتیں لاتا ہے۔پس محبت کو ترک کرنا مشکل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ترک کرنے والے کو خوف ہوتا ہے کہ یہ جن مسرتوں کو لائی ہے انہیں بھی ترک کرنا پڑے گا۔انسان اس میں مکمل طور پر ہو نہیں سکتا کیونکہ سب تکلیفیں بار بار تمہیں اس کو ترک کرنے پر مائل کرتی رہتی ہیں۔

یہ ہوتا ہے محبت کرنے والے کا المیہ۔محبت کرنے والا تناؤ میں جیتا ہے۔۔۔الگ الگ کھنچا ہوا۔

میں تمہارے مسئلے کو سمجھ سکتا ہوں۔ یہ سب محبت کرنے والوں کا بنیادی مسئلہ ہے کیونکہ محبت دونوں کو لاتی ہے۔۔۔ بہت سے کانٹے اور بہت سے پھول' اور دونوں ایک ساتھ آتے ہیں۔ محبت گلاب کا پودا ہوتی ہے۔ انسان کانٹوں کا تمنائی نہیں ہوتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ گلاب کے پودے پر پھول ہی پھول ہوں' کانٹا کوئی نہ ہو۔ تاہم یہ اکٹھے آتے ہیں۔ یہ ایک توانائی کے دو رخ ہیں۔

میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہا کہ محبت کو ترک کر دو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ گوشہ نشین ہو جاؤ۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اسے زیادہ سے زیادہ پوجا بناؤ۔ میں ترک کرنے پر نہیں قلب ماہیئت پر یقین رکھتا ہوں۔ ضرور تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں جنس کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جنس پوجا ہے۔ پست ترین پر اعلیٰ ترین کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ تب درد و کرب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

جنس میں کیسا کرب ہے؟ چونکہ یہ تمہیں تمہاری حیوانیت یاد دلاتی ہے اس لیے یہ کرب انگیز ہے۔۔۔ یہی کرب ہوتا ہے۔ یہ تمہیں ماضی یاد دلاتی ہے۔ یہ تمہیں تمہارا حیاتیاتی طوق یاد دلاتی ہے' یہ تمہیں یاد دلاتی ہے کہ تم آزاد نہیں ہو' تم فطرت کی دی ہوئی جبلتوں کے غلام ہو' تم فطرت سے آزاد نہیں ہو' تمہاری ڈوریاں فطرت کے ہاتھ میں ہیں۔ تم ان جانی لاشعوری قوتوں کی کٹھ پتلی ہو۔

جنس کو ایک ذلت جیسا محسوس کیا جاتا ہے۔ جنسی عمل میں تم یوں محسوس کرنے لگتے ہو جیسے تم اپنا وقار کھو رہے ہو' پس تم اذیت کا شکار ہو جاتے ہو۔ اسی وجہ سے آسودگی لمحاتی ہوتی ہے۔ جلد یا بدیر کوئی ذہین انسان اس بات سے آگاہ ہو جائے گا کہ طمانیت عارضی ہے اور اس کے بعد درد و اذیت کی طویل راتیں ہیں۔

مسرت محض ہوا جیسی ہوتی ہے۔ وہ آ کر چلی جاتی ہے اور تم کسی صحرا کی طرح رہ جاتے ہو۔۔۔ مکمل طور پر مضطرب' مایوس۔ تم نے بہت زیادہ امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ تمہارے جبلی حصے نے بہت سی چیزوں کے وعدے کیے تھے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔

درحقیقت جنس فطرت کی اپنے آپ کو دوام دینے کی حکمتِ عملی ہے۔ یہ ایسا میکانزم ہے جو تمہیں افزائش میں مصروف رکھتا ہے وگرنہ انسان تو معدوم ہو جائے۔ ذرا

تصور تو کرو کہ انسان میں جنسی جبلت نہیں رہی اور تم اپنی مرضی سے جنسی عمل کرتے ہو یا نہیں کرتے۔ تب یہ بالکل لایعنی دکھائی دے گا نہایت مضحکہ خیز دکھائی دے گا۔ ذرا سوچو تو سہی۔۔۔ اگر کوئی جبلی قوت تمہیں مجبور نہ کرے تو میرا خیال ہے کہ کوئی شخص بھی جنسی عمل نہیں کرے گا۔ کوئی شخص مرضی سے جنسی عمل نہیں کرتا سب ہچکچاتے ہوئے اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر جنسی عمل کرنے نہ کرنے کا فیصلہ تم پر ہو تو میرا خیال ہے لوگ اسے نہ کرنے کا فیصلہ کریں گے۔ شاید اسی وجہ سے لوگ دوسروں سے چھپ کر جنسی عمل کرتے ہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل بہت مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سب کے سامنے جنسی عمل کرو گے تو سب تمہاری مضحکہ خیزی دیکھیں گے۔ تم خود جانتے ہو کہ یہ مضحکہ خیز عمل ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے درجے سے گر رہا ہے۔ اسی احساس میں بے پناہ اذیت ہوتی ہے کہ تم پیچھے گھسیٹ لیے گئے ہو۔

تاہم یہ عمل کامل خالص پن اور مسرت اور معصومیت کے چند لمحے بھی لاتا ہے۔ یہ لاوقتی کے چند لمحے بھی لاتا ہے کہ جب دفعتاً وقت نہیں رہتا۔ یہ بے انائی کے بھی چند لمحے لاتا ہے کہ جب جنسی عمل کی گہرائی میں انا فراموش ہو جاتی ہے۔ یہ تمہیں بھگوان کے کچھ جلوے دکھاتا ہے۔ پس اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

لوگوں نے جنس کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ راہب صدیوں سے رد کر رہے ہیں۔ جس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ یہ تحقیر آمیز ہے۔ انسانی وقار کے خلاف ہے۔ کسی لاشعوری جبلت کے تابع ہونا غیر انسانی ہے۔ راہب اسے رد کر چکے ہیں' وہ دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔ تاہم اس کے ساتھ ہی زندگی کی ہر مسرت بھی غائب ہو چکی ہے۔ وہ نہایت سنجیدہ اور اداس ہو چکے ہیں۔ وہ خودکشی کرنے والے بن چکے ہیں۔ اب وہ زندگی میں کوئی معنی نہیں دیکھتے ہیں۔ ان کے لیے زندگی بے معنی ہو چکی ہے۔ وہ صرف موت کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے حل کیسے کیا جائے؟ راہب اسے حل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے تو دنیا میں بہت سی کجرویوں کو پیدا کیا ہے۔ تمہارے نام نہاد پنڈت جن کجرویوں کی مذمت کرتے ہیں وہ انہی کی پیدا کردہ ہیں۔ ہم جنس پرستی کا تصور ہی

مندروں میں پیدا ہوا تھا کیونکہ وہاں مرد اکٹھے رہتے تھے اور عورتوں سے دور۔ عورتیں بھی اکٹھی رکھی جاتی تھیں اور مردوں سے دور۔

کیتھولک گرجا گھروں میں ایک ہزار سال سے کوئی عورت داخل نہیں ہوئی ہے۔ چھ ماہ کی ننھی بچی کے داخلے پر بھی پابندی ہے۔ یہ تصور ہی انتہائی ہولناک ہے۔ یہ راہب بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔۔۔ سوچو تو سہی چھ ماہ کی بچی بھی گرجا گھر میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کیسا خوف ہے!

فطری بات ہے کہ جب راہب اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کی فطرت نئے راستے تلاش کر لیتی ہے۔ کجرویاں جنم لینے لگتی ہیں۔ وہ ہم جنس پرست بن جاتے ہیں۔ دھرم تمام کجرویوں کا بانی ہے۔

تم نے سنا نہیں ہوگا کہ شیطان نے عورت سے جنسی عمل کیا ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ شیطان اچانک عورت میں دلچسپی کھو بیٹھا ہے۔ شیطان نہیں ہے۔ تاہم اگر تم عورت کے محبت کرنے کے تمام امکانات ختم کردو گے تو ذہن خیالی منظر گھڑنے لگے گا۔ یہ منظر بڑے رنگین ہوتے ہیں۔ یہ لازماً رونما ہوتے ہیں، تم انہیں روک نہیں سکتے۔

پس راہب اور ننیں مسئلے کو حل نہیں کرسکتے۔ انہوں نے تو مسئلے کو مزید الجھا دیا ہے۔ دنیادار انسان، شہوت پرست انسان بھی اسے حل نہیں کرسکتا۔ وہ تو بڑی دردناک زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی ساری زندگی مصیبت و ابتلا سے عبارت ہوتی ہے۔ وہ مسلسل امیدیں باندھتا رہتا ہے اور اس کی ہر امید ٹوٹتی ہے۔ دھیرے دھیرے اس کی ہستی میں انتہا کی بے بسی جنم لیتی ہے۔

میری فکر دنیادارانہ ہے نہ غیر دنیادارانہ۔

میری فکر یہ ہے کہ کسی شے کو رد نہ کیا جائے بلکہ قبول کیا جائے۔ میری فکر یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے قیمتی ہے۔ ممکن ہے تمہیں اس کی قدر و قیمت کا علم ہو، ممکن ہے علم نہ ہو، تاہم یہ قیمتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہستی اسے تمہیں نہ دیتی۔ پس تمہیں اس کی قلب ماہیئت کرنے کے طریقے ڈھونڈنا ہوں گے۔ تمہیں اپنی محبت کو مزید پوجا بنانا ہے۔ تمہیں اپنے جنسی عمل کو مزید محبت سے بھرپور بنانا ہے۔ دھیرے دھیرے جنسی عمل ایک پوتر سرگرمی میں

ڈھل جائے گا۔ جنسی عمل تمہیں جنونیت کی پستی میں نہیں کھینچے گا بلکہ وہ تمہیں رفعت کی طرف کھینچے گا۔

جو توانائی تمہیں پستی میں کھینچ سکتی ہے وہی توانائی تمہیں بلندی کی طرف بھی کھینچ سکتی ہے۔ یہی توانائی تمہیں پر عطا کرسکتی ہے۔ یہ بے پناہ طاقت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ دنیا کی سب سے طاقتور شے ہے کیونکہ کُل حیات اسی سے جنم لیتی ہے۔ اگر یہ ایک بچے کو جنم دے سکتی ہے، اگر یہ ایک نئی زندگی کو وجود میں لاسکتی ہے تو تم اس کے خفتہ امکان کا تصور کرسکتے ہو۔ یہ تمہیں بھی نئی زندگی عطا کرسکتی ہے۔ جس طرح یہ ایک نئے بچے کو جنم دے سکتی ہے اسی طرح یہ تمہیں بھی ایک نیا جنم دے سکتی ہے۔

جب یسوع نکوڈیمس سے کہتے ہیں "جب تک تم دوبارہ جنم نہیں لیتے خداوند کی سلطنت میں داخل نہیں ہوسکتے" تو ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔۔۔ جب تک تم دوبارہ نہ جنمو، جب تک تم اپنے آپ کو جنم دینے کے اہل نہ ہو، اپنی توانائیوں کو ایک نیا وژن، ایک نئی قدر نہ دو، اپنے ساز کو نیا سُر نہ دو۔

تمہارا ساز عظیم موسیقی کا حامل ہے تاہم تمہیں اس کو بجانا سیکھنا ہوگا۔

جنسی عمل کو ایک عظیم مراقباتی فن بنانا ہوگا۔ تانترا نے دنیا کو یہ عظیم تحفہ دیا ہے۔ تانترا کا تحفہ عظیم ترین ہے کیونکہ یہ تمہیں پست ترین کو اعلیٰ ترین میں بدلنے کی کلید عطا کرتا ہے۔ یہ تمہیں کیچڑ کو کنول میں بدلنے کی کلید دیتا ہے۔ یہ دنیا کی عظیم ترین سائنس ہے۔ لیکن اخلاق پرستوں، قدامت پرستوں اور تمہارے نام نہاد دھرم والے لوگوں نے تانترا کو لوگوں کے کام نہیں آنے دیا۔ اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ تانترا کے ہزاروں گروؤں کو قتل کردیا گیا، زندہ جلا دیا گیا۔ ساری روایت کو تقریباً فنا کردیا گیا۔ لوگ زیرزمین چلے جانے پر مجبور ہوگئے۔۔۔

احمق سیاست دان اور پنڈت ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ لوگوں کی قلب ماہیئت ہوجائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب ماہیئت ہوجانے کے بعد لوگ ان سے مغلوب نہیں رہیں گے۔ منقلب لوگ آزاد ہوتے ہیں۔ منقلب لوگ اتنے آگاہ اور ذہین ہوجاتے ہیں کہ وہ سیاست دانوں اور پنڈتوں کی ساری چالوں کو سمجھ جاتے

ہیں۔تب وہ کسی کے پیروکار نہیں رہتے۔تب وہ ایک بالکل نئی قسم کی زندگی جینا شروع کر دیتے ہیں۔۔۔ہجوم کی زندگی نہیں بلکہ فرد کی زندگی۔وہ شیر بن جاتے ہیں۔وہ بھیڑ نہیں رہتے۔

سیاست دان اور پنڈت چاہتے ہیں کہ ہر انسان بھیڑ ہی رہے۔صرف تبھی وہ گڈریئے' لیڈر' عظیم لیڈر بن سکتے ہیں۔میڈیا کر اور احمق لوگ عظیم لیڈر ہونے کی اداکاری کر رہے ہیں لیکن یہ صرف تبھی ممکن ہے کہ جب ساری نوع انسان ذہانت کے اعتبار سے انتہائی پست رہے۔

اب تک صرف دو تجربے کیے گئے ہیں۔ایک تجربہ تھا جنس میں غرق ہو جانے کا جو کہ ناکام ہو گیا۔مغرب اسے دوبارہ آزما رہا ہے۔۔۔اور ناکام ہو جائے گا' بالکل ناکام۔دوسرا تجربہ جنس کو ترک کرنے کا تھا۔۔۔مشرق نے اسے آزمایا نیز مغرب میں عیسائیت نے۔یہ تجربہ بھی بالکل ناکام ہو گیا تھا۔

ایک نئے تجربے کی ضرورت ہے' فوری ضرورت۔انسان ایک بہت بڑے الیے سے دوچار ہے' وہ بہت بڑی الجھن کا شکار ہے۔اس کا حل کیا ہے؟

میں یہ نہیں کہتا کہ جنس کو ترک کر دو۔میں یہ کہتا ہوں کہ اس کی قلب ماہیئت کرو۔ضروری نہیں کہ یہ حیاتیاتی رہے۔اس کو تھوڑی سی روحانیت دو۔جنسی عمل کرتے ہوئے مراقبہ کرو۔جنسی عمل کو صرف جسمانی نہیں ہونا چاہیے اس میں اپنی روح بھی ڈال دو۔

یوں دھیرے دھیرے کرب ختم ہونے لگتا ہے اور کرب میں مقید توانائی آزاد ہو جاتی ہے اور رحمت بن جاتی ہے۔تب اذیت مسرت میں منقلب ہو جاتی ہے۔

تم کہتے ہو کہ ''تم محبت میں مبتلا ہوئے اور تم نے بڑی اذیت سہی۔''

تم پر رحمت ہوئی ہے۔حقیقتاً مفلس لوگ وہ ہوتے ہیں جو محبت میں مبتلا نہیں ہوتے اور کبھی اذیت نہیں سہتے۔وہ تو زندہ بھی نہیں ہوتے۔محبت میں مبتلا ہونا اور محبت میں اذیت سہنا اچھا ہوتا ہے۔یہ آگ سے گزرنا ہوتا ہے۔یہ پاک کر دیتی ہے۔یہ تمہیں بصیرت عطا کرتی ہے' یہ تمہیں مزید چوکس بناتی ہے۔اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا۔جو لوگ اس چیلنج کو قبول نہیں کرتے وہ حقیر کیچوے ہی رہتے ہیں۔

تم کہتے ہو کہ ''میں محبت میں مبتلا ہوا اور میں نے بہت کرب سہا لیکن میں اس

خواب کو ترک کرنے پر تیار نہیں کہ میری محبت طمانیت سے ضرور ہمکنار ہوگی۔''

میں تو تمہیں صرف حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔۔۔کہ یہ تمہیں مطلق طمانیت عطا نہیں کرے گی۔یہ میرے بس میں نہیں کہ چیزوں کی فطرت بدل دوں۔میں تو صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں۔اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں محبت میں مطلق طمانیت فراہم کر دیتا لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

یہ زندگی کا بنیادی قانون ہے کہ محبت تمہیں انتہائی عدم اطمینان بخشتی ہے۔محبت تمہیں ایسی بے اطمینانی سے دوچار کر دیتی ہے کہ تم مطلق محبوب یعنی بھگوان کی شدید آرزو کرنے لگتے ہو۔تم مطلق محبت کو ڈھونڈنے لگتے ہو۔

سنیاس ایک مطلق محبت ہے۔بھگوان کی تلاش' سچ کی تلاش۔یہ صرف تبھی ممکن ہے کہ جب تم بہت مرتبہ ناکام ہو چکے ہو' بہت مرتبہ محبت کر چکے ہو اور عذاب سہہ چکے ہو۔ہر عذاب تمہیں زیادہ شعور عطا کرتا ہے' زیادہ فہم عطا کرتا ہے۔ایک روز تمہیں احساس ہوتا ہے کہ محبت تمہیں کچھ جھلکیاں دکھا سکتی ہے۔۔۔اور وہی چند جھلکیاں اچھی ہوتی ہیں اور وہ جھلکیاں بھگوان کی جھلکیاں ہوتی ہیں۔تاہم یہ صرف تمہیں چند جھلکیاں دکھا سکتی ہے۔اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔یہ بھی بہت ہوتا ہے۔تاہم ان جھلکیوں کے بغیر تم بھگوان کو کبھی تلاش نہیں کرو گے۔

جو لوگ محبت نہیں کرتے اور عذاب نہیں سہتے وہ کبھی بھگوان کے متلاشی نہیں بنتے' بن بھی نہیں سکتے۔وہ اس قابل ہی نہیں ہوتے۔انہوں نے خود میں یہ اہلیت پیدا ہی نہیں کی ہوتی۔محبت کرنے والے کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ کسی روز مطلق محبوب کی تلاش شروع کر دے۔

محبت کرو اور زیادہ گہری محبت کرو۔عذاب سہو اور زیادہ گہرا عذاب سہو۔کاملاً محبت کرو اور کاملاً عذاب سہو۔۔۔کیونکہ ناخالص سونا اسی طرح آگ سے گزر کر خالص ہوتا ہے۔

تعلقات

زندگی باہمی انحصار کا نام ہے۔کوئی شخص آزاد نہیں ہے تم ایک لمحہ بھی تنہا نہیں جی سکتے۔تمہیں ساری ہستی کی مدد کی ضرورت ہے۔ یہ سانسوں کی طرح ہر لمحہ اہم ہے۔ یہ تعلق داری نہیں ہے، یہ مکمل طور پر باہمی انحصار ہے۔یاد رکھو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ محتاجی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ محتاجی کے تصور ہی سے یہ خیال آتا ہے کہ ہم آزاد ہیں۔اگر ہم آزاد ہوں گے تو محتاجی ممکن ہوگی۔تاہم دونوں ہی ناممکن ہیں۔زندگی باہمی انحصار ہوتی ہے۔

تم کیا کہتے ہو؟ کیا لہریں سمندر سے آزاد ہوتی ہیں یا وہ سمندر کی محتاج ہوتی ہیں؟ کوئی بات درست نہیں ہے۔وہی سمندر ہوتی ہیں۔۔۔نہ آزاد نہ محتاج۔سمندر لہروں کے بغیر نہیں ہوسکتا، لہریں سمندر کے بغیر نہیں ہوسکتیں۔وہ بالکل ایک ہیں۔یہ وحدت ہے۔ تمہاری ساری زندگی کا بھی ایسا ہی ہے۔ہم شعور کے کائناتی سمندر کی لہریں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت کی تین جہتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک ہے محتاجی کی جہت۔۔۔اکثر لوگوں کو اسی کا سامنا ہوتا ہے۔شوہر بیوی کا محتاج ہوتا ہے، بیوی شوہر کی۔وہ ایک دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر غالب رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر قابض رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو استعمال کرنے والی شے کی حد تک گھٹا دیتے ہیں۔ 99 فیصد مثالوں میں دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت جو کہ سؤرگ کے دروازے کھول سکتی ہے صرف جہنم کے دروازے کھولتی ہے۔

محبت کا دوسرا امکان دو آزاد اشخاص میں ہوتا ہے۔ یہ بھی لمحاتی طور پر رونما ہوتی ہے۔ تاہم یہ بھی عذابوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ اس میں مستقل تصادم رہتا ہے۔ کوئی مفاہمت ممکن نہیں ہوتی ہے۔ دونوں اشخاص آزاد ہوتے ہیں اور کوئی بھی مفاہمت پر تیار نہیں ہوتا۔ دوسرے کے ساتھ سمجھوتہ نہیں چاہتا۔ شاعر، فنکار، مفکر، سائنس دان ایسے لوگ ہیں جو ایک طرح کی آزادی میں جیتے ہیں۔۔۔کم از کم اپنے خیال میں۔۔۔ان لوگوں کے ساتھ جینا تو ناممکن ہے۔ وہ دوسرے کو آزادی تو دیتے ہیں لیکن یہ آزادی، آزادی کی بجائے بے اعتنائی زیادہ لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انہیں کوئی پرواہی نہیں ہے، یوں لگتا ہے جیسے انہیں محبت ہی نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی حد میں رہنے دیتے ہیں۔ تعلق محض سطحی لگتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی گہرائی میں اترنے سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں محبت سے زیادہ اپنی آزادی عزیز ہوتی ہے اور وہ مفاہمت پر بھی تیار نہیں ہوتے۔

تیسرا امکان باہمی انحصار کا ہے۔ یہ شاذ ہی رونما ہوتا ہے۔ تاہم جب کبھی یہ رونما ہوتا ہے زمین سؤرگ بن جاتی ہے۔ دو اشخاص، جو نہ تو ایک دوسرے سے آزاد ہوتے ہیں نہ ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔۔۔بلکہ ان میں حیرت ناک ہم آہنگی ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے سانس لے رہے ہیں، جیسے ایک ہی روح دو جسموں میں ہے۔۔۔جب بھی ایسا ہوتا ہے محبت میں ہوتا ہے۔ صرف اسی کو محبت کہتے ہیں۔ باقی دو امکانات حقیقی محبت نہیں ہوتے وہ صرف سمجھوتے ہوتے ہیں۔۔۔سماجی، نفسیاتی، حیاتیاتی سمجھوتے۔ تیسرا امکان روحانی ہے۔

تعلق قائم کرنا مشکل کیوں ہوتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ابھی تک ہو ہی نہیں۔ ایک داخلی خالی پن ہے اور خوف کہ اگر تم نے کسی سے تعلق قائم کیا تو جلد یا بدیر تمہارا خالی پن عیاں ہو جائے گا۔ پس تمہیں لوگوں سے فاصلہ رکھنا ایک محفوظ عمل لگتا ہے۔ کم از کم تم دھوکا تو دے سکتے ہو کہ تم ہو۔

تم نہیں ہو تم ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ تم صرف ایک موقع ہو۔ تم ابھی آسودہ نہیں ہو۔ صرف دو آسودہ اشخاص ہی تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ تعلق قائم کرنا زندگی کا ایک سب سے عظیم عمل ہے۔ تعلق قائم کرنے کا مطلب ہوتا ہے محبت کرنا' تعلق قائم کرنے کا مطلب ہوتا ہے بانٹنا۔ تاہم اس سے پہلے کہ تم بانٹ سکو تمہارے پاس ضرور کچھ ہونا چاہیے۔ محبت کرنے کے قابل ہونے سے پہلے تمہیں محبت سے ضرور معمور ہونا چاہیے۔ محبت سے چھلکنا چاہیے۔

دو بیج تعلق قائم نہیں کر سکتے۔ وہ تو بند ہوتے ہیں۔ دو پھول تعلق قائم کر سکتے ہیں وہ کشادہ ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی خوشبو بھیج سکتے ہیں۔ وہ ایک ہی دھوپ اور ایک ہی ہوا میں رقص کر سکتے ہیں' وہ مکالمہ کر سکتے ہیں' وہ سرگوشی کر سکتے ہیں۔ تاہم دو بیجوں کے لیے ایسا ممکن نہیں ہے۔ بیج مکمل طور پر بند ہوتے ہیں۔۔۔ کوئی کھڑکی نہیں ہوتی' تعلق کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

یہ ہے صورت حال۔ انسان ایک بیج کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ پھول بن سکتا ہے۔ وہ پھول نہیں بھی بن سکتا۔ اس کا کلی انحصار تم پر ہے کہ تم اپنے ساتھ کیا کرتے ہو؟ اس

کا کلی انحصار تم پر ہے کہ تم نشوونما پاتے ہو کہ نہیں۔ یہ انتخاب تم نے کرنا ہوتا ہے۔۔۔ اور یہ انتخاب ہر لمحہ درپیش ہوتا ہے۔ تم ہر لمحہ چوراہے میں ہوتے ہو۔

لاکھوں لوگ نشوونما نہ پانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ بیج ہی رہتے ہیں۔ وہ امکانات ہی رہتے ہیں۔ وہ کبھی حقیقت میں نہیں ڈھلتے۔ وہ نہیں جانتے کہ خود کو جاننا کیا ہوتا ہے' وہ نہیں جانتے کہ خود کو حقیقت بنانا کیا ہوتا ہے۔ وہ ہستی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ مکمل خالی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ مکمل خالی مرتے ہیں۔ وہ کس طرح تعلق قائم کر سکتے ہیں؟ تعلق قائم کرنے سے تمہاری عریانیت' تمہاری بدصورتی' تمہارا خالی پن عیاں ہو جاتا ہے۔ پس تم فاصلہ رکھنے کو محفوظ عمل سمجھتے ہو۔ حد تو یہ ہے کہ محبت کرنے والے بھی فاصلے رکھتے ہیں۔ جب وہ نزدیک ہوتے ہیں تو کسی بھی لمحے واپس ہونے کے لیے چوکس ہوتے ہیں۔ وہ سرحدیں قائم رکھتے ہیں۔ وہ کبھی سرحدیں پار نہیں کرتے۔ وہ اپنی اپنی سرحدوں میں محدود رہتے ہیں۔

تم جس قسم کے تعلقات قائم کرتے ہو وہ قبضے کی ایک شکل ہوتی ہے۔ شوہر بیوی پر قابض ہوتا ہے' بیوی شوہر پر' والدین بچوں پر قابض ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ دور تک چلتا جاتا ہے۔ تاہم قابض ہونا تعلق قائم کرنا نہیں ہوتا۔ درحقیقت قابض ہونے سے تعلق داری کے تمام امکانات برباد ہو جاتے ہیں۔ اگر تم تعلق قائم کرتے ہو تو تم احترام کرتے ہو تم قابض نہیں ہو سکتے۔ اگر تم تعلق قائم کرتے ہو تو بے حد احترام کرتے ہو۔ اگر تم تعلق قائم کرتے ہو تو تم بہت نزدیک چلے جاتے ہو' بے حد نزدیک' گہری قربت میں' تم چھا جاتے ہو۔ اس کے باوجود دوسرے کی آزادی میں خلل نہیں پڑتا ہے۔ دوسرا ایک آزاد فرد ہی رہتا ہے۔ تعلق ایک دوسرے پر چھا جانے کے باوجود آزادی کا نام ہے۔

خلیل جبران کہتا ہے" دوستونوں جیسے بنو جو ایک چھت کو سہارتے ہیں۔ ایک دوسرے پر قبضہ مت جماؤ' دوسرے کو آزاد رہنے دو' ایک ہی چھت کو سہارو۔۔۔ وہ چھت محبت ہے۔"

دو محبت کرنے والے کسی نہ دکھائی دینے والی اور کسی نہایت قیمتی شے کو سہارتے ہیں۔ ہستی کی شاعری' ہستی کی موسیقی۔۔۔ وہ دونوں کو سہارتے ہیں' وہ آہنگ کو سہارتے

ہیں تاہم آزاد رہتے ہیں۔ وہ خود کو ایک دوسرے پر عیاں کر دیتے ہیں کیونکہ انہیں خوف کوئی نہیں ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں۔ وہ اپنے داخلی حسن سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اپنی داخلی خوشبو سے واقف ہوتے ہیں۔ خوف کوئی نہیں ہوتا۔

تاہم عمومی طور پر خوف موجود رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اگر تم اپنے آپ کو کسی پر عیاں کر دو گے تو تم تعفن ہی پھیلاؤ گے۔ تم میں حسد' نفرت' غصے' شہوت کا تعفن ہے۔ تمہارے پاس محبت' پوجا' ہمدردی کی خوشبو نہیں ہے۔

لاکھوں لوگوں نے بیج رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیوں؟ جب وہ پھول بن سکتے ہیں وہ ہوا اور دھوپ اور چاندنی میں رقص کر سکتے ہیں تو انہوں نے بیج رہنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے؟ ان کے فیصلے میں کچھ ہے' یعنی یہ کہ بیج پھول سے زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ پھول نازک ہوتا ہے۔ بیج نازک نہیں ہوتا۔ بیج مضبوط لگتا ہے۔ پھول کو بہت آسانی سے مسلا جا سکتا ہے۔ ذرا سی تیز ہوا چلنے کی دیر ہے پتیاں بکھر جائیں گی۔ بیج کو ہوا اتنی آسانی سے برباد نہیں کر سکتی۔ بیج بہت محفوظ ہوتا ہے۔ پھول عیاں ہوتا ہے۔۔۔ اتنی نازک شے اور اتنے عذابوں کے سامنے عیاں!!۔۔۔ تیز ہوا چل سکتی ہے' موسلا دھار بارش ہو سکتی ہے' شدید دھوپ ہو سکتی ہے' کوئی احمق پھول کو شاخ سے نوچ سکتا ہے۔ پھول کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ پھول کے ساتھ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ پھول سدا خطرے میں رہتا ہے۔ تاہم بیج محفوظ ہوتا ہے۔ پس لاکھوں لوگ بیج رہنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ تاہم بیج رہنا مرے ہوئے رہنا ہے۔ بیج رہنا زندہ رہنا بہر حال نہیں ہے۔ بے شک وہ محفوظ ہوتا ہے' لیکن وہ زندگی کا حامل نہیں ہوتا۔ موت محفوظ ہوتی ہے زندگی غیر محفوظ۔ جو شخص حقیقتاً زندہ رہنا چاہتا ہو اسے خطرے میں جینا پڑتا ہے' مسلسل خطرے میں۔ جو شخص چوٹی پر پہنچنا چاہتا ہو اسے گر کر مرنے کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ جو شخص سب سے اونچی چوٹی پر چڑھنا چاہتا ہو اسے کسی بھی جگہ پھسل کر نیچے گر جانے کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔

نشوونما پانے کی آرزو جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ خطرے کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی انسان خطرے کو اپنے طرزِ زندگی کے طور پر قبول کرتا ہے' وہ اس کی نشوونما کا موسم بن جاتا ہے۔

تم پوچھتے ہو' ''تعلق قائم کرنا اتنا مشکل کیوں ہے؟''

یہ اس لیے مشکل ہے کیونکہ تم ابھی ہو ہی نہیں' پہلے تم ہوؤ' ہر شے بعد میں ممکن ہوگی۔ پہلے ہوؤ۔

ہونا بنیادی تقاضا ہے۔ اگر تم ہو تو نتیجتاً جرأت نمودار ہوتی ہے۔ اگر تم ہو تو مہم جوئی کی دریافت کی بے پناہ خواہش تم میں ابھرتی ہے۔۔۔ اور جب تم دریافت کرنے کے لیے تیار ہوتے ہو تب تم تعلق قائم کر سکتے ہو۔ تعلق قائم کرنا دریافت کرنا ہوتا ہے۔۔۔ دوسرے کے شعور کو دریافت کرنا' دوسرے کے علاقے کو دریافت کرنا۔ تاہم جب تم دوسرے کے علاقے کو دریافت کرتے ہو تو تمہیں اسے بھی اجازت دینی اور خوش آمدید کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی تمہیں دریافت کرے۔ یہ ون وے ٹریفک نہیں ہو سکتی۔ تم دوسرے کو تبھی یہ اجازت دے سکتے ہو کہ وہ تمہیں دریافت کرے کہ جب تمہارے پاس کچھ ہو' تمہارے اندر کوئی خزانہ ہو۔ تب کوئی خوف نہیں ہوتا ہے۔ درحقیقت تم تو مہمان کو دعوت دے کر بلاتے ہو' تم مہمان کو گلے لگاتے ہو۔ تم اسے اندر لے آتے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ وہ اندر آئے' تم چاہتے ہو کہ وہ یہ دیکھے کہ تم نے اپنے اندر کیا کچھ دریافت کیا ہوا ہے۔ تم اسے بانٹنا چاہتے ہو۔

پہلے ہوؤ' تبھی تم تعلق قائم کر سکتے ہو۔۔۔ اور یاد رکھو تعلق قائم کرنا خوبصورت عمل ہے۔ رشتے قائم کرنا ایک مختلف مظہر ہے۔ رشتے مردہ ہوتے ہیں' منجمد ہوتے ہیں۔ تم کسی عورت سے شادی کرتے ہو تو تم آخری نقطے پر پہنچ جاتے ہو۔ اب صرف زوال ہوگا۔ تم حد پر پہنچ چکے ہو' کوئی شے مزید نشوونما نہیں پائے گی۔ دریا تھم چکا ہے اور اب یہ جوہڑ بن رہا ہے۔ رشتے مکمل شے ہوتے ہیں۔ تعلق قائم کرنا ایک عمل ہوتا ہے۔ رشتوں سے گریز کرو اور تعلق قائم کرنے میں گہرے چلے جاؤ۔

میں افعال (Verbs) پر اصرار کرتا ہوں' اسما (Nouns) پر نہیں۔ جتنا ممکن ہو اسما سے گریز کرو۔ میں جانتا ہوں کہ زبان میں تم ان سے گریز نہیں کر سکتے تاہم زندگی میں گریز کرو۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک فعل (Verb) ہے۔ زندگی اسم (Noun) نہیں ہے۔ یہ جینا (Living) ہے' جیون (Life) نہیں۔ یہ محبت نہیں ہے' یہ محبت کرنا ہے۔ یہ رشتہ نہیں ہے یہ رشتہ قائم کرنا ہے۔ یہ گانا نہیں ہے' یہ گانا گانا ہے۔ یہ رقص

نہیں ہے، یہ رقص کرنا ہے۔

فرق پر غور کرو۔ فرق کو سمجھو۔ رقص ایک مکمل شے ہوتا ہے۔ آخری بھاؤ بتائے جا چکے ہیں، اب کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ مکمل شے مردہ شے ہوتی ہے۔ زندگی کسی آخری نقطے کو نہیں جانتی۔ آرام کی جگہیں تو ٹھیک ہیں لیکن منزل ٹھیک نہیں ہے۔

یہ سوچنے کی بجائے کہ تعلق کیسے قائم کرنا ہے، پہلا تقاضا پورا کرو۔ مراقبہ کرو، ہوؤ اور پھر تعلق خود بخود قائم ہونے لگیں گے۔ جو شخص خاموش ہو جاتا ہے، جس شخص سے توانائیاں چھلکنے لگتی ہیں وہ پھول بن جاتا ہے۔ اسے تعلق قائم کرنے ہی ہوتے ہیں۔ اسے سیکھنا نہیں پڑتا ہے۔ یہ عمل خود بخود شروع ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے تعلق قائم کرتا ہے، وہ جانوروں سے تعلق قائم کرتا ہے، وہ درختوں سے تعلق قائم کرتا ہے، وہ چٹانوں تک سے تعلق قائم کرتا ہے۔

درحقیقت وہ دن کے چوبیسوں گھنٹے تعلق قائم کرتا ہے۔ اگر وہ زمین پر چل رہا ہو تو وہ زمین سے تعلق قائم کر رہا ہوتا ہے۔۔۔ اس کے پاؤں زمین کو چھو رہے ہوتے ہیں، وہ تعلق قائم کر رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ دریا میں تیراکی کر رہا ہو تو وہ دریا سے تعلق قائم کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلسل نغمہ ہوتا ہے، ایک مسلسل رقص، یہ دریا جیسا بہاؤ ہوتا ہے۔

مراقبہ کرو۔ پہلے اپنا مرکز پالو۔ اس سے پہلے کہ تم کسی سے تعلق قائم کرو اپنے آپ سے تعلق قائم کرو۔ آسودہ ہونے کا یہ بنیادی تقاضا ہے۔ اس کے بغیر کچھ ممکن نہیں ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے سب کچھ ممکن ہے۔

4

شادی، دوستی، تنہائی

❖.... پہلی بات تو یہ ہے کہ رسموں کے مطابق جینا ہی درست نہیں ہے، ہر رسم تباہ کن ہوتی ہے۔

❖.... تم دوسروں کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرنے کے خواہش مند ہو، جبکہ کوئی شخص وسیلہ نہیں ہے، ہر شخص مقصد ہے۔

❖.... تمام عظیم تجربے انسان کو اداس کر دیتے ہیں۔

کیا شادی شدہ اور آزاد ہونا ممکن ہے؟

کیا بیک وقت شادی شدہ اور آزاد ہونا ممکن ہے؟

یہ مشکل ہے۔ لیکن ناممکن نہیں۔ صرف تھوڑی سی فہم کی ضرورت ہے۔ چند بنیادی سچائیوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ پہلی سچائی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ دوسری سچائی یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو اس کے حوالے سے تمہارے مثالیے کے مطابق ڈھالنے کے لیے نہیں ہے۔ تیسری سچائی یہ ہے کہ اپنی محبت کے مالک تم خود ہو۔۔۔ اور تم اسے جتنا چاہو دے سکتے ہو۔ تاہم تم دوسرے سے محبت کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی غلام نہیں ہوتا ہے۔

اگر ان سادہ سچائیوں کو سمجھ لیا جائے تو پھر یہ بات اہم نہیں رہتی کہ تم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ تم ایک ساتھ رہ سکتے ہو، ایک دوسرے کو گنجائش فراہم کرتے ہوئے ایک دوسرے کی انفرادیت میں کبھی مداخلت نہ کیے بغیر۔

درحقیقت شادی ایک فرسودہ رسم ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسموں کے مطابق جینا ہی درست نہیں ہے۔ ہر رسم تباہ کن ہوتی ہے۔ شادی نے لاکھوں لوگوں کے لیے خوشی کے سب امکانات کو تباہ کر دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شادی کی رسم ہی فضول ہے۔

میں ایک یونیورسٹی میں پڑھایا کرتا تھا۔ میرے ایک کولیگ کو، جو کہ نفسیات کا

پروفیسر تھا' اس کی بیوی مسلسل مار اپیٹا کرتی تھی۔ ایسا کوئی جوڑا پانا بہت مشکل ہے جس میں مار پیٹ نہ ہوتی ہو اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ بیوی خاوند کو مارتی ہے۔ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ چونکہ مرد نے عورت کو پست کر کے غلام بنا دیا ہے اس لیے وہ انتقام کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی۔ یہ سب لاشعوری ہے۔

پروفیسر کی بیوی حقیقتاً چڑیل تھی۔ وہ اسے روز مارا کرتی تھی۔ ایک روز پروفیسر نے مجھ سے کہا'' میں تم پر بھروسہ کر کے تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ پلیز کسی کو مت بتانا۔''

میں نے وعدہ کر لیا۔

اس نے بتایا'' میری بیوی مجھے مارتی ہے۔''

میں نے کہا'' یہ کوئی راز تھوڑا ہی ہے۔''

بیوی کسی نہ کسی طور شوہر کو مارتی ہے۔ ہوسکتا ہے مار جسمانی نہ ہو۔ تاہم نفسیاتی مار زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتی ہے۔ تاہم عورت کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ صدیوں سے اس پر تشدد کیا جاتا رہا ہے۔ اسے مارا گیا' قتل کیا گیا' زندہ دفنایا گیا۔ سب کچھ اس کے لاشعور میں جمع ہوتا گیا۔ قریب ترین مرد شوہر ہوتا ہے۔ پس کسی بھی بہانے وہ مشکل کھڑی کرنا شروع کر دیتی ہے۔ شوہر نہیں چاہتا کہ پڑوسیوں کو پتا چلے اور بیویوں کو اس کمزوری کا پتہ ہوتا ہے۔ پس چیخنا چلانا اس کا ایک حربہ ہے۔۔۔ چیزیں پٹخنا' چیخنا تاکہ پڑوسیوں کو پتا چل جائے۔ شوہر کو فوراً مفاہمت کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ اس کی عزت کا مسئلہ ہوتا ہے۔

پس میں نے پروفیسر سے کہا'' پریشان مت ہو۔۔۔ وہ سب مجھے ایسی ہی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ جس لمحے کوئی کہتا ہے پلیز کسی کو مت بتانا' میں جان جاتا ہوں کہ راز کی بات کون سی ہے۔ میں ان کے بولنے سے پہلے ہی جان لیتا ہوں۔''

پروفیسر نے کہا'' لیکن میں اس زنداں سے نکلنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں اس میں بہت رہ چکا۔ چوبیس گھنٹے کا تشدد مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

میں نے کہا'' یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے؟''

وہ بولا'' مسئلہ نہیں ہے؟ میں نے اس سے شادی کی ہوئی ہے۔''

میں نے کہا'' شادی تو محض بچوں کا کھیل ہے۔ تم نے شادی کیسے کی تھی؟''

اس نے کہا'' ایک پنڈت منتر پڑھ رہا تھا' آگ جل رہی تھی' میں نے سات چکر لگائے اور پنڈت نے میرا دامن میری بیوی کی ساڑھی سے باندھ دیا۔ ہم نے سوگندھ کھائی اور آگ کے گرد اکٹھے سات چکر لگائے۔''

میں نے پوچھا'' گھڑی کی سوئیوں کے رخ؟''

اس نے بتایا'' ہمیشہ گھڑی کی سوئیوں کے رخ ہی چکر لگائے جاتے ہیں۔''

میں نے کہا'' تب کوئی مسئلہ نہیں۔ اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔ میں پنڈت ہوں۔۔۔ پنڈت جو کچھ پڑھ رہا تھا تم سمجھے نہیں تھے نا؟

وہ بولا'' ہاں۔''

میں نے کہا'' تب تو بالکل ٹھیک ہے۔ میں کچھ پڑھوں گا جو تم نہیں جانتے ہو گے۔۔۔ نہ میں جانتا ہوں گا۔ میں جھوٹے منتر پڑھوں گا اور تم گھڑی کی سوئیوں کے مخالف آگ کے گرد چکر لگانا۔۔۔ اور پھر میں پنڈت کی باندھی ہوئی گرہ کو کاٹ دوں گا۔ یوں شادی ختم ہو جائے گی۔''

اس نے کہا'' ہے بھگوان! لیکن میری بیوی کو یہاں کون لائے گا؟ تم نے سادہ ساحل تجویز کر دیا ہے لیکن تم میری بیوی کو نہیں جانتے۔''

میں نے کہا'' میں اسے جانتا ہوں۔۔۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے مجھ سے مل چکی ہے۔ وہ اب ان مسلسل جھگڑوں سے نجات پانا چاہتی ہے۔ وہ پر مسرت زندگی نہیں گزار رہی۔ یا تو تم دونوں خوش رہ سکتے ہو یا دونوں ہی پریشان ہو گے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک خوش رہے اور دوسرا پریشان۔ پس میں اسے قائل کر لوں گا۔۔۔ وہ تقریباً آمادہ ہے۔۔۔ تم بس جا کر اسے بتاؤ کہ میں اسے بلا رہا ہوں۔ شادی والے کپڑے پہن کر آنا۔۔۔''

وہ بولا'' شادی والے کپڑے؟''

میں نے کہا'' ہاں ساری رسم الٹ دہرائی جائے گی۔''

وہ شخص کبھی واپس نہیں آیا۔ مجھے کئی مرتبہ اس کے گھر جانا پڑا۔ میں دستک دیتا تو وہ التجا کرتا۔'' مجھے معاف کر دو کہ میں نے تمہیں بتایا۔ جب میں گھر آیا تو مجھے ایک مار پڑی

کہ میں پہلے والی ساری مار بھول گیا! اس جنم میں تو بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب مجھے سمجھ میں آیا کہ ہندوؤں نے اگلے جنموں کو کیوں ایجاد کیا تھا؟"

میں نے اس سے کہا" لیکن کیا تمہیں پتا ہے سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ جب ہندو بیویاں برت رکھتی ہیں اور مندر جا کر پرارتھنا کرتی ہیں کہ انہیں اگلے جنم میں یہی شوہر ملے۔"

اس نے کہا" کیا یہ سچ ہے۔۔۔ لیکن میں نے تو کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔ اس سے کس طرح بچا جائے؟"

میں نے کہا" تم بھی اسی دن برت رکھو۔ مندر جاؤ اور پرارتھنا کرو۔۔۔ دل ہی دل میں تا کہ تمہاری بیوی نہ سن سکے۔ وہ پرارتھنا کر رہی ہو کہ اسے یہی خاوند ملے اور تم پرارتھنا کرنا کہ ایک ہی جنم کافی ہے۔ میری بیوی عظیم ہے۔ اب اسے کوئی اور شوہر دے دیا جائے۔"

وہ بولا' ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

تم نے پوچھا ہے" شادی شدہ اور آزاد ہونا ممکن ہے؟"

اگر تم شادی کو غیر سنجیدگی سے لو گے تو آزادی ناممکن ہوگی۔ شادی کو ایک کھیل کے طور پر لو۔ یہ کھیل ہی ہوتی ہے۔ تھوڑا سا حس مزاح سے کام لو۔ یہ تمہارا کردار ہے' جو تم زندگی کے سٹیج پر ادا کر رہے ہو۔ تاہم اس کا کوئی تعلق ہستی سے یا کسی حقیقت سے نہیں ہے۔۔۔ یہ تو فکشن ہے۔

لوگ اتنے احمق ہیں کہ وہ فکشن کو حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو کہانیاں پڑھتے ہوئے رونے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فکشن بہت المناک ہوتا ہے۔ فلموں میں اچھا ہوتا ہے کہ روشنیاں بجھا دی جاتی ہیں۔ یوں ہر کوئی فلم سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کیا سوچیں گے؟ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سکرین خالی ہے۔۔۔ ادھر کوئی شخص نہیں ہے' صرف ایک تصویر ہے لیکن وہ اسے بالکل بھول جاتے ہیں۔

ہماری زندگیوں میں بھی ایسا ہی ہو چکا ہے۔ بہت سی چیزوں کو مزاحیہ لیا جانا چاہیے مگر ہم انہیں سنجیدگی سے لے رہے ہیں اور اسی سنجیدگی سے ہمارا مسئلہ شروع ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تم نے شادی ہی کیوں کی؟ تم کسی سے محبت کرتے ہو' تم کسی کے ساتھ رہتے ہو۔۔۔ یہ تمہارا بنیادی حق ہے۔ تم کسی کے بھی ساتھ رہ سکتے ہو' کسی سے بھی محبت کر سکتے ہو۔

شادی کوئی آسمانوں پر نہیں ہوتی۔ یہ یہیں ہوتی ہے ہمارے عیار پنڈتوں کے ذریعے۔ تاہم اگر تم معاشرے کے ساتھ کھیل میں شریک ہونا چاہتے ہو' تم الگ تھلگ رہنا نہیں چاہتے ہو تو تمہیں اپنی بیوی یا اپنے شوہر پر واضح کر دینا ہوگا کہ شادی محض ایک کھیل ہے۔" اسے سنجیدگی سے بالکل نہ لو' میں اسی طرح آزاد رہوں گا جیسے شادی سے پہلے تھا اور تم بھی اسی طرح آزاد رہو گی جیسے شادی سے پہلے تھیں۔ نہ تو میں تمہاری زندگی میں مداخلت کروں گا نہ ہی تم میری زندگی میں مداخلت کرنا۔ ہم دوستوں کی طرح اکٹھے رہیں گے۔ ہماری خوشیاں سانجھی ہوں گی۔ ہم ایک دوسرے پر بوجھ نہیں بنیں گے۔"

" اور جس لمحے ہم محسوس کریں گے کہ بہار کا موسم گزر گیا ہے۔ ہنی مون ختم ہو گیا ہے اسی لمحے ہم پورے خلوص کے ساتھ فیصلہ کر لیں گے کہ ہم نے اداکاری نہیں کرنی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے کہ ہم آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک دوسرے کے ہمیشہ ممنون رہیں گے اور محبت کے دن ہماری یادوں میں تروتازہ رہیں ہمارے خوابوں میں سنہرے دن بن کر جگمگائیں گے۔ تاہم بہار کا موسم گزر گیا ہوگا۔ ہمارے راستے ایک ایسے مقام پر آ چکے ہیں۔۔۔ گو کہ یہ اداس کر دینے والا مقام ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے ایک ساتھ رہنا محبت کی نشانی نہیں ہوتی۔"

" اگر میں تم سے محبت کرتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ میری محبت تمہارے لیے مصیبت بن گئی تو میں اسی لمحے تم سے الگ ہو جاؤں گا۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور یہ دیکھتی ہو کہ تمہاری محبت میرے لیے زنداں بنتی جا رہی ہے تو اسی لمحے مجھے چھوڑ دینا۔"

محبت زندگی کی اعلیٰ ترین قدر ہے۔ اسے پست کر کے احمقانہ رسموں میں نہیں کھونا چاہیے۔

محبت اور آزادی دوش بدوش چل سکتی ہیں۔۔۔ ایسا نہیں کہ تمہیں ایک کو منتخب اور دوسری کو مسترد کرنا پڑے۔ تم جانتے ہو کہ آزادی محبت سے معمور ہوتی ہے اور محبت ہمیشہ

آزادی دینے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اگر تم اس شخص کو آزادی نہیں دے سکتے جس سے محبت کرتے ہو تو پھر تم کیسے آزادی دے سکتے ہو؟ آزادی دینا بھروسہ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آزادی محبت کا ایک اظہار ہے۔

پس تم شادی شدہ ہو کہ نہیں، یاد رکھو! سب شادیاں مصنوعی ہوتی ہیں۔۔۔ محض سماجی سہولتیں، ان کا مقصد تمہیں ایک دوسرے کا پابند کرنا یا ایک دوسرے سے جوڑنا نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ نشو ونما پاؤ۔ تاہم نشو ونما کے لیے آزادی ضروری ہوتی ہے۔ جبکہ ماضی میں تمام تہذیبوں میں اس امر کو فراموش کر دیا گیا تھا کہ آزادی نہ ہو تو محبت مر جاتی ہے۔

تم آسمان پر ایک پرندے کو دھوپ میں اڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ وہ بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ تم اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اسے پکڑ لیتے ہو اور ایک سنہرے پنجرے میں بند کر دیتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے یہ وہی پرندہ ہوتا ہے؟ ظاہری طور پر تو وہی ہوتا ہے، وہی پرندہ جو آسمان پر اڑ رہا تھا لیکن گہرائی میں یہ وہی پرندہ نہیں ہوتا۔۔۔ کہاں ہے اس کا آسمان، کہاں ہے اس کی آزادی؟

ہو سکتا ہے یہ سنہرا پنجرہ تمہارے لیے قیمتی ہو۔ تاہم یہ پرندے کے لیے قیمتی نہیں ہے۔ پرندے کے لیے تو آسمان پر آزاد ہونا ہی زندگی میں سب سے قیمتی ہے۔

یہی بات انسانوں پر صادق آتی ہے۔

حقیقی دوست کون ہوتا ہے؟

''میرے بہت سے دوست ہیں لیکن یہ سوال اکثر میرے ذہن میں ابھرتا ہے کہ ''حقیقی دوست کون ہوتا ہے؟'' کیا آپ اس حوالے سے کچھ بتائیں گے؟''

تم غلط زاویے سے سوال کر رہے ہو۔ کبھی یوں مت پوچھو ''میرا حقیقی دوست کون ہے؟'' یوں پوچھو ''کیا میں کسی کا حقیقی دوست ہوں؟'' یہ درست سوال ہے۔ تم دوسروں کے لیے کیوں فکر مند ہو کہ وہ تمہارے دوست ہیں یا نہیں؟

ضرب المثل ہے کہ دوست وہی ہوتا ہے جو ضرورت میں کام آئے۔ تاہم گہرائی میں جا کر دیکھو تو یہ لالچ ہے، یہ دوستی نہیں ہے، یہ محبت نہیں ہے۔ تم دوسروں کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرنے کے خواہش مند ہو جبکہ کوئی شخص وسیلہ نہیں ہے، ہر شخص ایک مقصد ہے۔ تم کیوں فکر مند ہو کہ حقیقی دوست کون ہے؟

ایک نو بیاہتا جوڑا ہنی مون کے دوران جنوبی فلوریڈا کے سانپ پالنے والے ایک شخص سے ملا۔ لڑکی نے اس سے پوچھا ''تمہارا کام تو بڑا خطرناک ہے؟ کیا کبھی سانپ نے تمہیں ڈسا؟''

سپیرے نے کہا ''ہاں، بہت مرتبہ۔''

لڑکی نے پوچھا ''جب سانپ کاٹتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟''

''میرے پاس ہمیشہ ایک تیز دھار والا چاقو ہوتا ہے۔ جب سانپ کاٹ لے تو میں چاقو سے اس جگہ پر زخم لگاتا ہوں جہاں سانپ نے کاٹا ہوتا ہے اور منہ سے چوس کر زہر نکال دیتا ہوں۔''

لڑکی کا تجسس دھیما نہیں پڑا ہوتا ہے، وہ پوچھتی ہے ''اگر کبھی تم حادثاتی طور پر کسی سانپ پر بیٹھ جاؤ، تو کیا ہوگا؟''

سپیرے نے جواب دیا'' تب اس روز مجھے پتا چلے گا کہ میرا حقیقی دوست کون ہے؟''

تم کیوں فکر مند ہو؟

حقیقی سوال یہ ہونا چاہیے۔۔۔ کیا میں لوگوں کا دوست ہوں؟ کیا تمہیں پتا ہے کہ دوستی کیا ہوتی ہے؟ یہ محبت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ محبت میں تھوڑی بہت ہوس کا ہونا لازمی ہے جبکہ دوستی میں ساری ہوس غائب ہو جاتی ہے۔ دوستی میں کوئی کثیف شے باقی نہیں رہتی۔ وہ مکمل طور پر لطیف بن جاتی ہے۔

یہ دوسروں کو استعمال کرنے کا سوال نہیں ہے، یہ تو دوسروں کی ضرورت کا بھی سوال نہیں ہے یہ تو بانٹنے کا سوال ہے۔ تمہارے پاس بہت کچھ ہے اور تم اسے بانٹنا چاہتے ہو اور جو کوئی بھی تمہارے ساتھ تمہاری خوشی، تمہارا رقص، تمہارا نغمہ بانٹنے کو تیار ہوتا ہے تم اس کے شکر گزار ہوتے ہو تم اس کے احسان مند ہوتے ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ تمہارا احسان مند ہو، اسے تمہارا ممنون ہونا چاہیے کہ تم نے اسے بہت کچھ دے دیا ہے۔ ایک دوست کبھی اس طرح نہیں سوچتا۔ ایک دوست ہمیشہ ان لوگوں کا شکر گزار ہوتا ہے جو اسے محبت کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ انہیں وہ کچھ دینے کا موقع دیتے ہیں کہ جو اس کے پاس ہو۔

محبت لالچ ہوتی ہے۔ تم یہ جان کر حیران ہو گے کہ انگریزی لفظ Love سنسکرت کے لفظ لوبھ سے بنایا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے لالچ۔ لوبھ کس طرح Love بنا یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ سنسکرت میں یہ لالچ ہے۔ اصل (Root) کا مطلب ہے لالچ۔۔۔ اور محبت جیسا کہ تم جانتے ہو لالچ کے سوا حقیقتاً کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک چھپا ہوا لالچ ہے۔

لوگوں کو استعمال کرنے کے لیے خیال سے انہیں دوست بنانا، ابتدا میں ہی اٹھایا جانے والا غلط قدم ہے۔ دوستی کو بانٹنے کا عمل ہونا چاہیے۔ اگر تمہارے پاس کچھ ہے تو بانٹ دو۔۔۔ اور جو کوئی تمہارے ساتھ اس عمل میں شریک ہو وہ دوست ہے۔ یہ ضرورت کا سوال نہیں ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ جب تم خطرے میں ہو تو دوست کو تمہاری مدد کے لیے آنا ہوگا۔ یہ غیر متعلق سوال ہے۔۔۔ ممکن ہے وہ آئے، ممکن ہے وہ نہ آئے۔ اگر وہ نہیں آتا تو تمہیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر وہ آتا ہے تو تم اس کے شکر گزار ہو جاؤ لیکن اگر وہ نہیں آتا ہے تو پھر بھی بالکل ٹھیک ہے۔ آنے یا نہ آنے کا فیصلہ اس کا ہے۔ تم اسے استعمال نہیں کرنا چاہتے تم اسے خطا کا احساس نہیں دلانا چاہتے۔ تم کوئی خفگی نہیں رکھتے۔ تم اسے یہ نہیں کہو گے'' جب مجھے ضرورت تھی تو تم نہیں آئے۔۔۔ تم کیسے دوست ہو؟''

دوستی کوئی بازاری شے نہیں ہے۔ دوستی تو ایک ایسی کمیاب شے ہے کہ جس کا تعلق معبد سے ہے، دکان سے نہیں۔ تاہم تم اس طرح کی دوستی سے آگاہ نہیں ہو۔ تمہیں اس سے آگاہ ہونا پڑے گا۔

دوستی ایک عظیم فن ہے۔ محبت کے پیچھے ایک فطری جبلت ہوتی ہے۔ دوستی کے پیچھے کوئی فطری جبلت نہیں ہوتی۔ دوستی شعوری ہوتی ہے، محبت لاشعوری ہوتی ہے۔۔۔ تم کسی عورت سے محبت کرنے لگتے ہو۔

''Falling in love'' کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ بڑی اہم بات ہے۔۔۔ Falling in love'' محبت میں کوئی اٹھتا نہیں ہے ہر کوئی گرتا ہے (Fall)، تم محبت میں گرتے (Fall) کیوں ہو؟۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تم شعور سے لاشعور میں گر رہے ہوتے ہو، ذہانت سے جبلت کی طرف گر رہے ہوتے ہو۔

محبت انسانی کم حیوانی زیادہ ہوتی ہے۔ دوستی مطلقاً انسانی ہوتی ہے۔ یہ ایسی شے ہے جس کا کوئی بنا بنایا میکانزم تمہاری حیاتیات میں نہیں ہوتا۔ یہ حیاتیاتی نہیں ہوتی۔ پس انسان دوستی میں اٹھتا ہے، انسان دوستی میں گرتا نہیں ہے۔ یہ ایک روحانی جہت کی حامل ہوتی ہے۔

یہ مت پوچھو'' حقیقی دوست کون ہے؟'' پوچھو'' کیا میں حقیقی دوست ہوں؟''

ہمیشہ اپنے بارے میں غور کیا کرو۔ ہم ہمیشہ دوسروں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ مرد

سوچتا ہے کہ عورت اس سے حقیقتاً محبت کرتی ہے کہ نہیں۔ عورت سوچتی ہے کہ مرد اس سے حقیقتاً محبت کرتا ہے کہ نہیں۔ تم دوسرے کے حوالے سے مکمل طور پر تیقن کیسے حاصل کر سکتے ہو؟ یہ تو ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ہزار مرتبہ کہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور ہمیشہ تم سے محبت کرے گا تاہم شبہ پھر بھی موجود رہتا ہے: ''کون جانے وہ سچ بھی بول رہا ہے کہ نہیں؟'' درحقیقت ہزار بار دہرائے جانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ ضرور جھوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سچ کو بہت زیادہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایڈولف ہٹلر اپنی سوانح عمری میں کہتا ہے ''سچ اور جھوٹ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ واحد فرق یہ ہے کہ سچ ایسا جھوٹ ہے جسے اتنا دہرایا گیا ہو کہ تم بھول چکے ہو کہ وہ جھوٹ تھا۔''

یہی وجہ ہے کہ اشتہار بازی کے ماہرین کہتے ہیں، بار بار کہو، بار بار اشتہار دو، یہ مت فکر کرو کہ کوئی سن رہا ہے یا نہیں، اگر کوئی توجہ نہ بھی دے رہا ہو تو بھی فکر مت کرو، ان کا تحت الشعور سن رہا ہے، ان کا ذہن متاثر ہو رہا ہے۔ تم زیادہ شعوری طور پر اشتہارات نہیں دیکھتے۔۔۔ محض فلم کے دوران ان کی جھلک۔۔۔ اور ایک تاثر قائم ہو جاتا ہے۔ اشتہار بار بار آتا ہے: ''لکس ٹائیلٹ سوپ۔۔۔ کوکا کولا۔۔۔''

کوکا کولا واحد بین الاقوامی شے ہے۔ حد تو یہ ہے کہ سوویت یونین میں بھی ''کوکا کولا'' ہے۔ وہاں ہر امریکی شے پر پابندی ہے لیکن کوکا کولا پر نہیں۔ کوکا کولا واحد بین الاقوامی شے ہے، اسے دہراتے رہو۔

ابتدا میں بجلی کو اشتہار بازی کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔۔۔ غیر متحرک بجلی کو وہ ''کوکا کولا'' ہی رہتا تھا۔ تاہم بعد میں انہوں نے دریافت کیا کہ اگر یہ جلتی بجھتی رہے تو بہت زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بجلی غیر متحرک رہے تو راہگیر اسے ایک مرتبہ ہی پڑھتا ہے تاہم اگر یہ تبدیل ہو رہی ہو، بار بار جل بجھ رہی ہو تو کار میں گزرنے والا بھی کم از کم پانچ سے سات مرتبہ اسے پڑھے گا۔ ''کوکا کولا، کوکا کولا، کوکا کولا۔۔۔'' یہ گہرا اتر جاتا ہے۔۔۔ اور جلد یا بدیر نقش ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تو تمام دھرم آج تک موجود ہیں۔ وہ ایک سی احمقانہ باتوں کو دہراتے

رہتے ہیں۔ وہ باتیں لوگوں کیلئے سچ بن جاتی ہیں۔ لوگ ان کیلئے مرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ کسی شخص نے نہیں دیکھا کہ سورگ کہاں ہے لیکن لاکھوں لوگ سورگ کے لیے مر چکے ہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ اگر تم مذہبی جنگ میں، کروسیڈ میں مرو گے تو فوراً جنت میں جاؤ گے۔ یوں ہر شے بھلا دی جاتی ہے۔ لاکھوں لوگ مر چکے ہیں اور دوسروں کو مار چکے ہیں۔۔۔ اس یقین میں کہ یہ سچ ہے۔

اس بیسویں صدی میں یہ چیزیں کیوں دکھائی دے رہی ہیں؟ ایڈولف ہٹلر بیس سال تک دہراتا رہا کہ ''یہودی تمام مصیبتوں کی وجہ ہیں'' اور جرمنی جیسے روشن خیال ملک نے بھی اس پر یقین کرنا شروع کر دیا۔ عام لوگوں کا تو کہنا ہی ہے کیا؟ مارٹن ہائیڈیگر، جو کہ جرمنی کا عظیم ترین فلسفی تھا، ایڈولف ہٹلر کے حوالے سے یقین رکھتا تھا کہ وہ درست ہے۔ اس نے ایڈولف ہٹلر کی تائید کی تھی۔

مارٹن ہائیڈیگر جیسا ذہین انسان ایڈولف ہٹلر جیسے احمق، پاگل شخص کی تائید کر رہا تھا۔ ضرور اس میں کوئی بھید ہوگا؟ اور وہ بھید ہے 'دہرانا' دہرائے چلے جانا۔ حد تو یہ ہے کہ یہودیوں کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور سچ ہوگا۔ ''ہم ضرور تمام مصیبتوں کی وجہ ہوں گے، بصورت دیگر اتنے ذہین لوگ ایسا کیوں مانتے؟ اگر اتنے زیادہ لوگوں کو یقین ہے تو اس میں ضرور کچھ ہوگا۔''

تم ایسے تصورات کے ساتھ پروان چڑھے ہو کہ جن کی بنیاد میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر تم ان کے مطابق جیو گے تو اکارت جیو گے۔ تمہیں ایک ریڈیکل تبدیلی سے گزرنا ہوگا۔

اپنے بارے میں سوال کرو، دوسروں کے بارے میں مت پوچھو۔ دوسروں کے حوالے سے یقین حاصل کرنا ناممکن ہے اور اس کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم دوسروں کے حوالے سے یقین کس طرح حاصل کر سکتے ہو؟ دوسرا تو تبدیل ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے اس لمحے دوسرا شخص محبت کر رہا ہو اور ممکن ہے اگلے لمحے وہ محبت نہ کر رہا ہو۔ تم صرف اپنے حوالے سے یقین حاصل کر سکتے ہو۔۔۔ اور وہ بھی ایک لمحے کے لیے۔ سارے مستقبل کے بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لمحاتی طور پر سوچو اور حال

کے لیے سوچو۔حال میں جیو۔

اگر یہ لمحہ دوستی سے معمور ہے۔۔۔اور دوستی کی خوشبو سے معمور ہے' تو پھر اگلے لمحے کی فکر کیوں؟ اگلا لمحہ اسی لمحے سے جنم لے گا۔لازم ہے کہ وہ ایک اعلیٰ تر اور زیادہ گہری قدر کا حامل ہو۔ وہ یہی خوشبو زیادہ اعلیٰ درجے پر لے کر آئے گا۔اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔صرف موجودہ لمحے میں گہری دوستی میں جیو۔

دوستی کسی خاص شخص سے ہی ہو' یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ایک فرسودہ تصور ہے کہ تمہیں ایک خاص شخص سے ہی دوستی کرنی ہے۔صرف دوست بنو۔ دوستی تخلیق کرنے کی بجائے دوستانہ پن تخلیق کرو۔اسے اپنی ہستی کی ایک صفت بننے دو' ایک ایسا موسم بننے دو جو تم پر طاری ہو جائے۔پس تم ہر ایسے شخص کے دوست ہو گے جو تم سے ملے گا۔

اس ساری ہستی کو دوست بنانا ہو گا اور اگر تم ہستی کو دوست بنا سکو تو ہستی تمہیں ہزار گنا زیادہ دوست بنائے گی۔ یہ تمہارے جذبوں کا بدلہ ہزار گنا زیادہ دیتی ہے۔ یہ تمہاری گونج ہوتی ہے۔اگر تم ہستی پر سنگ زنی کرو گے تو تمہیں زیادہ پتھر پڑیں گے۔اگر تم پھول پھینکو گے تو پھول ہی واپس آئیں گے۔

زندگی ایک آئینہ ہوتی ہے۔ یہ تمہارے چہرے کو منعکس کرتی ہے۔دوستانہ پن اپناؤ کل زندگی تمہارے دوستانہ پن کو منعکس کرے گی۔لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ اگر تم ایک کتے سے بھی دوستانہ پن کا اظہار کرو گے تو وہ بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔ پس دوستانہ پن اپناؤ۔ایسے لوگ ہیں جنہیں معلوم ہے کہ اگر درخت کے ساتھ بھی دوستانہ پن کا اظہار کیا جائے تو درخت بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔

دوستی میں بڑے تجربات کرو۔ گلاب کے پودے سے دوستی کی کوشش کرو۔تم معجزہ رونما ہوتے دیکھو گے۔معجزہ دھیرے دھیرے رونما ہو گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے پودوں کے ساتھ دوستانہ سلوک روا نہیں رکھا' پس وہ بہت خوفزدہ ہیں۔

تاہم اب سائنس دان کہتے ہیں کہ جب تم کلہاڑی لیے درخت کو کاٹنے آتے ہو تو درخت کانپنے لگتا ہے۔ وہ بہت خوفزدہ' شدید کرب میں ہوتا ہے۔ یہ کیفیت درخت پر تمہارے کلہاڑی چلانے سے پہلے ہوتی ہے۔ابھی تم نے اسے کاٹنا بھی شروع نہیں کیا ہوتا۔

صرف تمہاری نیت' تمہارا ارادہ ہوتا ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے درخت کو تمہاری نیت کا پتا چل جاتا ہے۔اب سائنس دانوں نے کارڈیوگراف جیسے آلات بنا لیے ہیں جن سے پتا چل جاتا ہے کہ درخت کیا محسوس کر رہا ہے۔ جب درخت خوش ہوتا ہے تو گراف ہموار ہوتا ہے۔ جب درخت خوفزدہ ہوتا ہے تو خوف بھی گراف سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ جب درخت دیکھتا ہے کہ دوست آ رہا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے وہ رقص کرتا ہے۔ جب درخت دیکھتا ہے کہ مالی آ رہا ہے۔۔۔

کیا تم نے کبھی کسی درخت کو ہیلو کہا ہے؟ کہہ کر دیکھو اور ایک روز تم حیران رہ جاؤ گے کہ درخت بھی اپنی زبان میں تمہیں ہیلو کہے گا۔ کسی درخت کو گلے لگاؤ اور ایک دن ایسا آئے گا کہ جب تمہیں محسوس ہو گا کہ صرف تم ہی گلے نہیں مل رہے ہو۔ درخت کے ہاتھ نہیں ہوتے تاہم خوشی اور اداسی' غصے اور خوف کے اظہار کا اس کا اپنا طریقہ ہے۔

کل ہستی حساس ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ ہستی بھگوان ہے تو میری مراد یہی ہوتی ہے۔

دوستانہ پن اپناؤ اور اس بات کی پروا مت کرو کہ کوئی تم سے دوستانہ سلوک کرتا ہے یا نہیں۔۔۔ یہ تو کاروباری سوال ہوا۔فکر کیوں کی جائے؟ ساری ہستی کو اپنا دوست کیوں نہ بنایا جائے؟ ایسی عظیم سلطنت کو کیوں گنوایا جائے؟

تنہائی

تنہائی مطلق ہے۔ تنہا ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ انسان اسے بھلا سکتا ہے' انسان خود کو بہت سے معاملات میں محو کر سکتا ہے تاہم سچ سچ ہی رہتا ہے۔ پس ہر گہرے تجربے کے بعد تم تنہائی محسوس کرتے ہو۔ محبت کے عظیم تجربے کے بعد تم تنہائی محسوس کرو گے۔ گہرے مراقبے کے بعد تم تنہائی محسوس کرو گے۔

اسی لیے تمام عظیم تجربے انسان کو اداس کر دیتے ہیں۔ گہرے تجربے کی صورت میں اداسی ہمیشہ وارد ہوتی ہے۔ اسی مظہر کی وجہ سے لاکھوں لوگ گہرے تجربوں سے گریز کرتے ہیں۔ وہ محبت میں گہرا نہیں جانا چاہتے۔ جنسی عمل ہی کافی ہے چونکہ جنسی عمل سطحی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ تمہیں تنہائی نہیں دیتا۔ یہ تفریح ہوتا ہے۔ لوگ لمحاتی طور پر اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور پھر اس کے حوالے سے سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ یہ انہیں ان کے مرکز تک لے جاتا ہے۔ تاہم محبت تمہیں تمہارے مرکز تک لے جاتی ہے۔ محبت اتنی گہری ہوتی ہے کہ تمہیں تنہا کر دیتی ہے۔

یہ بڑی متضاد سی بات لگتی ہے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ محبت ساتھ (Togatherness) کا احساس دلاتی ہے۔ یہ بالکل فضول بات ہے۔ اگر محبت گہری ہو تو وہ تمہیں تنہائی کا احساس دلاتی ہے' ساتھ کا نہیں۔ جب کبھی کوئی شے گہری جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟۔۔۔ تم محیط چھوڑ کر اپنی ہستی کے مرکز میں اتر جاتے ہو۔۔۔ جبکہ مرکز یکسر تنہائی ہے۔ وہاں صرف تم ہوتے ہو بلکہ تم بھی نہیں ہوتے صرف شعور ہوتا ہے۔۔۔ انا کے بغیر'

کسی تشخص کے بغیر' کسی تعین کے بغیر' بس اتھاہ شعور ہوتا ہے۔

نہایت مدھر موسیقی سننے کے بعد' عظیم شاعری کے معنی سے لطف اندوز ہونے کے بعد سورج غروب ہونے کا حسین منظر دیکھنے کے بعد' ایسا ہمیشہ ہوتا ہے کہ تم اداس ہو جاتے ہو۔ یہی دیکھتے ہوئے لاکھوں لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ حسن کا نظارہ نہیں کریں گے' محبت نہیں کریں گے' مراقبہ نہیں کریں گے' پوجا نہیں کریں گے۔ ہر اس شے سے گریز کریں گے جو گہری ہے۔ تاہم تم سچ سے گریز بھی کرو تو سچ کبھی کبھار تم پر حاوی ہو جاتا ہے۔ وہ تمہاری بے خبری میں تم پر قبضہ کر لیتا ہے۔

تم لمحے سے گریز کر سکتے ہو لیکن کوئی گریز کارگر نہیں ہوتا۔ تنہائی کو قبول کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ حتمی ہوتی ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوتی' یہ تو اشیا کا ہونا ہے۔ یہ تاؤ (Tao) ہے۔ تم اسے قبول کر لو تو کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ تنہائی اداسی کو تخلیق نہیں کر رہی ہے۔ تمہارا یہ تصور کہ تمہیں تنہا نہیں ہونا چاہیے' اداسی کو تخلیق کر رہا ہے۔ تمہارا یہ تصور کہ تنہا ہونا اداس ہونا ہے' مسئلہ کھڑا کر رہا ہے۔ تنہائی نہایت حسین ہوتی ہے کیونکہ یہ انتہائی آزاد ہوتی ہے۔ یہ مطلق آزادی ہوتی ہے۔ سو یہ اداسی کیسے تخلیق کر سکتی ہے؟

تمہاری تعبیر غلط ہے۔ تمہیں اپنی تعبیر کو ترک کرنا پڑے گا۔ درحقیقت جب تم کہتے ہو' ''میں نئی تنہائی کا سامنا کرتا ہوں تو تم حقیقتاً یہ مراد لیتے ہو کہ تم نئے اکیلے پن کا سامنا کرتے ہو۔ تم نے اکیلے پن اور تنہائی کا فرق نہیں دیکھا ہے۔

اکیلا پن تنہائی کی غلط تعبیر ہے۔ اکیلے پن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا تمہارے پاس نہیں ہے اور دوسرا کون ہے؟ کوئی بھی ایسا بہانہ جو تمہیں اپنے شعور کو جھٹکنے دے' کوئی بھی خمار آفریں عامل۔ وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے' مرد بھی' کتاب بھی' کوئی بھی شے' کوئی بھی ایسی شے جو تمہیں خود کو بھلانے میں مدد دے' جو تمہیں تمہاری اپنی یاد سے چھٹکارہ دلا دے' جو تمہیں تمہاری آگہی کے بوجھ سے آزاد کر دے۔

حقیقتاً تمہاری مراد اکیلا پن ہے۔ اکیلا پن ایک منفی حالت ہے۔ دوسرا نہیں ہے اور تم دوسرے کو تلاش کر رہے ہو۔ تنہائی تو نہایت حسین ہوتی ہے۔ تنہائی کا مطلب ہوتا ہے کہ تمہیں دوسرے کی حاجت نہیں رہی۔ تم خود اپنے لیے کافی ہو۔۔۔ اس قدر کافی کہ تم کُل ہستی کو اپنی تنہائی میں شریک کر سکتے ہو۔ تمہاری تنہائی ختم نہ ہونے والی ہوتی ہے۔ تم اسے

پوری ہستی میں بھی انڈیل دو تو یہ باقی بچ رہے گی۔ جب تم تنہا ہوتے ہو تو امیر ہوتے ہو۔ جب تم اکیلے ہوتے ہو تو مفلس ہوتے ہو۔

اکیلا آدمی فقیر ہوتا ہے۔ اس کا دل کاسہ ہوتا ہے۔ تنہا آدمی شہنشاہ ہوتا ہے۔۔۔ گوتم بدھ تنہا تھا۔

تم تنہائی سے دوچار رہے ہو۔ تاہم تم اس کی تعبیر غلط کر رہے ہو۔ تمہاری تعبیر کا وسیلہ تمہارے ماضی کے تجربات ہیں۔ یہ تعبیر تمہارا ماضی والا ذہن کر رہا ہے۔ تمہاری یادداشت کر رہی ہے۔ تمہارا ذہن تمہیں غلط تصور دے رہا ہے۔ ذہن کو ترک کر دو۔ اپنی تنہائی میں اترو۔ اس کا مشاہدہ کرو‘ اس کا مزا چکھو۔ اس کا ہر پہلو سے مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔ تمام ممکنہ دروازوں سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ عظیم ترین معبد ہے۔ تنہائی میں ہی تم اپنے آپ کو پاتے ہو۔۔۔ اور خود کو پانا بھگوان کو پانا ہے۔

بھگوان تنہا ہے۔ اگر تم ایک بار تنہائی کا داخلی مشاہدہ کر لو گے تو کبھی اس سے دور ہونے کی آرزو نہیں کرو گے۔ تب دور ہونے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ تب تم اس سے فرار ہونے کی کوشش بھی نہیں کرو گے کیونکہ یہ زندگی ہے‘ ابدی زندگی۔ انسان کو اس سے فرار ہونا ہی کیوں چاہیے؟ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم اس تنہائی میں تعلقات قائم نہ کرو۔ درحقیقت تم تو پہلی مرتبہ تعلقات قائم کرنے کے قابل ہو گے۔

اکیلا آدمی تعلق قائم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی حاجت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ دوسرے سے چمٹا رہتا ہے‘ وہ دوسرے کی طرف مائل رہتا ہے۔ وہ دوسرے پر قابض ہونا چاہتا ہے کیونکہ وہ مستقل طور پر خوفزدہ رہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے ”اگر دوسرا چلا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ میں تو دوبارہ اکیلا رہ جاؤں گا۔“ پس دنیا میں بے پناہ ملکیت پسندی‘ قبضہ پسندی ہے۔ اس کا سبب ہے۔ سبب سادہ ہے تم خوفزدہ ہوتے ہو۔۔۔ کہ اگر دوسرا چلا گیا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔ بالکل اکیلے! تم اسے پسند نہیں کرتے اور تم اس کے تصور ہی سے عذاب سے دوچار ہو جاتے ہو۔ دوسرے پر قبضہ کرو! دوسرے پر اتنا کامل قبضہ کرو کہ دوسرے کے تم سے دور جانے کا کوئی راستہ نہ رہے۔ دوسرا بھی تمہارے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے۔ دوسرا بھی تم پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں محبت ایک عذاب بن چکی ہے۔ محبت سیاست بن جاتی ہے۔ محبت غلبہ و تسلط بن جاتی ہے۔ استحصال بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکیلا آدمی محبت نہیں کر سکتا ہے۔

اکیلے لوگوں کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ اکیلے لوگ ایک دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ جب تمہارے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور دوسرا استحصال شروع کر دے تو یہیں سے سیاست شروع ہو جاتی ہے۔ تم جتنا ممکن ہو کم دینا اور زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔۔۔ اور دوسرا بھی تمہارے ساتھ یہی کچھ کر رہا ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔

ایک لطیفہ سنو:

> ایک آدمی جنگل میں کار روک کر ساتھ بیٹھی عورت کے ساتھ جنسی عمل کرنا چاہتا ہے۔ عورت اسے کہتی ہے ”رکو! تمہیں معلوم ہے میں طوائف ہوں اور ایک بار جنسی عمل کے پچاس ڈالر لیتی ہوں۔“
>
> آدمی اسے پچاس ڈالر دے کر جنسی عمل کرتا ہے۔ پھر وہ اسٹیئرنگ ویل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا ہے۔ عورت کہتی ہے ”کار چلاؤ نا‘ مجھے دیر ہو رہی ہے‘ گھر جانا ہے مجھے۔“
>
> آدمی کہتا ہے ”تمہیں معلوم ہے میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں اور یہاں سے واپسی کا کرایہ پچاس ڈالر ہے۔“

تمہاری محبت میں یہی کچھ ہو رہا ہے کوئی طوائف ہے‘ کوئی ٹیکسی ڈرائیور۔ یہ سودے بازی ہے یہ ادلے کا بدلہ ہے۔ یہ مسلسل تنازعہ ہے۔ اسی لیے جوڑے مسلسل لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو چھوڑتے نہیں ہیں گو کہ وہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو چھوڑتے نہیں ہیں۔ درحقیقت وہ اسی وجہ سے لڑ رہے ہوتے ہیں کہ کوئی دوسرے کو چھوڑ نہ سکے۔ وہ سکون سے نہیں رہ سکتے کیونکہ اگر وہ سکون سے رہتے ہیں تو نقصان میں رہتے ہیں اور دوسرا زیادہ استحصال کرنے لگتا ہے۔ تم اس بات کو سمجھ لو گے تو تم شادی کے سارے عذاب کو سمجھ جاؤ گے۔ اس کی بنیاد یہی ہے۔

انسان سوچتا ہے کہ اگر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں ہیں تو وہ الگ الگ کیوں نہیں ہو جاتے۔ وہ الگ الگ نہیں ہو سکتے ہیں‘ وہ اکٹھے نہیں رہ سکتے اور الگ بھی نہیں ہو سکتے درحقیقت علیحدگی کا تصور ہی جھگڑوں کو جنم دے رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو قید رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ دوسرا فرار نہ ہو سکے۔ وہ ایک دوسرے پر ایسی اخلاقی قدغنیں لگا دیتے ہیں کہ جو کوئی دوسرے کو چھوڑے خطا کے احساس کا شکار ہو جائے۔ اس کا

اپنا ضمیر اسے ملامت کرتا رہے گا کہ اس نے غلط کام کیا ہے۔ جبکہ اکٹھے رہتے ہوئے وہ صرف اور صرف جھگڑا کرتے ہیں۔ اکٹھے رہتے ہوئے وہ صرف قیمت پر تکرار کرتے رہتے ہیں۔ تمہاری شادی، تمہاری محبت ایک منڈی ہوتی ہے۔ یہ محبت نہیں ہوتی۔ اکیلے پن میں محبت کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اکیلے پن میں لوگ مراقبہ شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اکیلے پن میں مراقبے کا کوئی امکان نہیں ہوتا ہے۔ وہ اکیلا پن محسوس کرتے ہیں اور کسی شے سے اپنا اکیلا پن دور کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں کسی منتر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کسی ماورائی مراقبے کی یا ایسی ہی کسی اور بکواسیات کی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنا اکیلا پن اور خالی پن دور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ''رام، رام، کرشنا، کرشنا'' جپ کر یا کوئی اور لفظ دہرا کر کم از کم اپنے خالی پن کو بھول جاتے ہیں۔ یہ مراقبہ تو نہیں ہے۔ یہ تو صرف اکیلے پن، خالی پن کو ڈھانپنا ہے۔ یہ تو صرف اپنے اندر کے بلیک ہول کو بھرنے کی سعیٔ لاحاصل ہے۔

یا پھر وہ گرجا گھروں اور مندروں میں جا کر پوجا کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بھگوان کے ساتھ باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بھگوان ان کا تخیل ہے۔ وہ دنیا میں تو دوسرے کو نہیں پا سکتے کیونکہ دنیا میں کسی دوسرے کو پانا بہت مشکل ہے اور اس میں بہت مشکل ہوتی ہے۔ پس اب وہ اوپر آسمانوں میں ''دوسرے'' کو تخلیق کر لیتے ہیں۔۔۔ وہ بھگوان سے باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ وہ دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ دوسرے کا ہونا ضروری ہے۔ وہ صحرا کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔ تاہم صحرا میں وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور دوسرے سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ فنتاسی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر تم طویل عرصے تک باتیں کرو تو دوسرا تمہیں دکھائی بھی دے سکتا ہے۔

تمہاری ضرورت ہی ایسی ہے کہ تم تخیل کے ذریعے دوسرے کو تخلیق کر سکتے ہو۔ اسی لیے نام نہاد دھرم تمہیں دوسروں سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ تم شادی نہ کرو۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگر تم شادی کر لو گے تو تمہیں اپنی بیوی یا شوہر کی موجودگی میں بھگوان کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ ان کا حربہ ہے۔ وہ تمہیں بازار میں جانے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس طرح تم اکیلے نہیں رہتے۔ تب تمہیں بھگوان سے باتیں کرنے کی ضرورت جو نہیں رہتی۔۔۔ تم تو لوگوں سے کلام کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں ہمالیہ کے غاروں میں لے جاتے ہیں، پہاڑوں میں جاتے ہیں تاکہ تم اس قدر اکیلے ہو جاؤ کہ اکیلے

پن کے اس عذاب میں تم بھگوان سے باتیں کرنے لگو۔ تمہیں اپنے دل کے سکون کے لیے بھگوان کو تخلیق کرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے کے لیے تمہاری تشنگی جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ بھگوان کے تخیل کا امکان ہوتا ہے۔ تم کھلی آنکھوں خواب دیکھنے لگتے ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص لمبا برت رکھتا ہے تو اسے کھانے کے خیالات آنے لگتے ہیں۔

سنا ہے کہ ایک شاعر جنگل میں بھٹک گیا۔ اسے بھٹکتے ہوئے تین دن ہو گئے۔ تین دنوں سے وہ بھوکا تھا۔ اسی دوران پورے چاند کی رات آ گئی۔ اس نے چاند کو دیکھا تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ ساری زندگی اس نے جب بھی پورے چاند کو دیکھا تو کسی نہ کسی حسین چہرے والی عورت کا خیال آ گیا تھا لیکن اس رات تین دن کے فاقے کے بعد تھکن، بھوک اور پیاس کے عالم میں اس نے چاند کو دیکھا تو اسے ایک روٹی نظر آئی۔ بادلوں سے پرے آسمان پر ایک چپاتی دھری تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

یہ کیسی شاعری ہے! ایک عظیم شاعر اور پورا چاند چپاتی جیسے دکھائی دے!!

تم سب جانتے ہو کہ تمہیں جس چیز کی شدید بھوک ہو وہ تمہیں تخیل میں نظر آنے لگتی ہے۔ اگر تم جنگل میں کئی دنوں سے رہ رہے ہو اور اس عرصے میں تم نے کسی عورت کو نہ دیکھا تو دنیا کی بدصورت ترین عورت بھی تمہیں قلوپطرہ دکھائی دینے لگے گی۔

ملا نصیر الدین نے ایک پہاڑی مقام پر بنگلہ بنایا ہوا تھا۔ وہ کبھی کبھار وہاں چلا جاتا تھا۔ جاتے ہوئے وہ کہتا تھا ''میں تین چار ہفتوں کے لیے جا رہا ہوں۔''

بمشکل ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ ہی گزرتا کہ وہ واپس آ جاتا۔ ایک بار میں نے اس سے پوچھا ''مُلا! تم تین چار ہفتوں کا کہہ کر جاتے ہو لیکن آٹھ دس دنوں بعد ہی واپس آ جاتے ہو۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''

ملا نے کہا ''میں نے بنگلے کی دیکھ بھال کے لیے ایک انتہائی بدصورت عورت کو ملازم رکھا ہوا ہے۔ وہ بے حد خوفناک اور کریہہ صورت ہے۔ اسے دیکھتے ہی قے آنے لگتی ہے۔''

میں نے کہا ''مُلا تمہاری واپسی سے اس عورت کا کیا تعلق؟''

ملا نے کہا ''وہی تو بتا رہا ہوں۔ جب میں بنگلے میں رہنا شروع

کرتا ہوں تو ابتدا میں وہ عورت بہت بری لگتی ہے۔ لیکن آٹھ دس دن بعد مجھے اس میں حسن دکھائی دینے لگتا ہے۔ تب میں خود سے کہتا ہوں کہ بس اب بہت ہو گئی۔ میں دنیا سے، کسی بھی عورت سے اتنا زیادہ دور رہ چکا ہوں کہ یہ بدصورت ترین عورت بھی خوبصورت دکھائی دینے لگی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود کو بہت فاقوں مار لیا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ وہ بدصورت عورت مجھے حسین نظر آنے لگتی ہے، تب میں سامان اٹھاتا ہوں اور وہاں سے بھاگ نکلتا ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ وہ عورت انتہائی بدصورت ہے لیکن مجھے ڈر ہوتا ہے کہ اگر میں دو تین دن مزید وہاں ٹھہرا تو میں اس سے محبت کرنے لگوں گا۔''

اکیلا پن محبت تخلیق نہیں کر سکتا۔ محبت حاجت نہیں ہے۔

تو پھر محبت کیا ہے؟ محبت ایک سہولت ہے۔ یہ تنہائی سے جنم لیتی ہے۔ جب تم یکسر تنہا، خوش اور مست ہوتے ہو تو عظیم توانائی تم میں ذخیرہ ہو رہی ہوتی ہے۔ تمہیں کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لمحے توانائی اتنی بے حساب ہوتی ہے کہ تم اسے بانٹنا چاہتے ہو۔ تب تم دیتے ہو۔ تم اس لیے دیتے ہو کیونکہ تمہارے پاس بہت کچھ ہوتا ہے۔ تم بدلے میں سب کچھ لینے کی خواہش کے بغیر دیتے ہو۔۔۔ یہی محبت ہوتی ہے۔

پس بہت کم لوگ محبت کو حاصل کرتے ہیں اور ایسے لوگ پہلے تنہائی کو حاصل کرتے ہیں۔ جب تم تنہا ہوتے ہو تو مراقبہ فطری ہوتا ہے، سادہ اور بے ساختہ ہوتا ہے۔ تب صرف خاموش بیٹھے کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے تم مراقبے میں ہوتے ہو۔ تمہیں کوئی منتر جاپنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تمہیں کسی احمقانہ لفظ کو دہرانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ تم بیٹھے ہوئے ہو یا چل پھر رہے ہو یا اپنے کام کاج نمٹا رہے ہو، مراقبہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ایسے ہوتا ہے جیسے تمہارے اردگرد کا موسم۔ یہ تمہیں سفید بادل کی طرح گھیر لیتا ہے۔ تم روشنی سے نہا جاتے ہو۔ تازگی تم میں سے پھوٹنے لگتی ہے۔ اب تم بانٹنا شروع کر دیتے ہو۔ تم اور کیا کر سکتے ہو؟ جب تمہارے دل میں کوئی نغمہ جنم لیتا ہے تو تمہیں اس کو گانا ہوتا ہے۔ جب محبت تمہارے دل میں جنم لیتی ہے تو۔۔۔ محبت تنہائی کی ضمنی پیداوار ہے۔۔۔ تم اسے بانٹتے ہو۔ جب بادل پانی

سے بھرا ہوا ہو تو وہ برستا ہے۔ جب پھول خوشبو سے بھرا ہو تو وہ خوشبو کو ہوا میں بکھیرتا ہے۔ خوشبو ہر طرف پھیلتی ہے۔ پھول یہ نہیں کہتا '' مجھے واپسی میں کیا مل رہا ہے؟'' پھول تو خوش ہوتا ہے کہ ہوائیں اتنی مہربان ہیں کہ اسے اس بوجھ سے آزادی دلوا رہی ہیں۔

یہ حقیقی محبت ہوتی ہے۔ تب کوئی ملکیت پسندی نہیں رہتی۔

اور یہی حقیقی مراقبہ ہوتا ہے۔ تب کوئی کوشش نہیں کرنا پڑتی۔

تمہارے ساتھ جو کچھ بیت رہی ہے بہت عظیم ہے۔ تم اس کی تعبیر غلط کر رہے ہو۔ اسے اکیلا پن مت کہو۔ اگر تم اپنی تنہائی سے فرار اختیار کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔ یہ تمہارا اپنے داخلی خزانے سے فرار ہوتا ہے۔ یہ تمہارا اپنی ثروت سے اپنی سلطنت سے فرار ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ تباہ کن ہو گا۔ فرار مت ہو، اس میں مزید گہرا اترو۔ اس میں زیادہ گہرا غوطہ لگاؤ۔ فرار کو سراسر بھلا دو۔ تم ساری زندگی یہی تو کرتے رہے ہو۔ اس مرتبہ ایسا نہ کرو۔ اس مرتبہ تمہیں اس میں گہرا اترنا ہو گا۔ اس مرتبہ تمہیں اس کا مکمل مزا لینا ہو گا۔ تمہیں تنہائی میں ڈھلنا ہو گا۔ تمہیں دیکھنا ہو گا کہ یہ ہے کیا۔۔۔ از اول تا آخر۔ جب تم اسے دیکھ لو گے تو تم ایک بالکل نئے شخص بن جاؤ گے۔۔۔ تم دوبارہ جنم لو گے۔

جس لمحے بچہ ماں کی کوکھ سے نکلتا ہے اسے اکیلے پن کا پہلا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ خود کو اکیلا محسوس کرنا شروع کرتا ہے۔ اسے اپنا گھر جو چھوڑنا پڑا ہے۔ جب بچہ کوکھ سے نکلتا ہے تو عظیم ترین المیہ رونما ہوتا ہے۔ وہ کوکھ میں ہی رہنا چاہتا ہے، وہ اس سے باہر نہیں نکلنا چاہتا۔ وہ نو ماہ اس میں رہا ہوتا ہے۔ اسے اس جگہ سے محبت ہو جاتی ہے۔ اسے اس حرارت سے محبت ہو جاتی ہے۔ وہ یہاں بغیر کسی ذمہ داری کے رہتا ہے۔ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ تاہم اسے یہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ باہر نہیں جانا چاہتا۔ ہم اسے زندگی کہتے ہیں، پیدائش کہتے ہیں، لیکن بچہ اسے موت تصور کرتا ہے۔ یہ اس کے لیے موت ہوتی ہے کیونکہ یہ اس زندگی کا خاتمہ ہوتی ہے جو اس نے نو ماہ گزاری ہوتی ہے۔ اسے جنم لینا سزا لگتا ہے۔ چونکہ ابھی وہ سوچ نہیں سکتا چنانچہ یہ احساس اس کے اندر گہرا اتر جاتا ہے۔ یہ اس کی کُل ہستی کا احساس ہوتا ہے، خیال نہیں۔ چنانچہ یہ اس کے جسم کے ہر خلیے میں اتر جاتا ہے اور وہیں رہتا ہے۔ یہ اکیلے پن کا پہلا تجربہ ہوتا ہے۔

پھر بار بار مزید تجربے ہوتے ہیں۔ ایک دن ماں دودھ چھڑا دیتی ہے۔ بچہ دوبارہ اکیلا پن محسوس کرتا ہے۔ کسی روز بچے کو ماں سے الگ کر کے نرس کے حوالے کر دیا

جاتا ہے۔ وہ دوبارہ اکیلا ہو جاتا ہے۔ ایک روز اسے اپنی ماں کے کمرے میں سونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اسے الگ کمرہ دے دیا جاتا ہے۔۔۔ وہ پھر اکیلا ہو جاتا ہے۔ یاد کرو! وہ پہلا دن جب تم نے اپنے کمرے میں پہلی بار اکیلا سونے کی کوشش کی تھی: وہ تاریکی، وہ ٹھنڈک۔ تمہارے پاس کوئی نہیں تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ماں کی حرارت، اس کا نرم وگداز بدن ہمیشہ میسر رہا تھا۔ اب بچہ کھلونے سے چمٹا ہوتا ہے۔۔۔ ایک ٹیڈی بیئر۔۔۔ لیکن کیا یہ متبادل ہے؟ یا پھر وہ کمبل سے لپٹ جاتا ہے، لیکن کیا یہ متبادل ہے؟ ایک بے کار متبادل۔ تاہم وہ کسی نہ کسی طرح گزارا کر لیتا ہے۔ وہ بہت اکیلا پن محسوس کرتا ہے۔ اسے شدید تاریکی کا احساس ہوتا ہے۔ اسے لگتا ہے جیسے اسے الگ تھلگ پھینک دیا گیا ہو، چھوڑ دیا گیا ہو، رد کر دیا گیا ہو۔ یہ زخم ہرے رہتے ہیں اور اکیلے پن کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایک روز اسے وطن چھوڑ کر اجنبی لوگوں کے ساتھ ہوسٹل میں رہنا پڑتا ہے۔ ان تمام زخموں کو ذرا یاد تو کرو۔ وہ اب بھی ہرے ہیں اور ہرے ہی رہتے ہیں۔

تمہاری ساری زندگی اکیلے پن کے احساس کا طویل عمل ہے۔ تب اچانک کوئی گہرا تجربہ رونما ہوتا ہے اور اس گہرے تجربے کی وجہ سے تمہیں اپنی ہستی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ تاہم تمہارا ذہن صرف اکیلے پن سے واقف ہوتا ہے لہٰذا وہ تنہائی کے تجربے کو اکیلے پن میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ اس پر اکیلے پن کا لیبل لگا دیتا ہے۔

تنہائی کے تجربے کو اکیلا پن قرار دے دیا جاتا ہے۔

تعبیر کو بھلا دو۔ یہ تمہاری غلطی ہے۔ یہ تو کوئی نئی بات ہو رہی ہے۔ یہ نئی ہوتی ہے اس لیے تم اس کو پہچان نہیں سکتے۔ اسے جاننے کا واحد طریقہ اس میں گہرا اترنا ہے۔ جیسا کہ ماسٹر لوسو نے کہا تھا ''جب تم پانی پیتے ہو، تبھی پتا چلتا ہے کہ وہ ٹھنڈا ہے یا گرم۔''

اس تنہائی کو پیو، اس تازہ توانائی کو جو کہ تمہارے اندر سے پھوٹی ہے۔ اسے پیو، اس کا مزا چکھو۔ تم حیران رہ جاؤ گے۔ یہ ویسی نہیں ہوگی جیسی کہ تم سمجھے ہوئے ہو۔ یہ آزادی ہوتی ہے۔۔۔ دوسرے سے آزادی۔ مشرق میں اسے 'موکش' کہا جاتا ہے۔۔۔ کامل آزادی۔ اس آزادی کے بعد محبت ممکن ہوتی ہے۔ اس آزادی کے بعد بانٹنے کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس آزادی کے بعد تمہاری زندگی ایک مکمل طور پر مختلف خصوصیت حاصل کر لے گی۔ اسے ایک بالکل مختلف تابندگی حاصل ہو جائے گی۔ تمہاری پوشیدہ روشنی ظاہر ہو جائے گی۔

5

ٹینشن، سکون، گیان

❖.... انسان دیوتاؤں سے برتر اور جانوروں سے پست تر ہو سکتا ہے۔ انسان عظیم امکانات کا حامل ہے۔

❖.... سکون اور آگہی ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔

❖.... تمہارا سچ سوچا ہوا نہیں، دیکھا ہوا ہونا چاہیے۔

ٹینشن اور سکون

کامل سکون حتمی ہوتا ہے۔ اس لمحے انسان بدھ بن جاتا ہے۔ یہ ادراک کا لمحہ ہوتا ہے، گیان کا۔

تم ابھی کاملاً پُرسکون نہیں ہو سکتے۔ تمہارے اندر ٹینشن موجود ہے۔

تاہم پُرسکون ہونا شروع کرو۔ محیط سے آغاز کرو۔۔۔ یہیں تو ہم ہیں اور ہم جہاں ہوں صرف وہیں سے آغاز کر سکتے ہیں۔ اپنی ہستی کے محیط کو پُرسکون کرو۔ اپنے جسم کو پُرسکون کرو۔ اپنے رویے کو پُرسکون بناؤ۔ اپنے اعمال کو پُرسکون بناؤ۔ پُرسکون انداز سے چلو، پُرسکون انداز سے کھاؤ، پُرسکون انداز سے سنو۔ ہر عمل کو آہستگی سے کرو۔ جلدی میں مت رہو۔ یوں چلو جیسے تمہیں ابدیت حاصل ہو۔۔۔ درحقیقت وہ تمہیں حاصل ہے۔ ہم یہاں عین آغاز سے ہیں اور عین اختتام تک یہیں رہیں گے۔۔۔ اگر کوئی آغاز اور اختتام ہے۔ درحقیقت آغاز اور اختتام ہے ہی نہیں۔ ہم ہمیشہ یہاں رہے ہیں اور ہمیشہ یہاں رہیں گے۔ شکلیں بدلتی رہتی ہیں، لباس تبدیل ہوتے ہیں، روح نہیں تبدیل ہوتی۔

ٹینشن کا مطلب ہے جلدی، خوف، شک۔ ٹینشن کا مطلب ہے تحفظ کی ایک مستقل کوشش۔ ٹینشن کا مطلب ہے کل کی تیاری آج۔ تم خوفزدہ ہوتے ہو کہ کل تم حقیقت کا سامنا نہیں کر سکو گے پس تم تیاری کرنے لگتے ہو۔ ٹینشن کا مطلب ہے ماضی، جس کو تم نے حقیقتاً جیا نہیں ہوتا، وہ جیسے تیسے گزر گیا ہوتا ہے۔ تاہم ماضی تمہیں گھیرے رہتا ہے۔

زندگی کے حوالے سے ایک بنیادی بات یاد رکھو۔ ہر وہ تجربہ جس کو جیا نہیں گیا وہ تمہیں گھیرے رہے گا۔ وہ مسلسل کہے گا'' مجھے ختم کرو' مجھے جیو' مجھے مکمل کرو۔'' ہر تجربے میں یہ نہاں ہوتا ہے کہ وہ پورا ہونا چاہتا ہے۔ جب وہ پورا ہو جاتا ہے تو غائب ہو جاتا ہے' پورا نہ ہو تو باقی رہتا ہے۔ وہ تمہیں اذیت دیتا ہے۔ وہ تمہیں منتشر کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے'' تم میرے حوالے سے کیا کر رہے ہو؟ میں ابھی ادھورا ہوں' مجھے پورا کرو۔''

تمہارا پورا ماضی تمہیں گھیرے ہوئے ہے' ہر شے نامکمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شے کو حقیقتاً جیا نہیں گیا۔ ہر شے کو جیسے تیسے گزار دیا گیا ہے۔ جزواً جیا گیا ہے۔ کوئی شدت نہیں رہی ہے' کوئی جذبہ نہیں رہا ہے۔ تم نیند میں چلنے والوں جیسے رہے ہو۔ پس ماضی مسلط رہتا ہے اور مستقبل خوف پیدا کرتا ہے۔ ماضی اور مستقبل کے درمیان تمہارا حال کچلا جاتا ہے۔۔۔ جو کہ واحد حقیقت ہے۔

تمہیں محیط پر پُرسکون ہونا پڑے گا۔ پُرسکون ہونے کا پہلا مرحلہ جسم کا پُرسکون ہونا ہے۔ جسم کا جائزہ لو کہ ٹینشن کہاں ہے؟ گردن میں' سر میں' ٹانگوں میں؟ اسے مسلسل سکون دو۔ جسم کے اس حصے سے مسلسل کہو' پیار سے کہو'' پُرسکون ہو جاؤ۔''

اور تم حیران رہ جاؤ گے کہ جب تم اپنے جسم کے کسی حصے سے مخاطب ہوتے ہو تو وہ سنتا ہے۔ وہ تمہارا کہا مانتا ہے۔ آخر وہ تمہارا جسم ہے نا! آنکھیں بند کر کے سر سے پاؤں تک اس جگہ کو ڈھونڈو جہاں ٹینشن ہے۔ پھر اس حصے سے دوست کی طرح بات کرو۔ اپنے اور اپنے جسم کے درمیان مکالمہ ہونے دو۔ اسے کہو کہ وہ پُرسکون ہو جائے۔ اسے کہو'' خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوف زدہ مت ہو۔ میں جو ہوں تمہاری دیکھ بھال کرنے والا!۔۔۔ تم پُرسکون ہو سکتے ہو۔'' دھیرے دھیرے جسم پُرسکون ہو جائے گا۔

پھر اگلا قدم اٹھاؤ' اک ذرا گہرا۔ اپنے ذہن سے کہو کہ پُرسکون ہو جائے۔ اگر جسم سنتا ہے تو ذہن بھی سنتا ہے۔ تاہم تم ذہن سے آغاز نہ کرنا۔ بہت سے لوگ ذہن سے آغاز کرتے ہیں۔ ہر کام کو درست طریقے سے انجام دینا چاہیے۔

اگر تم جسم کو پُرسکون کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو پھر تم اپنے ذہن کو بھی پُرسکون کر لو گے۔ ذہن ایک زیادہ پیچیدہ مظہر ہے۔ جب تمہیں اعتماد ہو جائے کہ جسم تمہاری

بات مانتا ہے تو تم یقین کر سکتے ہو کہ اب ذہن بھی تمہاری بات مانے گا۔ ذہن دیر سے مانتا ہے لیکن مان ضرور جاتا ہے۔

جب ذہن پُرسکون ہو جائے تب اپنے دل کو سکون دینا شروع کرو۔ اپنے احساسات کی' جذبات کی دنیا کو۔۔۔ جو کہ زیادہ پیچیدہ' زیادہ نفیس و نازک ہے۔ تاہم اب تم اپنے اوپر زیادہ اعتماد کے ساتھ عمل کرو گے۔ اب تم جانتے ہو کہ ایسا ممکن ہے۔ اگر جسم اور ذہن کے ساتھ ممکن ہے تو پھر دل کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ جب تم ان تینوں مرحلوں سے گزر چکو تو چوتھا مرحلہ شروع کر سکتے ہو۔ اب تم اپنی ہستی کے مرکز تک جا سکتے ہو جو کہ جسم' ذہن اور دل سے ماورا ہے۔ تمہاری ہستی کا مرکز! اور تم اسے بھی پُرسکون کرنے کے اہل ہو گے۔

یہ سکون عظیم ترین خوشی لے کر آتا ہے۔ تم مسرت اور سعادت سے معمور ہو جاؤ گے۔ تمہاری زندگی رقص میں ڈھل جائے گی۔

ساری ہستی' سوائے انسان کے' رقص کر رہی ہے۔ ساری ہستی سکون کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ حرکت ہے' یقیناً ہے' لیکن نہایت پُرسکون۔ درخت نشو و نما پا رہے ہیں' پرندے چہچہا رہے ہیں اور دریا بہہ رہے ہیں۔ ستارے حرکت کر رہے ہیں۔ ہر شے نہایت پُرسکون انداز میں حرکت کر رہی ہے۔ کوئی جلدی نہیں ہے۔ نہ کوئی جلدی ہے نہ کوئی نقصان۔۔۔ سوائے انسان کے۔ انسان اپنے ذہن کا شکار ہو گیا ہے۔

انسان دیوتاؤں سے برتر اور جانوروں سے پست تر ہو سکتا ہے۔ انسان عظیم امکانات کا حامل ہے۔ شروع سے آخر تک انسان ایک زینہ ہے۔

جسم سے شروع کرو اور پھر دھیرے دھیرے گہرا اترو۔ جب تک تم ابتدائی مرحلے سے نہ گزر چکو' ثانوی مرحلے سے آغاز نہ کرو۔ اگر تمہارا جسم ٹینشن میں ہو تو ذہن سے آغاز نہ کرو۔ جسم پر کام کرو۔

اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بڑی کارگر رہی ہیں۔ تم ایک خاص سکون سے چلتے ہو' یہ عادت بن جاتی ہے۔ دھیرے چلنے کی کوشش کرو۔ گوتم بدھ اپنے چیلوں سے کہا کرتے تھے'' بہت آہستہ چلو اور ہر قدم نہایت شعور کے ساتھ اٹھاؤ۔'' اگر تم ہر قدم شعور کے ساتھ اٹھاؤ گے تو بہت ہی آہستہ چلو گے۔

دھیرے دھیرے چلو، تم حیران رہ جاؤ گے کہ تمہارے جسم میں آ گہی کی ایک نئی کیفیت پیدا ہونے لگے گی۔ آہستگی سے کھاؤ، تم حیران رہ جاؤ گے۔ اس میں زبردست سکون نہاں ہوتا ہے۔ ہر کام دھیرے دھیرے کرو۔۔۔ پرانے انداز بدلنے کے لیے پرانی عادتیں ترک کرنے کے لیے۔

پہلے جسم کو مکمل طور پر پُرسکون کرنا ضروری ہے، کسی چھوٹے بچے کی طرح بنانا ضروری ہے۔ پھر ذہن پر کام کرو۔ سائنسی انداز میں عمل کرو۔ پہلے سادہ ترین مسئلہ، پھر پیچیدہ، پھر اس سے بھی پیچیدہ اور صرف تب تم اپنے مرکز کو پُرسکون کر سکو گے۔

سکون اور آ گہی

سکون اور آ گہی نہ صرف باہم مربوط ہیں بلکہ یہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ تم انہیں الگ نہیں کر سکتے۔ تم آ گہی سے شروع کر سکتے ہو، تم خود کو پُرسکون پاؤ گے۔ تمہاری ٹینشن کیا ہے؟ ہر طرح کی سوچیں، خوف، موت، دیوالیہ ہونے کا ڈر، ڈالر کی قیمت کم ہونے کا ڈر ہے۔۔۔ ہر طرح کے خوف ہوتے ہیں۔ یہ ہے تمہاری ٹینشن، اور یہ تمہارے جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ تمہارا جسم بھی تناؤ زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ جسم اور ذہن الگ الگ نہیں ہیں۔ یہ واحد نظام ہے۔ پس جب ذہن تناؤ زدہ ہوتا ہے تب جسم بھی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔

تم آ گہی سے شروعات کر سکتے ہو۔ یوں آ گہی تمہیں ذہن سے دور لے جاتی ہے۔ فطری طور پر جسم پُرسکون ہونے لگتا ہے۔ آ گہی کی روشنی میں ٹینشن موجود نہیں رہ سکتی۔

تم دوسرے سرے سے بھی آغاز کر سکتے ہو۔ بس پُرسکون ہو جاؤ۔ ٹینشن کو جھٹک دو۔ جب تم پُرسکون ہو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے کہ تم میں ایک خاص آ گہی ابھر چکی ہو گی۔ دونوں الگ نہیں ہیں۔ تاہم آ گہی سے آغاز کرنا آسان ہوتا ہے، پُرسکون ہونے سے آغاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پُرسکون ہونے کی کوشش سے بھی ایک خاص ٹینشن پیدا ہوتی ہے۔

امریکہ میں سب سے زیادہ احمقانہ کتابیں ملتی ہیں۔ میں نے ایک امریکی کتاب دیکھی۔ اس کا عنوان دیکھا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ عنوان تھا، ''تمہیں ضرور پُرسکون ہونا

چاہیے۔'' اب اگر ضرور ہونا چاہیے کی شرط موجود ہو تو کوئی انسان خاک پُرسکون ہو سکتا ہے؟ یہ شرط تمہیں ٹینشن کا شکار کردے گی۔ لفظ ''ضرور'' تمہیں ٹینشن کا شکار بنادیتا ہے۔ شاید کتاب لکھنے والے کو ٹینشن اور سکون کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔ وہ سکون کی پیچیدگیوں سے بھی بالکل واقف نہیں تھا۔

مشرق میں مراقبے کا آغاز پُرسکون ہونے سے نہیں کیا جاتا۔ ہم مراقبے کا آغاز آگہی سے کرتے ہیں۔ یوں سکون خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ تمہیں اسے پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ اگر تم اسے پیدا کرنے کی کوشش کرو گے تو ایک خاص ٹینشن پیدا ہو جائے گی۔ اسے خود پیدا ہونا چاہیے' تب یہ خالص سکون ہوگا۔ اور یہ خود پیدا ہوتا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو تو پُرسکون ہونے سے آغاز کر سکتے ہو لیکن امریکی ماہر کے مشورے کے مطابق نہیں۔ داخلی دنیا کے تجربے کے حوالے سے امریکہ دنیا کی سب سے پست جگہ ہے۔ یورپ قدرے بلند ہے۔۔۔ تاہم مشرق تو اپنی داخلی ذات کی تلاش میں ہزاروں برس صرف کر چکا ہے۔

امریکہ کی عمر صرف تین سو سال ہے۔ قوموں کی زندگی میں تین سو سال کچھ بھی نہیں ہوتے۔ لہٰذا امریکہ دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ ایٹمی ہتھیار بچوں کے ہاتھ میں ہیں۔۔۔ روس زیادہ عقلی انداز میں عمل کرے گا۔ وہ ایک قدیم ملک ہے اور طویل تاریخ کے تمام تجربوں کا حامل ہے۔ امریکہ کی تو کوئی تاریخ ہی نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے باپ دادا کا نام جانتا ہے اور بس۔ یہاں تمہارا شجرہ ختم ہو جاتا ہے۔

تمہیں سیاسی' مذہبی' سماجی اور معاشی مسائل اذیت دے رہے ہیں۔ پُرسکون ہونے سے آغاز مشکل ہے۔ ہم مشرق والے پُرسکون ہونے سے کبھی آغاز نہیں کرتے۔ تاہم اگر تم اسی سے آغاز کرنا چاہتے ہو تو میرے پاس ایک طریقہ ہے۔ میں اپنے مغربی سنیاسیوں کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ مشرق سے تعلق نہیں رکھتے اور شعور کے مشرقی دھارے سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ ایک مختلف روایت سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ آگہی سے کبھی آشنا نہیں رہی۔ میں نے اپنے مغربی سنیاسیوں کے لیے خاص طور پر ڈائنامک مراقبے جیسے مراقبے کے طریقے تخلیق کیے ہیں۔ کیمپوں میں' میں ان

سے ''شور والا مراقبہ'' اور کنڈالنی مراقبہ کرواتا ہوں۔ اگر تم پُرسکون ہونے سے آغاز کرنا چاہتے ہو تو تمہیں پہلے ان پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ طریقے تمہارے جسم اور ذہن سے ہر ٹینشن نکال دیں گے' یوں پُرسکون ہونا بہت آسان ہو جائے گا۔

تم نہیں جانتے کہ تم نے اپنے اندر کیا دبایا ہوا ہے جو کہ ٹینشن کا سبب ہے۔ میں پہاڑوں میں لگنے والے کیمپوں کے دوران ''شور والے مراقبے'' کی اجازت دیتا ہوں۔ اگر یہاں یہ مراقبہ کیا جائے تو ہمسائے پاگل ہو جائیں گے۔ وہ پولیس کو فون کرنے لگیں گے۔ وہ کہیں گے ''ہماری زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔'' وہ نہیں جانتے کہ اگر وہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے اس مراقبے میں شریک ہوں گے تو ان کی زندگیاں اس پاگل پن سے نکل آئیں گی کہ جس میں وہ زندہ ہیں۔ تاہم وہ تو اس پاگل پن سے آگاہ بھی نہیں ہیں۔

''شور والا مراقبہ'' یہ تھا کہ ہر شخص کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ جو کچھ جی میں آئے اونچی آواز میں بولے۔ لوگوں کے لیے ایسی باتیں کرنا بہت پرلطف ہوتا تھا۔ وہ بے ربط' لایعنی باتیں کرتے تھے۔ وہاں مشاہدہ کرنے والا میں واحد شخص ہوتا تھا۔ لوگ ہر طرح کی حرکتیں کرتے تھے۔ شرط صرف ایک ہوتی تھی اور وہ یہ کہ کوئی کسی کو چھوئے گا نہیں۔ تم جو چاہو کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ سر کے بل کھڑے ہو جاتے تھے' کچھ لوگ کپڑے اتار پھینکتے تھے' ننگے ہو جاتے تھے اور ادھر ادھر دوڑنے لگتے تھے۔ پورا ایک گھنٹہ۔

ایک آدمی ہر روز میرے سامنے بیٹھ جاتا تھا۔۔۔ وہ ضرور حصص کا دلال رہا ہوگا۔۔۔ جب مراقبہ شروع ہوتا تو وہ پہلے مسکراتا پھر فون کرنے لگتا'' ہیلو' ہیلو۔۔۔'' وہ کن اکھیوں سے مجھے دیکھتا رہتا تھا۔ میں اسے دیکھنے سے گریز کرتا تھا تاکہ اس کے مراقبے میں خلل نہ پڑے۔ وہ حصص خریدتا بیچتا تھا۔ وہ پورا گھنٹہ فون پر یہی کرتا رہتا تھا۔

ہر شخص عجیب عجیب حرکتیں کرتا تھا۔ یہ سب حرکتیں پہلے انہوں نے دبائی ہوئی تھیں۔ مراقبے کے ختم ہونے کے بعد دس منٹ کا آرام کا وقفہ ہوتا تھا اور ان دس منٹوں میں لوگ زمین پر گر جاتے' کیونکہ وہ بالکل تھکے ہوئے ہوتے تھے۔ سارا کچرا نکال دیا گیا ہوتا تھا۔ پس وہ ایک خاص پاکیزگی کے حامل ہو جاتے تھے اور پُرسکون ہو جاتے تھے۔ تم یقین نہیں کرو گے وہاں ایک ہزار افراد ہوتے تھے۔

لوگ مجھے کہتے تھے ''ان دس منٹوں کو طویل کر دیجیے کیونکہ ہم نے اپنی پوری زندگی میں اتنا سکون، اتنی خوشی نہیں پائی۔ ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم کبھی آگہی سے شناسا ہوں گے، تاہم اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں آگہی حاصل ہو رہی ہے۔''

پس اگر تم پُرسکون ہونے سے آغاز کرنا چاہتے ہو تو پہلے تمہیں کیتھارسس کے عمل سے گزرنا ہوگا۔ اگر تم لایعنی باتیں کرتے رہو گے تو آخر تمہارا ذہن صاف ہو جائے گا۔ دھیرے دھیرے ایک گہری لاشیئیت پیدا ہوگی اور اس سے آگہی کا شعلہ نمودار ہوگا۔ یہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ تم بے کار باتیں کرتے ہو تو یہ شعلہ آزاد ہو جاتا ہے۔

جسم پر بھی یہی صادق آتا ہے۔ تمہارا جسم ٹینشن کا شکار ہے۔ ذرا جسم کو وہی حرکتیں کرنے دو، جو وہ چاہتا ہو۔ تم اس پر جبر نہ کرو۔ اگر وہ رقص کرنا چاہتا ہو، دوڑنا بھاگنا چاہتا ہو، زمین پر لوٹنا چاہتا ہو تو تمہیں اس کو ایسا ہی کرنے دینا چاہیے۔ جسم سے کہو ''تم آزاد ہو، جو چاہتے ہو کرو۔'' جسم جو حرکتیں کرے گا اس کے بعد تم سوچو گے کہ اچھا تو میرا جسم یہ کچھ کرنا چاہتا تھا اور میں نے اسے روکے رکھا۔ یہی ٹینشن تھی۔

ٹینشن کی دو قسمیں ہیں، ایک ذہنی اور ایک جسمانی۔ پُرسکون ہونے سے پہلے تمہیں ان دونوں سے آزاد ہونا ہوگا۔ سکون تمہیں آگہی عطا کرے گا۔

تاہم آگہی سے آغاز بہت آسان ہے اور خاص طور پر ان کے لیے جو آگہی کے عمل کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ عمل بہت سادہ ہوتا ہے۔ تم سارا دن اسے چیزوں کے حوالے سے استعمال کرتے ہو۔

تم آگہی کو اس سے آگاہ ہوئے بغیر استعمال کر رہے ہو لیکن صرف بیرونی اشیاء کے لیے۔ یہ وہی آگہی ہے جسے تمہیں اندر کی ٹریفک کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ جب تم آنکھیں بند کر لیتے ہو تو خیالات کا ٹریفک رواں ہو جاتا ہے۔

جو کچھ تم باہر کی دنیا کے حوالے سے کر رہے ہو، اندر کی دنیا کے حوالے سے وہی کچھ کرو۔ تم ایک عینی شاہد بن جاؤ گے۔ ایک بار تم یہ مزہ چکھ لو تو عینی شاہد بننے کی خوشی اتنی زیادہ ہوتی ہے، اتنی غیر دنیاوی ہوتی ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ اندر جانا پسند کرتے ہو۔

یہ کسی آسن کا سوال نہیں ہے۔ یہ کسی مندر، چرچ یا سینا گوگ کا سوال نہیں ہے۔

بس یا ٹرین میں بیٹھے ہوئے، کہ جب تم کچھ نہیں کر رہے ہوتے، آنکھیں بند کر لو۔ یوں تمہاری آنکھیں باہر دیکھتے ہوئے تھکنے سے بچ جائیں گی اور اس سے تمہیں اپنے آپ کو دیکھنے کا کافی وقت مل جائے گا۔ وہ لمحے نہایت حسین تجربے کے لمحے بن جائیں گے۔

دھیرے دھیرے آگہی کے نشوونما پانے سے تمہاری پوری شخصیت تبدیل ہونے لگتی ہے۔ عدم آگہی سے آگہی تک جانا عظیم ترین کوانٹم جست ہے۔

کیا پُرسکون رہتے ہوئے گیان پانا ممکن ہے؟

کیا بغیر سعی وکاوش کے حقیقتاً پُرسکون اور باسہولت انداز میں
گیان پانا ممکن ہے؟

یہ بات تم مجھ سے پوچھ رہے ہو' ایک ایسے شخص سے جو کبھی کچھ نہیں کرتا! محض پُرسکون ہوتے ہوئے۔۔۔ بغیر کسی سعی وکاوش کے! میں زیادہ تر وقت سویا رہتا ہوں۔ میں صبح تم لوگوں سے بات کرنے کے لیے اٹھتا ہوں' پھر جا کر سو جاتا ہوں۔ پھر میں شام کو تم لوگوں سے بات کرنے کے لیے جاگتا ہوں اور دوبارہ جا کر سو جاتا ہوں۔ میں اٹھارہ گھنٹے تو ضرور سوتا ہوں گا۔ میں صرف چھ گھنٹے جاگتا ہوں۔ دو گھنٹے تمہارے ساتھ' ایک گھنٹہ نہانے اور کھانے وغیرہ کے لیے اور باقی وقت میں سمادھی میں ہوتا ہوں۔ میں تو اتنا کاہل ہوں کہ خواب تک نہیں دیکھتا۔

اور تم مجھ سے یہ سوال پوچھ رہے ہو۔ میرا تو سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ تمہیں کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ تمہیں سکون سے رہنا چاہیے اور یونہی گیان حاصل ہو جائے گا۔ گیان تب آتا ہے جب وہ تمہیں حقیقتاً پُرسکون پاتا ہے۔ کوئی ٹینشن نہ ہو' کوئی کوشش نہ ہو تو یہ تم پر ہزاروں پھولوں کی طرح نچھاور ہونے لگتا ہے۔

تاہم تمام دھرم اس کے الٹ تلقین کرتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گیان پانے کے لیے عمر بھر سعی وکاوش کرنا پڑتی ہے۔ شاید کئی جنم اور اس کے بعد بھی کوئی یقین نہیں ہے'

کوئی ضمانت نہیں ہے۔ تم گیان سے ایک قدم کی نزدیکی پر راستہ کھو سکتے ہو۔ تم کو گیان کی طرف جانے والے راستے کا علم نہیں ہوتا ہے! پس راستے کے کھو جانے کا' تمہارے بھٹک جانے کا امکان ہر لحہ موجود رہتا ہے۔

چند ایک لوگوں کو اتفاقاً گیان حاصل ہوا ہے۔ لاکھوں لوگ کوششیں کر رہے ہیں اور انہیں کچھ نہیں مل رہا ہے۔ وہ اس بات سے آگاہ نہیں ہیں کہ ان کی تلاش ہی انہیں شدید ٹینشن کا شکار بنا رہی ہے۔ ان کی کوشش ہی ایسی صورت حال کو جنم دے رہی ہے کہ جس میں گیان ممکن نہیں ہے۔ گیان تب حاصل ہو سکتا ہے کہ جب تم خاموش ہو' نہایت پُرسکون ہو' تم تقریباً نہ ہو۔ محض ایک خالص خاموشی۔۔۔ اور پھر دھماکہ ہوتا ہے' تمہاری تابناک روح کا دھماکہ!

جو لوگ سعی وکاوش کرتے رہے ہیں انہوں نے اپنی ذہانت کو برباد کیا ہے یا اپنے جسم کو۔ یہ مت سوچنا کہ انہوں نے گیان پا لیا تھا۔ چند ہی لوگوں نے گیان پایا ہے اور وہ بھی پُرسکون رہتے ہوئے پایا ہے۔ سکون وہ زرخیز مٹی ہے جس میں گیان کے گلاب کھلتے ہیں۔

پس یہ نہایت اچھی بات ہے کہ تم پُرسکون رہنا چاہتے ہو۔۔۔ کوئی سعی وکاوش کیے بغیر۔ نسخہ یہی ہے۔ تم گیان پا لو گے۔ تم آج ہی گیان پا سکتے ہو۔ گیان تمہاری داخلی ہستی ہے۔ چونکہ تم سخت کوششوں میں لگے ہو' تلاش میں' جستجو میں مصروف ہو' یہ کر رہے ہو' وہ کر رہے ہو۔ اسی لیے تم اپنی ذات تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ سکون میں تم کہیں نہیں جاتے ہو۔ تم کچھ نہیں کرتے ہو۔ اور گھاس خود بخود اگنے' نشوونما پانے لگتی ہے۔

ضرورت ہے صرف چوکسی کی' ذہانت کی' شعور کی۔ یہ کوششیں نہیں ہیں۔ تمہیں ضرورت ہے مشاہدے کی' نظارے کی' یہ ٹینشن نہیں ہیں۔ یہ تو نہایت مسرت بخش تجربے ہیں۔ تم ان سے اکتائے نہیں ہو۔ تم تو نہایت پُرسکون اور شانت ہو جاتے ہو۔ تمہارے نام نہاد پنڈتوں کا ذہانت سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ انہوں نے تو اپنی احمقانہ کوششوں سے اس کو برباد کر دیا ہے۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ گیان پانے کی سب کوششیں احمقانہ ہوتی ہے۔

گیان تو تمہاری فطرت ہے۔۔۔ ہے صرف یوں کہ تم جانتے نہیں ہو ورنہ تم تو پہلے ہی سے گیانی ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے نزدیک تم سب لوگ گیانی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہارے اندر کے شعلے کو دیکھ سکتا ہوں۔ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو میں تمہارے

سراپے کو نہیں دیکھتا، میں تو تمہاری ہستی کو دیکھتا ہوں جو کہ ایک خوبصورت شعلہ ہے۔

کہا جاتا ہے گوتم بدھ اس لمحے حیران رہ گئے تھے کہ ان کے گیان پاتے ہی کل ہستی گیانی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اپنی نظر تبدیل ہو گئی تھی، ان کی اپنی آنکھیں تبدیل ہو گئی تھیں۔ وہ ہر شخص کو اتنی گہرائی تک دیکھ سکتے تھے کہ جتنا اپنی گہرائی میں دیکھنے پر قادر تھے۔۔۔ یہاں تک کہ جانوروں اور درختوں میں بھی۔ وہ دیکھ سکتے تھے کہ یہ سب گیان کی طرف رواں ہیں۔ ہر شے کو اپنی فطرت کا ادراک پانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی خوشی نہیں ہوتی، میلہ نہیں ہوتی۔

بس اک ذرا ذہین ہو جاؤ، گیان خود بخود رونما ہو جائے گا۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنا تک نہیں ہے۔

اک ذرا ذہین بنو۔ دنیا ذہین نہیں ہے۔ یہ بالکل غیر ذہین انداز میں عمل کر رہی ہے اور لوگوں کو خوشی دینے کی بجائے ہر طرح کی احمقانہ مصیبتیں دے رہی ہے۔ ہر شخص دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہا ہے، گہری دلدل میں گہری مشکل میں دھکیل رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص صرف ایک شے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔۔۔ دوسروں کے لیے مصیبت پیدا کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریکی کے بادل نے زمین کو گھیر لیا ہے۔ وگرنہ یہاں تو روشنیوں کا مسلسل میلہ ہوتا۔۔۔ اور عام روشنیوں کا نہیں بلکہ عین تمہاری ہستی کی روشنیوں کا۔

ایسا کیوں ہوا کہ پنڈت لوگوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ گیان پانا مشکل ہے۔۔۔ تقریباً ناممکن ہے۔ اس کی وجہ تمہارے ذہن میں ہے۔ تمہارا ذہن ہمیشہ مشکلات میں دلچسپی لیتا ہے۔ ناممکنات میں دلچسپی لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسے چیلنج دیتی ہیں اور انا کو بڑے سے بڑا بننے کے لیے چیلنج کی ضرورت ہوتی ہے۔

پنڈت تمہیں یہ یقین دلانے میں کامیاب رہے ہیں کہ گیان بہت مشکل ہے۔۔۔ تقریباً ناممکن ہے۔ لاکھوں لوگوں میں کوئی ایک ایسا ہوتا ہے جو گیانی پاتا ہے۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ تم گیانی نہ بنو۔ انہوں نے تمہیں گیان سے دور رکھنے کے لیے بڑا عیارانہ حربہ استعمال کیا۔ انہوں نے تمہاری انا کو چیلنج کر دیا اور تم ہر طرح کی رسومات میں، ہر طرح کی نفس کشیوں میں، اپنے آپ کو اذیت دینے میں دلچسپی لینے لگے۔ خود تم نے اپنی زندگی کو

انتہائی اذیت ناک بنا دیا۔

تاہم یہ لوگ، جنہوں نے اپنی زندگی کو اذیت بنا لیا ہے، یہ مساکیت پسند گیان نہیں پا سکتے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ تاریکیوں کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ اور تاریکی میں جینے والے یہ لوگ بآسانی غلاموں کی طرح رینگنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عجیب وغریب سعی وکاوش میں اپنا شعور، اپنی ساری ذہانت کھو چکے ہیں۔ کیا تم نے سردیوں کے موسم میں صبح کے وقت دھوپ تاپنے والے کتے کو دیکھا ہے؟ وہ اپنی دم کو دیکھتا ہے اور فوراً اس میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ وہ دم کو پکڑنے کے لیے اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ وہ اس کوشش میں پاگل ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ اچھلتا ہے تو دم بھی اچھلتی ہے۔ دم اور سر کا درمیانی فاصلہ یکساں رہتا ہے۔ وہ چکر کاٹنے لگتا ہے۔۔۔ چکر کاٹتا چلا جاتا ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ دم جتنا اچھلتی ہے وہ اتنا ہی ضد پکڑتا ہے۔ وہ اپنی پوری قوتِ ارادی استعمال کرتا ہے۔۔۔ کبھی اس طریقے سے کبھی اس طریقے سے دم کو پکڑنے کی کوششیں کرتا ہے۔ تاہم بے چارے کتے کو یہ علم نہیں ہوتا کہ دم کو پکڑنا ناممکن ہے۔ دم تو اس کے جسم کا حصہ ہے۔ پس جب وہ اچھلتا ہے تو دم بھی اچھلتی ہے۔

گیان مشکل نہیں ہے، ناممکن نہیں ہے۔ تمہیں اس کے حصول کے لیے کچھ نہیں کرنا ہوتا۔ تمہیں بس اتنا کرنا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے پُرسکون ہو جاؤ، ہر کام بھلا دو، تمام کوششیں ترک کر دو، تم کہیں بھی محو و مصروف نہ رہو۔ یہ غیر مصروف شعور اچانک آگاہ ہوتا ہے کہ "میں تو یہ ہوں۔"

گیان پانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے، لیکن پنڈت نہیں چاہتے کہ ساری دنیا گیان پا لے۔ وگرنہ لوگ عیسائی نہیں ہوں گے، کیتھولک نہیں ہوں گے، ہندو نہیں ہوں گے۔ انہیں بے گیان رکھنا ہوگا۔ انہیں خود اپنی فطرت سے لاعلم رکھنا ہوگا۔ اس کے لیے انہوں نے بڑا عیارانہ حربہ ڈھونڈ لیا ہوا ہے۔ انہیں کچھ نہیں کرنا ہوتا۔ وہ تو بس تمہیں یہ تصور دے دیتے ہیں کہ یہ بہت مشکل ہے، ناممکن ہے۔ تمہاری انا فوراً دلچسپی لینے لگتی ہے۔ انا کو واضح شے میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ اسے کبھی اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ جو کچھ تم ہو۔ وہ تو صرف دور پرے کی منزل میں دلچسپی لیتی ہے۔۔۔ جتنا دور منزل ہوگی اس کی دلچسپی اتنی

زیادہ ہوگی۔ تاہم گیان کوئی منزل نہیں ہے اور یہ ایک انچ بھی دور نہیں ہے۔۔۔ یہ تو تم ہو۔

تلاش کرنے والا ہی وہ ہے جس کو تلاش کیا جا رہا ہے۔

شاہد ہی مشہود ہے۔

عالم ہی وہ ہے جس کو جانا جا رہا ہے۔

جب تم اس بات سے آگاہ ہو جاتے ہو کہ عین تمہاری فطرت ہی گیان ہے۔ سنسکرت میں دھرم کا مطلب ہے فطرت۔ اس کا مطلب کوئی چرچ نہیں ہے، اس کا مطلب الٰہیات نہیں ہے۔ اس کا سادہ سا مطلب ہے تمہاری فطرت۔ مثال کے طور پر آگ کا دھرم کیا ہے؟ گرم ہونا۔ پانی کا دھرم کیا ہے؟۔۔۔ نشیب کو بہنا۔ انسان کی فطرت کیا ہے؟ انسان کا دھرم کیا ہے؟۔۔۔ گیانی بننا، اپنے آپ کو جاننا۔

اگر تم نے بغیر سعی و کاوش کے اپنی فطرت کو سمجھ لیا تو میں تمہیں ذہین کہوں گا۔ اگر تم اسے نہیں سمجھتے تو تم ذہین نہیں ہو۔ تب تم صرف انا پرست ہو جو کہ سعی و کاوش میں مصروف ہے۔۔۔ جس طرح کچھ انا پرست لوگ امیر ترین بننے کی کوشش کر رہے ہیں، کچھ انا پرست بہت زیادہ طاقتور، با اختیار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح کچھ انا پرست گیانی بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گیان انا کے لیے ممکن نہیں ہے۔۔۔ دولت ممکن ہے، قوت و اختیار ممکن ہے۔ نام و نمود ممکن ہے۔۔۔ اور یہ سب مشکل ہیں، بہت مشکل ہیں۔

اپنے وقت کے ایک امیر ترین انسان ہنری فورڈ سے، جو کہ ایک غریب کا بیٹا تھا، پوچھا گیا ’’اگلے جنم میں آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟‘‘

اس نے کہا ’’میں دوبارہ امیر نہیں بننا چاہتا۔ امارت مجھے ساری زندگی اذیت دیتی رہی ہے۔ میں تو جی بھر کر سو نہیں سکتا تھا۔ مجھے صبح سات بجے فیکٹری پہنچنا پڑتا تھا۔ جبکہ مزدور آٹھ بجے آتے تھے، کلرک نو بجے اور منیجر دس بجے آتا تھا۔ منیجر دو بجے چلا جاتا تھا، باقی سب پانچ بجے چلے جاتے تھے جبکہ مجھے رات نو بجے تک کام کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات دس یا بارہ بجے تک بھی کام کرنا پڑتا تھا۔

میں نے امیر ترین انسان بننے کے لیے سخت محنت کی اور میں

امیر ترین انسان بن گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا کیا فائدہ ہوا؟ میں کسی بھی شے سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنے مزدوروں سے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ وہ زندگی سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میں کبھی کسی دن چھٹی نہیں کرتا تھا۔ میں تو چھٹی والے دنوں میں بھی فیکٹری جا کر مستقبل کے منصوبوں پر کام کرتا تھا۔‘‘

مشکل ہے لیکن اگر تم کوشش کرو تو امیر ترین انسان بن سکتے ہو۔ مشکل ہے لیکن اگر تم کوشش کرو تو ایورسٹ کو سر کر سکتے ہو۔ تاہم اگر تم گیان پانے کی کوئی کوشش کرو گے تو گیان پانا تمہارے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ اگر تم ساری ٹینشنوں اور پریشانیوں سمیت اپنے ذہن کو گیان پانے کے لیے استعمال کرتے ہو تو تم غلط سمت میں گامزن ہوتے ہو، گیان سے دور جا رہے ہوتے ہو۔

تمہیں کامل سکون کی ضرورت ہے۔ کوئی ٹینشن نہ ہو۔ ہستی کی شانت صورتِ حال۔۔۔ دفعتاً دھماکہ ہوگا۔ تم سب گیانی پیدا ہوتے ہو، خواہ تمہیں اس کا ادراک ہو کہ نہ ہو۔

معاشرہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس کا ادراک نہ ہو، دھرم چاہتا ہے کہ تمہیں اس کا ادراک نہ ہو، سیاست دان نہیں چاہتے کہ تمہیں اس کا ادراک ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ادراک ان سب کے مفادات کے خلاف ہے۔ وہ تمہارا خون چوس چوس کر زندہ ہیں۔۔۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے گیان نہیں پایا ہے۔ وہ اس اہل ہیں کہ ساری نوعِ انسان پر احمقانہ لیبل لگا دیں۔ ایسے جیسے کہ تم اشیا ہو۔ انہوں نے تمہاری پیشانی پر لیبل لگا دیا ہوا ہے کہ تم کون ہو۔

ہندوستان میں تو تم برہمنوں کو پیشانیوں پر نشان لگاتے ہوئے دیکھ سکتے ہو۔ تم علامت دیکھ کر جان سکتے ہو کہ برہمنوں کے کس درجے سے اس شخص کا تعلق ہے۔ وہ اشیا ہیں۔ انہوں نے اپنی پیشانیوں پر نشان ثبت کیے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے تم نے اپنی پیشانیوں پر نشان ثبت نہ کروائے ہوئے ہوں۔ لیکن تم خوب جانتے ہو کہ یہ تمہاری ہستی پر ثبت ہے کہ تم ہندو ہو یا بودھ ہو یا عیسائی ہو۔

اگر تم سب گیان پا لو گے تو تم روشنی ہو گے، اپنے اور دوسروں کے لیے ایک خوشی، اپنے اور ساری ہستی کے لیے ایک رحمت، اور تمہیں مطلق آزادی حاصل ہو جائے گی۔ کوئی

شخص تمہارا استحصال نہیں کر سکے گا۔ کوئی شخص تمہیں کسی طور غلام نہیں بنا سکے گا۔ یہی مسئلہ ہے۔ کوئی شخص نہیں چاہتا کہ تم گیان پا جاؤ۔ جب تک تم اسے نہیں سمجھو گے تم مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہو گے، جو کہ تمام کے تمام طفیلیئے ہیں۔

اگر تم آزادی چاہتے ہو تو گیان واحد آزادی ہے۔ اگر تم انفرادیت چاہتے ہو تو گیان واحد انفرادیت ہے۔ اگر تم رحمتوں بھری زندگی چاہتے ہو تو گیان واحد تجربہ ہے اور یہ بہت آسان ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ یہ پہلے سے موجود ہے۔ تم صرف پُرسکون ہو جاؤ اور دیکھو۔

اسی لیے ہندوستان میں مغربی فلسفے جیسی کوئی شے نہیں ہے۔ فلسفے کا مطلب ہے سچ کے بارے میں سوچنا'' ''علم کی محبت۔'' ہندوستان میں ایک بالکل مختلف شے موجود ہے۔ ہم اسے ''درشن'' کہتے ہیں۔ درشن کا مطلب سوچنا نہیں ہے، اس کا مطلب دیکھنا ہے۔

تمہارا سچ سوچا ہوا نہیں، دیکھا ہوا ہونا چاہیے۔ یہ پہلے سے موجود ہے۔ تمہیں اسے پانے کے لیے کہیں نہیں جانا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنا نہیں ہے۔ تمہیں تو سوچنا چھوڑنا ہے تاکہ سچ تمہاری ہستی سے ابھر سکے۔

تمہارے اندر خالی جگہ کی ضرورت ہے تاکہ چھپی ہوئی روشنی پھیل سکے اور تمہاری ہستی کو بھر سکے۔ یہ نہ صرف تمہارے ہستی کو بھرتی ہے بلکہ یہ تمہاری ہستی سے باہر بھی پھیلنے لگتی ہے۔ تمہاری ساری زندگی خوبصورتی بن جاتی ہے۔ ایسی خوبصورتی جو کہ جسمانی نہیں ہوتی ہے بلکہ ایسی خوبصورتی جو کہ اندر سے نمودار ہوتی ہے۔ یہ تمہارے شعور کی خوبصورتی ہے۔

6

انا اور عاجزی

❖.... انا کا درست متضاد بھی انا ہی ہے۔

❖.... مصدقہ عاجزی کا انا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

❖.... عاجز انسان بچے جیسا ہوتا ہے۔ وہ کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ صرف شکر کرتا ہے۔

❖.... جو شخص بے انا ہوتا ہے، وہ بے خوف بھی ہوتا ہے۔

انا

انا ایک موازنہ ہوتی ہے۔ عزتِ نفس اور فخر موازنہ نہیں ہوتے ہیں۔ یہ ہے بنیادی فرق۔ انا میں تم ہمیشہ موازنہ کرتے رہتے ہو: میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں' میں تم سے بہتر ہوں' میں تم سے برتر ہوں' میں تم سے زیادہ پاک صاف ہوں۔۔۔ میں پنڈت ہوں اور تم پاپی ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو تم خود کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو پست تصور کر کے موازنہ کر رہے ہوتے ہو۔ انا کی ساخت ہی ایسی ہے۔

وقار موازنہ نہیں کرتا۔ وہ کسی کے بارے کچھ نہیں کہتا۔ وہ صرف اتنا کہتا ہے: میں اپنی عزت کرتا ہوں' میں خود سے محبت کرتا ہوں' مجھے اس پر فخر ہے۔۔۔ اس خوبصورت وجود میں ہونا ہی کافی ہے۔ وہ کسی کے بارے کچھ نہیں کہتا ہے۔ جس لمحے تم موازنہ کرتے ہو' تم ایک گندا کھیل شروع کر دیتے ہو۔

میرا اپنی عزت کرنا تمہاری اپنی عزت کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوتا ہے۔ درحقیقت میں تو یہ بے حد پسند کرتا ہوں کہ تم اپنا احترام کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم ہی اپنا احترام نہیں کرو گے تو پھر کون ہے جو تمہارا احترام کرے گا؟ اگر تمہیں اپنے انسان ہونے پر' سب سے زیادہ ارتقایافتہ شعور ہونے پر' فخر نہیں ہے تو پھر کون ہے جو تم پر فخر کرے گا؟

تمہارا فخر کرنا' اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ تم ہستی کی عطا کی ہوئی نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہو۔ یہ حیران کن نعمتیں ہیں۔ ہم ان کی قدر نہیں کرتے۔ ہم تو ان کے مستحق ہی

نہیں ہیں۔ ہم نے ان کے لیے کاوش بھی نہیں کی ہے۔ ہم ان کے دعوے دار نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ہستی کی فیاضی ہے کہ اس نے ہمیں ہر شے عطا کی ہے۔۔۔

عزتِ نفس ایسی عزت ہے جو کہ موازنے کے بغیر ہوتی ہے۔ فخر وقار ہوتا ہے۔ وقار یہ احساس ہے کہ ہستی تمہیں چاہتی ہے، ہستی نے تمہیں تخلیق کیا ہے، کہ ہستی کو تمہاری ضرورت ہے۔

ہستی تمہیں خوش آمدید کہتی ہے۔ تم غیر مطلوب بچے نہیں ہو، یتیم نہیں ہو۔ ہستی لمحہ لمحہ تمہاری پرورش کر رہی ہے، تمہیں زندگی، روشنی اور ہر ضروری شے عطا کر رہی ہے۔

فخر انا کا مترادف نہیں ہے، نہ ہی عزتِ نفس انا کی مترادف ہے۔ انا موازنے کرتی ہے۔ چونکہ یہ موازنے کرتی ہے، اس لیے گندی ہوتی ہے، بیمار ہوتی ہے۔ یہ تصور ہی غیر انسانی ہے کہ ''میں تم سے اعلیٰ ہوں۔'' تاہم خود پر فخر کرنے والا کوئی شخص کسی دوسرے کو پست نہیں سمجھتا۔ درحقیقت اس سے دوسرے کو بھی خود پر فخر کرنے کا راستہ سوجھتا ہے، اپنا احترام کرنے کا خیال آتا ہے۔

میں انا کا مخالف ہوں، لیکن فخر کا مخالف نہیں ہو، عزتِ نفس کا مخالف نہیں ہوں۔ یہ تو نہایت اہم انسانی اوصاف ہیں۔

عاجزی وانکساری، شرم اور خوف

''عاجز و منکسر ہونے میں اور شرمیلا ہونے اور خوف سے چھپنے میں کیا فرق ہے؟''

عاجز و منکسر ہونے، شرمیلا ہونے اور محض خوف کی وجہ سے چھپنے میں بہت فرق ہے۔ تاہم انسان ایسا جاہل ہے کہ وہ خود اپنے افعال میں فرق نہیں کر سکتا۔ وگرنہ فرق تو اتنا واضح ہے کہ سوال کرنا ہی غیر ضروری ہے۔

پہلے تو لفظ ''عاجز'' پر غور کرو۔ تمام دھرموں نے اسے غلط مفہوم دیا ہے۔ عاجز کو وہ صرف انا پرست کا متضاد سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ انا کا درست متضاد بھی انا ہی ہے۔۔۔ پردوں کے پیچھے چھپی انا۔ یہ کبھی کبھی نام نہاد عاجز انسان میں بھی جھلکتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ عاجز ہے۔۔۔ یہی انا ہوتی ہے۔ عاجزی ایسی کسی زبان سے واقف نہیں ہوتی۔

میں تمہیں پہلے بھی تین راہبوں کا قصہ سنا چکا ہوں۔ ان کی خانقاہیں ایک پہاڑ پر قریب قریب واقع تھیں۔ روزان کا آمنا سامنا آتے جاتے ہوا کرتا تھا۔ ایک روز گرمی تھی۔ انہوں نے درخت کے سائے تلے بیٹھ کر کچھ دیر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ وقت کاٹنے کے لیے باتیں کرنے لگے۔

ایک راہب نے کہا'' یہ درست ہے کہ تمہاری خانقاہوں میں کچھ نہ کچھ ہے۔ تم دانش پا سکتے ہو' تاہم جو علم ہماری خانقاہ میں پایا جا سکتا ہے' وہ تمہارے ہاں ممکن نہیں ہے۔''

دوسرا بولا'' چونکہ تم نے بات کرنے میں پہل کی ہے اس لیے جواب دیا جا سکتا ہے۔ تمہاری خانقاہ میں نفس کشی نہیں ہوتی ہماری خانقاہ کے لوگ نفس کشی میں بہت آگے ہیں اور یاد رکھو فیصلے کی حتمی ساعت میں علم کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ شمار تو نفس کشی کو کیا جائے گا۔''

تیسرا راہب ہنسا' اس نے کہا'' دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہو تاہم تم عیسائیت کے حقیقی جوہر سے واقف نہیں ہو۔ عیسائیت کا حقیقی جوہر عاجزی ہے۔ ہم عاجزی میں سب سے برتر ہیں۔''

عاجزی اور سب سے برتر؟ یہ تو دبی ہوئی انا ہے! جنت میں جانے کے لالچ' بے پناہ لالچ میں اور تمام لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسان اپنی انا کو دبا رہا ہے اور عاجزی ظاہر کر رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں حقیقی عاجزی کے بارے میں بتاؤں تمہیں جعلی عاجزی کو سمجھنا ہوگا۔ درحقیقت جعلی عاجزی کو سمجھتے ہوئے حقیقی عاجزی خود بخود تمہارے سامنے عیاں ہو جائے گی۔

جھوٹی عاجزی محض دبائی ہوئی انا ہوتی ہے۔ عاجزی کی اداکاری کرتے ہوئے لوگ سب سے برتر ہونے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ مصدقہ عاجزی کا انا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ تو انا کی عدم موجودگی ہوتی ہے۔ یہ کسی سے برتر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ یہ تو سادہ اور خالص آگہی ہوتی ہے۔ کہ نہ تو کوئی برتر ہے اور نہ ہی کوئی کمتر ہے۔ لوگ ناقابلِ موازنہ ہیں' منفرد ہیں۔ تم برتر یا کمتر کے طور پر ان کا موازنہ نہیں کر سکتے۔

لہٰذا مصدقہ عاجز انسان کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس طرح سے عاجز نہیں ہوتا کہ تم اسے سمجھ سکو۔ تم سینکڑوں عاجز لوگوں سے واقف ہو گے لیکن وہ سب انا پرست ہوتے ہیں اور تم اتنے بینا نہیں ہو کہ ان کی دبی ہوا انا کو دیکھ سکو۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان خوبصورت عیسائی مشنری عورت

میرے گھر آئی۔ اس نے مجھے انجیل مقدس اور چند پمفلٹ دیئے۔ وہ بہت عاجز دکھائی دیتی تھی۔

میں نے کہا'' یہ سب کچھ یہاں سے لے جاؤ۔ یہ تمہاری انجیل تو دنیا کی سب سے غیر مقدس کتاب ہے۔''

وہ عورت تو پھٹ پڑی۔ اس نے اپنی ساری عاجزی بھلا دی۔

تب میں نے کہا'' انجیل یہیں رہنے دو۔ میں تو صرف تمہیں پرکھ رہا تھا۔ تم عاجز نہیں ہو۔ وگرنہ تم کو یوں ٹھیس نہ پہنچتی۔ ٹھیس تو صرف انا کو پہنچتی ہے۔''

عاجزی بے انائی ہوتی ہے۔ یہ شخصیت کو ترک کرنا اور تمام تصنع کو' جو تم نے خود پر منڈھ رکھا ہے' ختم کرنا ہے اور بالکل کسی ننھے بچے کی طرح ہونا کہ جو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے' کہ جو دنیا کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

اس کی آنکھیں صاف ہوتی ہیں۔ وہ تم سے زیادہ حساسیت کے ساتھ درختوں کے ہرے بھرے پن کو دیکھ سکتا ہے۔ تمہاری آنکھیں علم کی گرد سے اٹی ہوئی ہیں۔ تم نے اس گرد سے آنکھوں کو اندھا کیوں کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں علم تمہاری انا کو بے پناہ توانائی دیتا ہے۔ تم علم رکھتے ہو جبکہ دوسرے علم نہیں رکھتے۔

عاجز انسان کچھ نہیں جانتا۔ وہ تو بچپنے کی معصومیت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ حیرت سے معمور ہوتا ہے۔ ہر طرف بھید ہی بھید دیکھتا ہے۔ وہ ساحل سے پتھر اور سیپیاں اکٹھی کرتا ہے اور یوں خوش ہوتا ہے جیسے اسے ہیرے موتی مل گئے ہوں۔

میرے بچپن میں میری ماں اور میرا درزی مجھ سے بہت تنگ رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں درزی سے کہتا تھا'' جتنی زیادہ ممکن ہوں اتنی جیبیں لگانا۔''

وہ کہتا'' صرف ایک شرط پر۔۔۔ اور وہ یہ کہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ یہ لباس کس نے سیا ہے۔ تمہاری وجہ سے میرے گاہک ضائع ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں'' یہ درزی تو کچھ کچھ پاگل ہو گیا ہے۔''

میں نے اسے کہا ''جہاں بھی جگہ ہو وہیں جیب لگا دو۔''

وہ بولا' کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟''

میں نے کہا'' تم جو چاہے سوچو لیکن مجھے بہت ساری جیبوں کی ضرورت ہے۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری بستی کے قریب سے دریا بہتا تھا۔ اس کے کنارے پر بے شمار رنگین پتھر پڑے ہوتے تھے۔ میں ان پتھروں کو جمع کیا کرتا تھا۔ مجھے مختلف رنگوں کے لیے مختلف جیبیں چاہیے ہوتی تھیں۔

میری ماں مجھ سے بہت خفا ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سوتے ہوئے بھی پتھروں کو جیبوں میں سے نہیں نکالتا تھا۔ جب میں سو جاتا تو وہ میری جیبوں سے پتھر نکالنے لگتی۔ میں اسے کہتا کہ جب میں سو رہا ہوں تو کوئی مجھے نہ چھیڑے۔''

بچپن بے حساب شفافیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس شفافیت میں ساری دنیا ایک معجزہ دکھائی دیتی ہے۔

عاجز انسان اس معجزہ کا رہستی کی طرف واپس آ جاتا ہے۔ ہم اسے اہمیت نہیں دیتے، لیکن تم دیکھتے نہیں کہ ایک ہی مٹی میں کنول اور گلاب اور ہزاروں دوسرے پھول کس طرح کھلتے ہیں۔ مٹی میں تو کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ ان پھولوں کو رنگ کہاں سے ملتے ہیں؟ مٹی تو بڑی کثیف ہوتی ہے، یہ ریشمیں گلاب کہاں سے آتے ہیں؟ مٹی سبز نہیں ہوتی، یہ ہرے درخت کہاں سے آتے ہیں؟

عاجز انسان بچے جیسا ہوتا ہے۔ وہ کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ صرف شکر کرتا ہے۔ وہ ہر شے کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ ایسی چیزوں کا بھی شکر ادا کرتا ہے، جن کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کا شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔

ایک صوفی گزرے ہیں، جن کا نام تھا جنید۔ وہ جب بھی عبادت کرتے تھے آخر میں خدا کا بے حد شکر ادا کرتے تھے۔ صوفیا بڑے عاجز لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ہر سرچشمے سے

فیضان پانے کے لیے کشادہ ہوتے ہیں۔ سچ تو سچ ہوتا ہے، وہ جس دروازے سے بھی تمہاری ہستی میں داخل ہوا سے قبول کرو۔

عاجز انسان غیر مشروط تشکر کی زندگی گزارتا ہے۔ وہ نہ صرف خدا کا شکر گزار ہوتا ہے، بلکہ انسانوں کا، درختوں کا، ستاروں کا، ہر شے کا شکر گزار ہوتا ہے۔

شرمیلا ہونا بھی انا کا ایک اور روپ ہے۔ شرم کو تقریباً زیور جیسی وقعت دے دی گئی ہے۔ جو شخص شرم محسوس کرتا ہو، خصوصاً مشرق کی عورت، اسے بہت دلکش سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ شرمیلا/شرمیلی ہوتی ہے۔ وہ اس لیے شرمیلے ہوتے ہیں کہ اسے عظیم وصف سمجھا جاتا ہے۔

مغرب میں دھیرے دھیرے عورت میں سے شرم ختم ہو رہی ہے کیونکہ اب اسے کوئی وصف نہیں سمجھا جاتا۔ یہ غلامی کی طویل روایت کی عکاس ہے۔ مغرب کی جدید عورت نے اسے جھٹک دیا ہے کیونکہ یہ بھی ایک طوق' ایک زنجیر ہے اور آزادی کے لیے اسے توڑنا ضروری ہے۔

تم کب کب شرم محسوس کرتے ہو؟ تم اس وقت شرم محسوس کرتے ہو جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے'' تم بہت خوبصورت ہو۔'' اور تم جانتے ہو کہ یہ سچ ہے کہ زیادہ لوگ خوبصورت نہیں ہیں۔ لیکن تقریباً ہر شخص کو کوئی احمق ایسا مل جاتا ہے جو کہتا ہے'' تم بہت خوبصورت ہو۔'' شرم یوں وارد ہوتی ہے کیونکہ تم جانتے ہو یہ سچ نہیں ہے۔ تاہم یہ انا کو خوب پھلا دیتی ہے۔

تم تجربہ کر سکتے ہو۔ تم کسی بدصورت ترین مرد یا عورت سے کہو دنیا نے تم جیسا خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔ تم تو قلوپطرہ سے بھی حسین ہو۔ اور تب وہ بدصورت ترین عورت بھی اسے رد نہیں کرے گی بلکہ وہ کہے گی'' تم واحد ایسے شخص ہو جو حسن شناس ہے۔۔۔''

یہ بھی انا ہی ہوتی ہے جو ایک مختلف کھیل کھیل رہی ہے۔

بے انا شخص کبھی شرم محسوس نہیں کرتا۔ اگر تم اس کے حوالے سے کوئی جھوٹی بات کہو گے تو وہ اسے رد کر دے گا۔ وہ اپنے مطلق مصدقہ پن میں اپنے آپ کو عیاں کر دینا چاہتا ہے۔

اور آخری بات ''خوف سے چھپنا۔'' یہ سب انا کے مختلف اظہار ہیں۔ ایک جھوٹی عاجزی، شرمیلا ہونا۔۔۔ یہ جانتے ہوئے کہ جو کہا جا رہا ہے سچ نہیں ہے۔۔۔ اور تیسری بات خوف سے چھپنا۔ انا کے سوا تم میں ایسی کوئی شے اور نہیں ہے کہ جو خوف محسوس کرتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انا واحد ایسی شے ہے جو کہ جعلی ہے اور جسے مرجانا ہے۔ نہ تو تمہارا جسم معدوم ہوگا۔۔۔ یہ صرف اپنے بنیادی عناصر کی طرف واپس چلا جائے گا۔۔۔ نہ ہی تمہارے شعور نے مرنا ہے، وہ اعلیٰ درجوں کا اپنا سفر جاری رکھے گا یا آخرکار وہ آفاقی شعور میں مدغم ہو جائے گا۔

تاہم یہ موت نہیں ہوتی۔ وہ عظیم تر، وسیع تر، ہو رہا ہے۔۔۔ لامتناہی اور ابدی۔ یہ نقصان نہیں ہے۔ انا واحد شے ہے جس نے مرنا ہے۔

جو شخص بے انا ہوتا ہے وہ بے خوف بھی ہوتا ہے۔

جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو یہ دانشورانہ امتیاز ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو یہ دانشورانہ فرق نہیں میرا تجربہ ہے۔ جس روز میری انا معدوم ہوئی میں نے ایک نئی قسم کی عاجزی پائی۔ مجھے پتہ چلا کہ کسی شے سے شرم کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے اور نہ ہی میں خوف سے چھپ رہا ہوں۔

یہ تمہارا تجربہ بھی بن سکتا ہے اور جب تک یہ تمہارا تجربہ نہیں بن جائے گا دانشورانہ فہم کافی نہیں رہے گی۔ مراقبہ تمہیں انا سے چھٹکارہ پانے میں مدد دے سکتا ہے اور یہ تینوں چیزیں غائب ہو جائیں گی۔

انا: ایک فکشن

انسان کا مرکز کُل کے مرکز سے الگ نہیں ہے۔ ہستی میں صرف ایک مرکز ہے۔ قدیم لوگ اسے تاؤ (TAO)، دھم، بھگوان کہا کرتے تھے۔ اب یہ لفظ پرانے ہو چکے ہیں۔ تم اسے سچ کہہ سکتے ہو۔ ہستی کا صرف ایک مرکز ہے۔ بہت سے مراکز نہیں ہیں۔ وگرنہ کائنات حقیقتاً ایک کائنات نہ ہوتی۔ یہ بہت سی کائناتوں میں بٹ جاتی۔ یہ ایک یونٹی (Unity) ہے اسی لیے اسے یونیورس (Universe) کہا جاتا ہے۔ یہ صرف ایک مرکز کی حامل ہے۔

تاہم اس نکتے پر اک ذرا گہرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مرکز میرا مرکز ہے، تمہارا مرکز ہے، ہر ایک کا مرکز ہے۔ مرکز ایک ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم بے مرکز ہو۔ مرکز ایک ہونے کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ تم ایک الگ مرکز کے حامل نہیں ہو۔ اس بات کو ذرا مختلف لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ تم ایک مرکز کے گرد بہت سے دائرے بنا سکتے ہو۔ تم ایک شانت جھیل میں کنکری پھینک سکتے ہو۔ کنکری کے گرنے سے ایک مرکز بنتا ہے اور اس کے گرد بہت سے دائرے بنتے ہیں اور دور کنارے تک پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ دائرے بہت سے ہوتے ہیں لیکن مرکز ایک ہوتا ہے۔

ہر شخص اس مرکز کو اپنا مرکز کہہ سکتا ہے۔ ایک طور سے وہ اسی کا مرکز ہے لیکن وہ صرف اسی کا نہیں ہے۔ دعوے کے ساتھ انا ابھرتی ہے۔ ''مرکز میرا ہے۔ یہ تمہارا مرکز نہیں ہے۔ یہ تو میرا ہے۔ یہ تو میں ہوں۔'' الگ مرکز کا تصور انا کی جڑ بنیاد ہے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے مرکز کے بغیر پیدا ہوتا ہے۔ نو ماہ تک ماں کی کوکھ میں ماں کا مرکز اس کا مرکز رہا ہوتا ہے۔ وہ ماں سے الگ جو نہیں ہوتا ہے۔ پھر وہ پیدا ہوتا ہے۔ تب اپنے الگ مرکز کا سوچنا فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ دوسری صورت میں زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ زندگی کی لڑائی میں' بقا کی جدوجہد میں ہر شخص کو ایک خاص تصور کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کون ہے۔ کوئی شخص کوئی تصور نہیں رکھتا۔ درحقیقت کوئی شخص کبھی کسی تصور کا حامل نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم عمیق ترین منطقے میں ایک بھید ہو۔ تم اس کے کسی تصور کے حامل نہیں ہو سکتے۔ عمیق ترین منطقے میں تم فرد' نہیں کائنات ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تم گوتم بدھ سے سوال کرتے کہ ''آپ کون ہیں؟'' تو وہ خاموش رہتے۔ وہ جواب نہ دیتے۔ وہ جواب دے بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ اب وہ الگ نہیں رہے۔ وہ کُل ہیں۔ تاہم عام زندگی میں گوتم بدھ کو لفظ ''میں'' استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اگر انہیں پیاس لگے تو وہ کہتے ہیں ''میں پیاسا ہوں۔ آنند' مجھے تھوڑا سا پانی دینا مجھے پیاس لگی ہے۔''

درست کہا جاتا تو وہ یوں کہتے ''آنند' تھوڑا سا پانی لے آؤ۔ کائنات کے مرکز کو اک ذرا پیاس لگی ہے۔'' تاہم یہ تھوڑا سا عجیب لگتا۔ بار بار یہ کہنا عجیب لگتا۔۔۔ کبھی کائناتی مرکز بھوکا ہوتا' کبھی کائناتی مرکز کو سردی لگتی اور کبھی کائناتی مرکز تھک جاتا۔ پس وہ پرانا بامعنی لفظ ''میں'' استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ ایک فکشن ہے' تاہم بڑا بامعنی ہے۔ بہت سے فکشن' بامعنی ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر تمہارا ایک نام ہے۔ یہ ایک فکشن ہے۔ تم کسی نام کے بغیر آئے تھے۔ تم اپنے ساتھ نام لے کر نہیں آئے تھے۔ تمہارا نام تو رکھا گیا تھا۔ بعد میں مسلسل اس نام سے پکارے جانے کی وجہ سے تم اس سے اپنی پہچان کروانے لگے۔ اگر تمہارا نام رام ہوتا اور تم یہاں تین ہزار سنیاسیوں کے درمیان سوئے ہوئے ہوتے۔ کوئی تمہارا نام لے کر پکارتا تو تم سوتے میں اسے سن لیتے اور اٹھ بیٹھتے کہ مجھے کس نے پکارا ہے۔ یہ پکار رام کے سوا کوئی نہ سنتا۔ نام تو اتنا گہرا نقش ہو جاتا ہے۔ یہ تمہارے لاشعور تک پہنچ جاتا ہے۔ تاہم یہ ایک فکشن ہوتا ہے۔

تاہم جب میں کہتا ہوں یہ فکشن ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ غیر

ضروری ہے۔ یہ نہ ہو تو تم لوگوں کو کس طرح پکارو گے؟ تمہیں کسی کو خط لکھنا ہو تو تم کس کو مخاطب کر کے لکھو گے؟

ایک بار ایک بچے نے بھگوان کو خط لکھا۔ اس کی ماں بیمار تھی اور باپ مر چکا تھا۔ ماں کے علاج کے لیے پیسے نہیں تھے۔ پس اس نے خط میں بھگوان سے پچاس روپے کا تقاضا کیا۔

خط پوسٹ آفس پہنچا تو وہ لوگ پریشان ہو گئے۔ خط پر بھگوان کا پتا جو لکھا تھا۔ آخر انہوں نے خط کھولنے کا فیصلہ کیا۔ عبارت پڑھ کر وہ سب بہت اداس ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب چندہ کر کے اس بچے کو بھگوان کی طرف سے پیسے بھجوا دیتے ہیں۔ سب نے تھوڑے تھوڑے پیسے دیئے تو کل ملا کر چالیس روپے بنے۔ سو چالیس روپے بچے کو پہنچا دیئے گئے۔

چند دنوں بعد بچے کا بھگوان کے نام بھیجا گیا دوسرا خط پوسٹ آفس پہنچا۔ خط میں لکھا تھا: ''اگلی مرتبہ مجھے پیسے براہِ راست بھیجنا۔ پوسٹ آفس والے اپنا کمیشن کاٹ لیتے ہیں۔ میں نے آپ سے پچاس روپے مانگے تھے لیکن پوسٹ آفس والوں نے چالیس روپے دیئے۔''

اگر کسی شخص کا نام نہ ہوتا تو بہت مشکل ہوتی۔ اگرچہ حقیقت میں کسی کا کوئی نام نہیں ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایک خوبصورت فکشن ہے۔ کوئی شخص اس بات کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا کیونکہ میرا خیال ہے انسانی تاریخ میں کسی کے اتنے نام نہیں رکھے گئے جتنے کہ میرے رکھے گئے ہیں۔

ناموں کی ضرورت دوسروں کو ہوتی ہے' تاکہ وہ تمہیں پکار سکیں۔ ''میں'' کی ضرورت تمہیں خود کو پکارنے کے لیے ہوتی ہے' تاہم یہ ہوتی محض فکشن ہے۔ اگر تم اپنی گہرائی میں جا کر دیکھو گے تو پاؤ گے کہ نام معدوم ہو چکا ہے ''میں'' کا تصور معدوم ہو چکا ہے' صرف ایک خالص ہونا بچ گیا ہے۔ ہستی بچ گئی ہے موجود بچ گیا ہے۔

اور یہ ہستی الگ نہیں ہوتی ہے' یہ تمہاری اور میری نہیں ہے۔ یہ ہستی سب کی ہستی

ہے۔اس میں چٹانیں' دریا' پہاڑ' درخت سب شامل ہیں۔اس میں سب کچھ شامل ہوتا ہے' خارج کچھ نہیں ہوتا۔تم اپنے اندر جتنا گہرا اترو گے' اتنا زیادہ پاؤ گے کہ شخص وجود نہیں رکھتا' فرد وجود نہیں رکھتا۔تب صرف آفاقی پن وجود رکھتا ہے۔محیط پر ہم ناموں کے حامل ہوتے ہیں' اناؤں کے' شناختوں کے حامل ہوتے ہیں۔جب ہم محیط سے مرکز میں اترتے ہیں تو تمام شناختیں غائب ہو جاتی ہیں۔

انا محض ایک مفید فکشن ہے۔

اسے استعمال کرو' لیکن اس سے دھوکا مت کھاؤ۔

چونکہ انا ایک فکشن ہے اس لیے ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ جب تم اس سے آزاد ہوتے ہو۔چونکہ یہ ایک فکشن ہے اس لیے یہ تبھی باقی رہ سکتی ہے کہ تم اسے سجاتے سنوارتے رہو۔فکشن کو سجانے سنوارنے کی حاجت ہوتی ہے۔سچ کو سجانے سنوارنے کی حاجت نہیں ہوتی۔یہ سچ کا حسن ہے تاہم فکشن؟ تمہیں اس کو مستقل طور پر سجانا سنوارنا پڑتا ہے جبکہ یہ مسلسل منہدم ہو رہا ہوتا ہے۔تم ایک پہلو کو سنوارتے ہو تو دوسرا منہدم ہونے لگتا ہے۔

لوگ ساری زندگی یہی کرتے رہتے ہیں۔فکشن کو سچ ظاہر کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔تم زیادہ رقم اکٹھی کر کے زیادہ بڑی انا کے حامل ہو سکتے ہو۔۔۔غریب آدمی سے تھوڑی زیادہ بڑی انا۔غریب آدمی کی انا چھوٹی ہوتی ہے۔وہ بڑی انا کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا۔کسی ملک کے وزیراعظم یا صدر بن جاؤ تمہاری انا اپنی انتہاؤں کو چھونے لگے گی۔تب تم زمین پر تو نہیں چلتے!

زندگی بھر دولت' شان وشوکت' اقتدار اور ایسی دوسری چیزوں کی تلاش انا کو سجانے سنوارنے' اسے تقویت دینے کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔۔۔کسی نہ کسی طرح فکشن کو باقی و برقرار رکھنے کی کوشش۔اس دوران ہمہ وقت تمہیں احساس رہتا ہے کہ موت آ رہی ہے۔چاہے تم کچھ بھی بنا لو موت اسے فنا کر دے گی۔تاہم انسان امید کے خلاف امید کرتا رہتا ہے۔۔۔ممکن ہے دوسرا مر جائے لیکن تم نہیں مرو گے۔

اور ایک اعتبار سے یہ سچ ہوتا ہے۔تم ہمیشہ دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہو۔تم نے کبھی اپنے آپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔پس یہ سچ بھی لگتا ہے' منطقی بھی لگتا ہے۔یہ شخص

مر جاتا ہے' وہ شخص مر جاتا ہے اور تم کبھی نہیں مرتے۔تم ہمیشہ ان کا سوگ منانے کے لیے موجود ہوتے ہو۔تم ہمیشہ انہیں الوداع کہنے قبرستان تک جاتے ہو اور پھر گھر واپس آ جاتے ہو۔

اس بات سے فریب مت کھاؤ۔کیونکہ وہ سب لوگ یہی کچھ کر رہے تھے۔کوئی شخص استثنا نہیں ہے۔موت آتی ہے اور تمہارے نام اور تمہارے شہرت کے سارے فکشن کو فنا کر دیتی ہے۔موت آتی ہے اور ہر شے کو مٹا ڈالتی ہے۔حد تو یہ ہے کہ قدموں کے نشان تک باقی نہیں رہتے ہیں۔ہم ساری زندگی جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ پانی پر لکھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔۔۔حتیٰ کہ ریت پر لکھنے کے مصداق بھی نہیں ہوتا' یہ پانی پہ لکھنے کے مصداق ہوتا ہے۔تم نے ابھی کچھ لکھا ہی ہوتا ہے کہ وہ مٹ بھی چکا ہوتا ہے۔تم اسے پڑھ بھی نہیں پاتے ہو۔۔۔قبل اس کے کہ تم اسے پڑھو' تحریر مٹ چکی ہوتی ہے۔

اس کے باوجود ہم ہیں کہ ہوا میں قلعے تعمیر کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک فکشن ہے اس لیے اسے مستقل طور پر سجانے سنوارنے کی ضرورت رہتی ہے۔ مسلسل کوشش' شب وروز کوشش اور کوئی شخص چوبیسوں گھنٹے محتاط نہیں رہ سکتا۔پس بعض اوقات ایسا ممکن ہو جاتا ہے کہ انا کی رکاوٹ نہیں رہتی ہے اور تم حقیقت کی کچھ جھلکیاں دیکھ لیتے ہو۔یاد رکھو ہر شخص کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ جب انا کے پردے کے بغیر تم حقیقت کی چند جھلکیاں دیکھ لیتے ہو۔

مثال کے طور پر ہر رات جب تم اتنی گہری نیند میں ہوتے ہو کہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تب انا معدوم ہو جاتی ہے' سارا فکشن غائب ہو جاتا ہے۔گہری' خوابوں سے خالی نیند ایک طرح کی چھوٹی سی موت ہوتی ہے۔خوابوں میں اس کا امکان ہے کہ تم انا کو یاد رکھ سکو۔لوگ خوابوں میں بھی اپنی انا کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔اسی وجہ سے نفسیاتی تحلیل میں تمہارے خوابوں میں گہرا اترنے کی کوشش کی جاتی ہے چونکہ خوابوں میں اس بات کا تھوڑا سا امکان ہوتا ہے کہ تم نے اپنی شناخت کو برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی ہو گی' اس لیے کوئی خلا ڈھونڈا جا سکتا ہے۔دن میں تو تم بہت چوکس ہوتے ہو۔تمہاری انا کے تحفظ کے لیے ایک پہرے دار ہوتا ہے' ایک ڈھال موجود ہوتی ہے۔تاہم خوابوں میں بعض اوقات تم ان کو فراموش کر دیتے ہو۔تاہم جو لوگ خوابوں پر تحقیق کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ خوابوں میں

بھی تم اپنی انا کا تحفظ کرتے رہتے ہو تاہم یہ عمل بہت لطیف ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تم ایک خواب میں دیکھتے ہو کہ تم نے اپنے چچا کو قتل کر دیا ہے۔ اگر اس پر غور کرو تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ دراصل تم اپنے باپ کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن تم نے اپنے چچا کو قتل کر دیا۔ تم نے اپنے آپ کو دھوکا دیا تھا۔ انا اپنا کھیل کھیل گئی تھی۔ تم تو اتنے اچھے شخص ہو' تم اپنے باپ کو کیسے قتل کر سکتے ہو؟ چچا تمہارے باپ جیسا لگتا ہے۔ اگرچہ کوئی شخص حقیقتاً اپنے چچا کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ چچا تو ہمیشہ پیارے ہوتے ہیں۔۔۔ کون ہے جو اپنے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہو؟ اور کون ہے جو اپنے باپ کو قتل کرنا نہ چاہتا ہو؟

باپ اور بیٹے میں شدید نفرت لازماً ہوتی ہے۔ باپ کو اپنے بیٹے کی تربیت کرنا ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے بیٹے کی آزادی کو محدود کرنا ہوتا ہے۔ اسے حکم و ہدایت دینا ہوتی ہے اور اسے انہیں ماننے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔ ہے یوں کہ کوئی شخص حکم و ہدایت ماننا نہیں چاہتا' کسی ڈسپلن کا پابند ہونا اور ''یہ کرنا چاہیے یہ نہیں کرنا چاہیے'' کی پابندی نہیں کرنا چاہتا۔ باپ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ بیٹا اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ سب سے زیادہ حسد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بیٹا ماں کو صرف اپنے لیے مختص دیکھنا چاہتا ہے' جبکہ باپ ہمیشہ درمیان میں آ جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ درمیان میں آ جاتا ہے یوں بیٹا نہ صرف باپ سے حسد کرنے لگتا ہے۔ بلکہ باپ بھی بیٹے سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی بیوی اور اس کے درمیان آ جاتا ہے۔

> ایک شخص نے اپنے بیٹے کی شادی کی۔ جب بارات دلہن لے کر گھر آ گئی اور دلہن کو حجلۂ عروسی میں بٹھا دیا گیا تو دلہا کسی کام سے تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا۔ وہ حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر شدید مشتعل ہوا کہ اس کا باپ اس کی بیوی کو آغوش میں لیے چوم رہا ہے۔ بیٹے نے غصے سے کہا یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''
>
> باپ بولا' ''میں وہ کر رہا ہوں جو تم ساری زندگی کرتے رہے ہو۔ کیا تم میری بیوی کو گلے نہیں لگاتے تھے؟ کیا تم اسے چوما نہیں کرتے تھے؟''

ممکن ہے باپ کچھ نہ بولے لیکن وہ ایسا ہی محسوس کرتا ہے۔ باپ اور بیٹے میں

ایک طرح کی رقابت ہوتی ہے۔۔۔ اسی طرح ماں اور بیٹی میں رقابت ہوتی ہے۔ یہ رقابت فطری ہوتی ہے۔ یہ حسد فطری ہوتا ہے۔ بیٹی باپ کو صرف اپنا دیکھنا چاہتی ہے لیکن ماں درمیان میں آ جاتی ہے۔ وہ بیٹی کو دشمن دکھائی دینے لگتی ہے۔

چچا بہت پیارے لوگ ہوتے ہیں لیکن خواب میں تم اپنے باپ کو قتل نہیں کرو گے۔ تمہارا اخلاقی ضمیر' جو کہ تمہاری انا کا ہی حصہ ہوتا ہے' تمہیں ایسا کرنے سے روک دے گا۔ تم اس کا متبادل پالو گے۔ یہ ایک چال ہوتی ہے۔

اگر تم اپنے خوابوں کا تجزیہ باریک بینی سے کرو تو تم دیکھو گے کہ انا بھی چالیں چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ انا اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ ''میں اپنے ہی باپ کو قتل کر رہا ہوں؟ میں تو بڑا فرماں بردار بیٹا ہوں' اپنے باپ کا احترام کرتا ہوں۔ اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔ اور میں اپنے باپ کو مارنے کی کوشش کر رہا ہوں؟'' انا اس خیال کو قبول نہیں کر سکتی۔ انا اس خیال کو تھوڑا سا دوسرے رخ کر دیتی ہے۔ چچا باپ سے بہت مماثل ہے' چچا کو قتل کر دو۔ یہ آسان لگتا ہے۔ چچا تو صرف ایک متبادل ہوتا ہے۔ خوابوں تک میں ایسا ہو رہا ہے۔

تاہم خوابوں سے خالی نیند میں انا مکمل طور پر معدوم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سوچ ہی نہیں ہے' خواب ہی نہیں ہیں تو تم ایک فکشن کو کیسے برقرار رکھ سکتے ہو۔ تاہم خوابوں سے خالی نیند بہت مختصر ہوتی ہے۔ آٹھ گھنٹوں کی صحت مندانہ نیند میں اس کا دورانیہ دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ دو گھنٹے بھی نہایت توانائی بخش ہوتے ہیں۔ اگر تم دو گھنٹے خوابوں سے خالی' گہری نیند سو لو تو صبح کے وقت تم نئے' تازہ اور زندہ ہوتے ہو۔ زندگی کا ولولہ دوبارہ آ جاتا ہے' دن ایک تحفہ لگتا ہے۔ ہر شے نئی محسوس ہوتی ہے' کیونکہ تم نئے ہوتے ہو۔ ہر شے خوبصورت لگتی ہے' کیونکہ تم ایک خوبصورت مقام پر ہوتے ہو۔

اس گہری نیند میں۔۔۔ جسے پتا نجلی ''سشپتی'' خوابوں سے خالی نیند کہتا ہے۔۔۔ کیا ہوتا ہے؟ انا غائب ہو جاتی ہے۔

اور انا کے غائب ہونے سے تمہیں نئی زندگی پالینے کا احساس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے تم دوبارہ جوان ہو گئے ہو۔ انا کے غائب ہونے سے۔۔۔ خواہ وہ گہرے لاشعوری پن میں غائب ہوئی ہو۔۔۔ تمہیں بھگوان کی جھلک مل جاتی ہے۔

پتانجلی کہتا ہے کہ "سشپتی" یعنی خوابوں سے خالی نیند اور سمادھی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ اگرچہ فرق ہے لیکن زیادہ فرق نہیں ہے۔ فرق شعور کا ہے خوابوں سے خالی نیند میں تم بے شعور ہوتے ہو' سمادھی میں تم باشعور ہوتے ہو۔ تاہم حالت ایک ہی ہے۔ تم بھگوان میں چلے جاتے ہو؟ تم آفاقی مرکز میں چلے جاتے ہو۔ تم محیط سے غائب ہو جاتے اور مرکز میں چلے جاتے ہو۔۔۔ اور مرکز سے صرف اس رابطے نے ہی تمہیں اتنی توانائی اور شباب عطا کر دیا ہے!!

جو لوگ سو نہیں سکتے وہ بڑے الم زدہ لوگ ہوتے ہیں۔۔۔ بڑے ہی الم زدہ۔ وہ بھگوان سے رابطے میں رہنے کا ایک فطری ذریعہ کھو چکے ہیں۔ ایک دروازہ بند ہو گیا ہے۔

یہ صدی ایسی پہلی صدی ہے جو بے خوابی کے مرض کی شکار رہے۔ ہم دوسرے سارے دروازوں کو بند کر چکے ہیں۔ اب ہم آخری دروازہ بند کر رہے ہیں۔۔۔ نیند کا دروازہ۔ یہ آفاقی توانائی سے آخری انقطاع لگتا ہے۔۔۔ یہ سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اب ایسے احمق لوگ بھی سامنے آ گئے ہیں جو اس موضوع پر کتابیں لکھ رہے ہیں کہ نیند ہمارے لیے ضروری نہیں ہے' یہ وقت کا ضیاع ہے۔ وہ درست کہتے ہیں یہ وقت کا ضیاع ہے۔۔۔ جو لوگ روپے اور کام کے حوالے سے سوچتے ہیں' جو لوگ کام کے نشئی ہیں ان کے لیے یہ وقت کا ضیاع ہے۔

الکوحل کے نشئی لوگوں کی طرح کام کے نشئی لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں پر کام کا خبط سوار ہوتا ہے۔ وہ آرام نہیں کر سکتے' وہ پُرسکون نہیں رہ سکتے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ لوگ مرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔

اب یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ نیند غیر ضروری ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ نیند ماضی کا ایک غیر ضروری خمار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں بجلی اور آگ نہیں تھی اس لیے لوگوں کو سو جانا پڑتا تھا۔ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لاکھوں سال میں پختہ ہونے والی ایک عادت ہے۔ اسے ترک کرنا ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ مستقبل میں نیند معدوم ہو جائے گی۔

روس میں بھی آہنی پردے کے پیچھے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ وہ ایسے آلات ایجاد کر رہے ہیں کہ لوگوں کو نیند میں بھی پڑھایا جا سکے۔۔۔ تعلیم کی ایک نئی قسم۔ وقت ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آخری اذیت ہوگی جو ہم اپنے بچوں کے لیے ایجاد کریں گے۔ ہم نے اسکول ایجاد کیے۔ ہم اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے سکولوں میں قید ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں سکولوں اور جیلوں کی دیواروں پر ایک سا رنگ کیا جاتا ہے۔ عمارتیں بھی ایک جیسی ہوتی ہیں۔۔۔ بھدی' حسن و جمال سے عاری۔ ان کے ارد گرد نہ درخت ہوتے ہیں نہ پرندے اور نہ جانور۔۔۔ کہ بچوں کی توجہ نہ بٹ جائے۔ اچانک کھڑکی سے کوئل کی آواز آنے لگے تو کون ریاضی کے احمق استاد کی باتیں سنے گا؟ استاد جغرافیہ یا تاریخ پڑھا رہا ہو اور کمرۂ جماعت میں ہرن آ جائے۔۔۔ بچوں کی توجہ بٹ جائے گی۔ پس انہیں فطرت سے دور کر دینا چاہیے' معاشرے سے دور کر دینا چاہیے۔ انہیں پانچ سے سات گھنٹے تک سخت بنچوں پر بیٹھنے پر مجبور کیا جائے۔

برسوں ایسا جاری رہتا ہے۔ تقریباً ایک تہائی زندگی سکولوں میں ضائع ہو جاتی ہے۔ تم انہیں غلام بنا دیتے ہو۔ اپنی باقی ماندہ زندگی میں وہ کام کے نشئی رہتے ہیں۔ وہ حقیقتاً چھٹی منانے کے قابل نہیں رہتے۔

اب یہ لوگ سوچ رہے ہیں کہ رات کا وقت کیوں ضائع کیا جائے؟ پس بچوں کو رات کے وقت بھی تعلیم دی جائے گی۔ وہ بستر میں سو رہے ہوں گے لیکن ان کے کان ایک مرکزی سکول سے رابطے میں ہوں گے اور ایک بہت لطیف انداز میں پیغامات ان کے دماغوں تک پہنچائے جائیں گے۔

اور پتا چلا ہے کہ انہیں جاگتے میں پڑھانے کی نسبت سوتے میں پڑھانا زیادہ آسان ہے۔ فطری بات ہے کہ جاگتے میں خواہ کتنا بھی تحفظ کیا گیا ہو تمہارے ذہن میں ایک ہزار خیالات آتے رہتے ہیں۔ جبکہ بچے توانائی سے اتنے بھرے ہوتے ہیں کہ ہر شے انہیں متوجہ کر لیتی ہے۔ ان کی توجہ مسلسل بٹتی رہتی ہے۔ یہ کچھ اور نہیں صرف توانائی ہوتی ہے۔ یہ کوئی گناہ نہیں ہے' وہ مردہ نہیں ہیں' اسی لیے تو ان کی توجہ بٹ رہی ہے۔

کوئی کتا بھونکنے لگتا ہے' باہر کوئی جھگڑا کرنے لگتا ہے' کوئی استاد سے کوئی چال چلتا ہے یا کوئی لطیفہ سناتا ہے۔۔۔ اور ایسی ہزاروں باتیں ہیں جو ان کی توجہ ہٹا دیتی ہیں۔ تاہم جب بچہ سو رہا ہوتا ہے۔۔۔ گہری نیند میں ہوتا ہے' جب خواب نہیں ہوتے' تب توجہ

نہیں بٹ سکتی۔اب اس خوابوں سے خالی نیند کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو ہستی کے آفاقی سر چشمے سے ہر طریقے سے منقطع کررہے ہیں۔ایسے بچے انتہائی بدصورت ہوں گے۔کیونکہ اس صورت میں انا کے غائب ہونے کا امکان تو ہے۔تب انا کے غائب ہونے کا آخری امکان بھی نہیں رہے گا۔

تاہم بچوں کو اذیت دینے کے لیے بادشاہ جنم لیتے رہے ہیں۔بچوں کو بلاوجہ ان کے نام اور تاریخیں یاد کرنا پڑتی ہیں۔بہتر تعلیم وہ ہوگی کہ جس میں ان فضول باتوں کو ترک کردیا گیا ہوگا۔موجودہ نصاب کا 90 فیصد حصہ بے کار ہے۔باقی دس فیصد کو بھی بہتر بنانے کی گنجائش ہے۔تب زندگی زیادہ پرمسرت پُرسکون اور آرام دہ ہوگی۔

چونکہ انا ایک فکشن ہے اس لیے وہ بعض اوقات غائب ہوجاتی ہے۔اس کا بہترین وقت خوابوں سے خالی نیند ہے۔پس یاد رکھو نیند بے حد قیمتی ہے۔اسے کسی بھی وجہ سے ضائع مت کیا کرو۔دھیرے دھیرے نیند کو عادت بنالو۔چونکہ جسم ایک میکانزم ہے اس لیے اگر تم نیند کے ایک معمول کی پابندی کروگے تو جسم اسے زیادہ سہل پائے گا اور جبکہ ذہن بھی غائب ہونا سہل پائے گا۔

ٹھیک وقت پر سونے چلے جاؤ۔اس کو پختہ معمول بنالو۔اگر تم ایک دن دیر سے سوؤ گے تو بہت نقصان ہوگا۔یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کمزور صحت کے حامل ہیں۔وہ ہر وقت اپنی صحت کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔اگر وہ اپنی صحت کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں گے تو وہ بھلے چنگے ہوجائیں گے۔تاہم اگر تم اپنے سونے کا ایک پختہ معمول بنالو۔۔۔ایک ہی وقت پر سویا کرو اور ایک ہی وقت پر جاگا کرو۔۔۔تو جسم اور ذہن میکانزم ہونے کی وجہ سے ایک خاص لمحے میں خوابوں سے خالی نیند میں چلے جائیں گے۔

بے انا تجربوں کا دوسرا عظیم ترین سرچشمہ جنس ہے۔اسے بھی پنڈتوں نے برباد کرکے رکھ دیا ہے۔انہوں نے اس کی اتنی تحقیر کی ہے کہ جنس اب ایک اتنا عظیم تجربہ نہیں رہی۔اتنے طویل عرصے سے جاری تحقیر نے لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل کردیا ہے۔حد تو یہ ہے کہ وہ جنسی عمل کرتے وقت بھی یہ سوچتے ہیں کہ وہ غلط کام کررہے ہیں۔ان پر خطا کا احساس طاری رہتا ہے۔حد تو یہ ہے کہ انتہائی ماڈرن نوجوان نسل بھی خطا کے اس احساس کا شکار رہتی ہے۔

ہوسکتا ہے سطح پر تم معاشرے سے بغاوت کرچکے ہو' ہوسکتا ہے سطح پر تم روایت پرست نہ رہے ہو۔تاہم چیزیں بہت گہری اتر چکی ہیں۔لہٰذا سطح پر بغاوت کا کوئی سوال نہیں ہے۔تم لمبے بال رکھ سکتے ہو' لیکن ان سے کچھ نہیں ہونے والا۔تم ہپی بن سکتے ہو' نہانا چھوڑ سکتے ہو لیکن اس سے کچھ نہیں ہوگا۔تم ہر طرح سے کوشش کرسکتے ہو' لیکن حقیقت میں کچھ نہیں ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ چیزیں بہت اتنی گہری اتر چکی ہیں جبکہ یہ سب اقدامات سطحی ہیں۔

ہمیں ہزاروں برس سے بتایا جارہا ہے کہ جنس سب سے بڑا گناہ ہے۔یہ بات ہمارے خون میں شامل ہوچکی ہے۔ہڈیوں کے گودے میں شامل ہوچکی ہے۔پس اگر تم شعوری طور پر جانتے بھی ہو کہ یہ عمل غلط نہیں ہے پھر بھی لاشعور تمہیں کسی حد تک الگ تھلگ' خوفزدہ' خطا کے احساس کا شکار رکھتا ہے اور تم اسے کاملیت کے ساتھ انجام نہیں دے سکتے ہو۔

اگر تم کاملیت کے ساتھ جنسی عمل کرو تو انا غائب ہوجاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے عروج پر' جنسی عمل کے کلائمیکس پر تم خالص توانائی ہوتے ہو۔ذہن عمل نہیں کرسکتا ہے۔اس مسرت میں' توانائی کے اس طرح سے پھوٹ بہنے سے' ذہن رک جاتا ہے۔یہ توانائی کا ایسا ابھار ہوتا ہے کہ ذہن کچھ نہیں کرسکتا۔ذہن نارمل صورت حال میں عمل کرنے کے قابل ہوتا ہے لیکن جب ایک بالکل نیا اور بہت جاندار تجربہ وقوع پذیر ہو تو وہ تھم جاتا ہے۔جبکہ جنسی عمل سب سے زیادہ جاندار عمل ہے۔

اگر تم جنسی عمل میں یکسر محو ہوجاؤ تو انا غائب ہوجائے گی۔یہ جنسی عمل کا حسن ہے۔گہری نیند میں بھی ایسا ہوتا ہے لیکن جنسی عمل میں انا کا غائب ہونا بہت مختلف اور بیش قدر ہے۔کیونکہ گہری نیند میں تم بے شعور ہوتے ہو اور جنسی عمل میں تم باشعور ہوتے ہو۔۔۔ذہن کے بغیر باشعور۔

پس تانترا کی عظیم سائنس ممکن ہوگئی ہے۔تانترا محبت کے عمل کو بھگوان کی طرف کھلنے والی کھڑکی قرار دیتا ہے۔یوگا کا راستہ بہت لمبا ہے کیونکہ بے شعور نیند کو شعور میں تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ممکن ہے اس میں کئی جنم لگ جائیں۔پتا نہیں تم اتنے لمبے عرصے تک صبر کرسکتے ہو کہ یوگی صرف جسمانی آسن ہی باندھتے رہتے ہیں۔وہ ان کی گہرائی میں نہیں جاتے۔اس میں ان کی ساری زندگی جو لگے گی۔بلاشبہ ان کی صحت بہت اچھی ہوتی ہے' وہ

لمبی عمر پاتے ہیں۔۔۔لیکن یہ بات اہم نہیں ہے۔تم دوڑنے‘ تیرنے سے بھی بہتر صحت پا سکتے ہو۔تم طبی تحفظ کے ذریعے بھی لمبی عمر پا سکتے ہو۔یہ بات اہم نہیں ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ تم نیند میں شعور بن جاؤ۔تمہارے نام نہاد یوگی تمہیں یہی سکھاتے رہتے ہیں کہ سر کے بل کس طرح کھڑے ہونا ہے اور اپنے جسم کو کس طرح توڑنا موڑنا ہے۔یوگا ایک قسم کا سرکس بن گیا ہے۔۔۔لایعنی! وہ اپنی حقیقی جہت کھو چکا ہے۔

میں نئے کمیون میں یوگا کا احیا اس کے حقیقی انداز میں کر رہا ہوں۔ہمارا ہدف یہ ہوگا کہ تمہیں نیند میں بھی شعور میں ڈھالا جائے۔یہ یوگا کا بنیادی نکتہ ہے۔اگر کوئی یوگی کچھ اور سکھا رہا ہے تو وہ سراسر بے کار ہے۔

تانترا نے ایک مختصر راستہ چنا ہے۔یہ زیادہ لذت انگیز بھی ہے! محبت کا عمل کھڑکی کھولنے میں مدد دے سکتا ہے۔ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تم پنڈتوں کی لگائی ہوئی قدغنوں کو ہٹا دو۔پنڈتوں نے یہ قدغنیں اس لیے لگائی ہیں تاکہ وہ تمہارے اور بھگوان کے درمیان وسیلہ بن جائیں‘ تاکہ بھگوان سے تمہارا براہ راست رابطہ منقطع ہو جائے۔اگر ایسا ہے تو فطری بات ہے کہ تمہیں رابطے کے لیے کسی کی ضرورت پڑے گی۔یوں پنڈت طاقتور اور بااختیار ہو جائے گا۔پنڈت صدیوں سے طاقتور اور بااختیار ہیں۔

جو کوئی بھی تمہیں حقیقی طاقت سے مربوط کروائے گا وہی طاقتور بن جائے گا۔ بھگوان حقیقی طاقت ہے‘ وہ تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔پنڈت صدیوں سے طاقتور ہیں۔۔۔بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور۔اب پنڈتوں کی جگہ سائنسدانوں نے لے لی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ فطرت میں چھپی طاقت کے دروازوں کو غیر مقفل کس طرح کیا جا سکتا ہے۔پنڈت جانتا تھا کہ تمہارا رابطہ بھگوان سے کیسے قائم کروایا جا سکتا ہے۔سائنس دان جانتا ہے کہ فطرت سے تمہارا رابطہ کیسے قائم کروایا جا سکتا ہے۔تاہم پنڈت کو پہلے تمہیں بھگوان سے الگ کرنا ہوتا ہے۔پس تمہارے اور بھگوان کے درمیان کوئی انفرادی رابطہ نہیں رہا۔پنڈتوں نے تمہارے داخلی سرچشموں کو تباہ کر دیا ہے۔پنڈت نہایت طاقتور بن چکا ہے اور ساری نوعِ انسان محبت سے خالی اور خطا کے احساس سے بھر گئی ہے۔

میرے لوگوں کو خطا کے اس احساس سے چھٹکارا پانا ہوگا۔محبت کرتے وقت

سوچو کہ تم پوجا کر رہے ہو‘ مراقبہ کر رہے ہو۔محبت کرتے وقت خوشبویات سلگاؤ‘ گانے گاؤ‘ رقص کرو۔تمہاری خواب گاہ کو ایک معبد ہونا چاہیے‘ ایک پوتر استھان۔محبت کے عمل میں جلدی مت کرو۔اس میں گہرا جاؤ۔اسے جتنا ممکن ہو آہستگی سے اور وقار سے انجام دو۔۔۔اور تم حیران رہ جاؤ گے۔تم کلید پا چکے ہو گے۔

بھگوان نے تمہیں کلیدوں کے بغیر دنیا میں نہیں بھیجا ہے۔تاہم تمہیں ان کلیدوں کو استعمال کرنا ہوگا۔تمہیں ان کو تالے میں ڈالنا اور گھمانا ہوگا۔

محبت ایک اور مظہر ہے۔امکانات سے معمور مظہر‘ کہ جس میں انا غائب ہو جاتی ہے اور تم باشعور ہو جاتے ہو۔۔۔مکمل طور پر باشعور۔تم فرد نہیں رہتے‘ تم کُل کی توانائی میں گم ہو جاتے ہو۔

دھیرے دھیرے اسے اپنا طرزِ زندگی بنا لو۔محبت کی انتہا پر جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے اسے تمہارا معمول بن جانا چاہیے۔۔۔صرف ایک تجربہ نہیں بلکہ معمول‘ تب تم کچھ بھی کرو گے۔۔۔صبح سویرے سورج طلوع ہو رہا ہے‘ تم سیر کر رہے ہو۔۔۔تو تمہیں وہی کچھ محسوس ہوگا‘ ہستی سے ویسا ہی انسلاک وانجذاب ہوگا۔زمین پر لیٹ کر ستاروں بھرے آسمان کو دیکھو گے تو تمہیں انجذاب کا ویسا ہی احساس ہوگا۔زمین پر لیٹ کر زمین سے مربوط ہونے کا احساس کرو۔

محبت کے عمل کو تمہیں دھیرے دھیرے یہ احساس عطا کرنا چاہیے کہ ہستی کے ساتھ محبت کیسے کی جا سکتی ہے۔تب انا ایک فکشن کے طور پر جانی جائے گی اور اس کا استعمال فکشن کے طور پر ہوگا۔اگر تم اسے فکشن کے طور پر استعمال کرو تو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

بعض دوسرے لمحات میں بھی انا غائب ہو جاتی ہے۔سخت خطرے کی گھڑی میں انا غائب ہو جاتی ہے۔تم کار ڈرائیو کر رہے ہو اور دیکھتے ہو کہ حادثہ ہونے ہی والا ہے۔تم کار کا کنٹرول کھو چکے ہو اور تمہیں خود کو بچانے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تم کسی درخت یا سامنے آنے والے ٹرک سے ٹکرانے ہی والے ہو یا دریا میں گرنے والے ہو۔ایسے لمحات میں انا اچانک غائب ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خطرناک صورت حال میں جانے میں اتنی زیادہ کشش ہوتی ہے۔

لوگ ایورسٹ پر چڑھتے ہیں۔ یہ ایک گہرا مراقبہ ہوتا ہے۔۔۔اگرچہ وہ اسے سمجھتے نہیں ہیں۔ کوہ پیمائی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ پہاڑوں پر چڑھنا خطرناک ہوتا ہے۔ یہ جتنا خطرناک ہے اتنا ہی خوبصورت بھی ہے۔ تم بے انائی کی عظیم جھلکیاں دیکھتے ہو۔ جب بھی خطرہ قریب ہوتا ہے ذہن تھم جاتا ہے۔ انسان صرف اس وقت سوچ سکتا ہے جب خطرے میں نہیں ہوتا۔ خطرہ تمہیں بے ساختہ بنا دیتا ہے اور اس بے ساختہ پن میں تم دفعتاً جانتے ہو کہ تم انا نہیں ہو۔ چونکہ لوگ مختلف ہوتے ہیں اس لیے انا کے غائب ہونے کے لمحات مختلف ہوتے ہیں۔ اگر تم ایک جمالیاتی دل رکھتے ہو تو خوبصورتی دروازے کھول دیتی ہے۔ صرف کسی خوبصورت عورت یا مرد کو پاس سے گزرتا دیکھ کر، حسن کے صرف ایک لمحے کے نظارے سے انا غائب ہو جاتی ہے۔

تالاب میں کنول کے پھول کو دیکھ کر، سورج کو غروب ہوتا یا پرندے کو اڑتا دیکھ کر حساسیت بیدار ہو جاتی ہے۔ اس لمحے کوئی شے تم پر اس قدر غلبہ پا لیتی ہے کہ تم ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتے ہو، تم خود کو ترک کر دیتے ہو۔۔۔تب بھی انا غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فکشن ہے اور تمہیں اسے ساتھ ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔

اگر تم اسے ایک لمحے کے لیے بھی بھول جاؤ تو یہ غائب ہو جاتا ہے۔

اور یہ اچھا ہے کہ چند لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ جب انا غائب ہو جاتی ہے اور تم سچ اور حقیقت کی ایک جھلک دیکھ لیتے ہو۔ ان جھلکیوں ہی کی وجہ سے دھرم مرا نہیں ہے۔ ایسا پنڈتوں کی وجہ سے نہیں ہوا۔۔۔ وہ تو اسے مارنے کے لیے سب کچھ کر چکے ہیں۔ ایسا نام نہاد مذہبی لوگوں کی وجہ سے نہیں ہوا۔۔۔جو گرجا گھروں اور مندروں کو جاتے ہیں۔ وہ لوگ مذہبی نہیں ہوتے، وہ تو اداکار ہوتے ہیں۔

دھرم ان چند لمحات کی وجہ سے نہیں مرا، جو تقریباً ہر شخص پر وارد ہوتے ہیں۔ ان پر زیادہ توجہ دو۔ ان لمحوں کی روح کو زیادہ جذب کرو، ان لمحات کو زیادہ وارد ہونے دو، ان لمحات کے رونما ہونے کے زیادہ مواقع پیدا کرو۔ بھگوان کو تلاش کرنے کا یہ سچا راستہ ہے۔ انا کے بغیر ہونا بھگوان میں ہونا ہے۔

انا سے کیسے نجات پائی جائے

انا ایک معمہ ہے۔ یہ اندھیرے جیسی کوئی شے ہے۔۔۔جسے تم دیکھ سکتے ہو جسے تم محسوس کر سکتے ہو، جو تمہارا راستہ روک سکتا ہے، لیکن وجود نہیں رکھتا۔ یہ کسی مثبت قدر کا حامل نہیں ہوتا۔ یہ تو بس ایک عدم ہے، روشنی کا عدم۔

انا وجود نہیں رکھتی ہے۔۔۔تم کس طرح اس سے نجات پا سکتے ہو؟

انا تو فقط آگہی کا عدم ہوتی ہے۔

کمرہ اندھیرے سے بھرا ہوا ہے تم چاہتے ہو کہ اندھیرا کمرے سے چلا جائے۔ تمہارے بس میں جو کچھ ہے تم کر سکتے ہو۔ اسے دھکے دو، اسے پیٹو۔۔۔لیکن تم کامیاب نہیں ہو گے۔ عجیب سی بات ہے کہ تمہیں ایک ایسی شے سے شکست ہو گی جو وجود ہی نہیں رکھتی۔ تھک ہار کر تمہارا ذہن کہے گا: اندھیرا اس قدر طاقتور ہے کہ اسے بھگانا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تاہم یہ نتیجہ درست نہیں ہے۔

صرف ایک چھوٹی سی شمع اندر لے آؤ۔ تمہیں اندھیرے کو بھگانا نہیں ہے۔ تمہیں اس سے لڑنا نہیں ہے یہ تو انتہائی حماقت ہے۔ صرف ایک چھوٹی سی شمع اندر لے آؤ اور اندھیرا کہیں نہیں ملے گا۔ ایسا نہیں کہ وہ باہر چلا گیا ہے۔۔۔وہ تو باہر جا ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ نہ تو وہ اندر تھا اور نہ ہی وہ باہر گیا ہے۔ روشنی اندر آتی اور باہر جاتی ہے۔ روشنی مثبت وجود رکھتی ہے۔ تم شمع جلاؤ گے تو اندھیرا نہیں رہے گا۔ تم شمع بجھاؤ گے تو اندھیرا ہو جائے

گا۔اندھیرے کے ساتھ کچھ کرنا ہوتو تمہیں روشنی کے ساتھ کچھ کرنا پڑتا ہے۔کیسی انوکھی بات ہے' کیسی غیر منطقی بات ہے۔تاہم تم کر ہی کیا سکتے ہو؟اشیاء کی فطرت ہی ایسی ہے۔

تم انا کوترک نہیں کرسکتے کیونکہ یہ وجود ہی نہیں رکھتی ہے۔

تم تھوڑی سی آگہی حاصل کرو' تھوڑا سا شعور' تھوڑی سی روشنی۔انا کو بالکل فراموش کردو' اپنی ہستی میں چوکسی لانے پرتمام تر توجہ مرکوز کردو' جس لمحے تمہارا شعور شعلہ بن جائے گا مرتکز ہو جائے گا' اسی لمحے تم انا کو پانے کے قابل ہو جاؤ گے۔پس اگر تم آگاہ نہیں ہوتو تم انا سے چھٹکارہ نہیں پاسکتے۔اگر تم آگاہ ہوتو انا سے چھٹکارہ پاسکتے ہو۔عقل مند انسان اس سے چھٹکارہ پانے کا نہیں سوچتے کیونکہ یہ وجود ہی نہیں رکھتی۔

انا ایک سراب ہے۔۔۔صرف ایسا لگتا ہے کہ وہ ہے۔جب تم روحانی اعتبار سے گہری نیند میں ہوتے ہوتو یہ انتہائی طاقتور ہو جاتی ہے۔یہ تمہارے لیے مسائل پیدا کرتی ہے۔تمہاری ساری مصیبتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔تمہاری ہر ٹینشن' ہر اضطراب اسی کا پیدا کردہ ہے۔تمہاری انا تمہاری زندگی کو جہنم بنادیتی ہے۔فطری بات ہے کہ تم اس سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہو اور ساری دنیا کے مذہبی پیشوا' اساتذہ تمہیں اس سے چھٹکارہ پانے کے طریقے سکھا رہے ہیں۔

جو شخص تمہیں انا سے چھٹکارہ پانے کا طریقہ بتاتا ہے وہ احمق ہوتا ہے۔وہ انا کی فطرت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔تاہم وہ تمہیں عقل مند دکھائی دیتا ہے۔وہ تمہیں قائل کرلیتا ہے۔وہ اس لیے قائل کرلیتا ہے کیونکہ وہ تمہارے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہا ہوتا ہے۔وہ تمہارا ترجمان ہوتا ہے۔۔۔تمہارا ذہن یہی کہتا ہے۔وہ تم سے زیادہ چرب زبان ہوتا ہے' وہ اپنے مؤقف کے حق میں ہر طرح کے دلائل اور ثبوت وشواہد لے آتا ہے کہ جب تک تم اپنی انا کوترک نہیں کرو گے تم اپنے آپ کو نہیں جان سکو گے۔فطری بات ہے کوئی شخص ایسے لوگوں پر اعتراض نہیں کرسکتا۔

تاہم میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کروں گا جو کہ اس کے برعکس ہے۔ایسا نہیں ہے کہ جب تم انا کوترک کرتے ہوتو اپنے آپ سے آگاہ ہوتے ہو۔خود آگہی پہلے ہوتی ہے اور پھر تم انا کو پاسکتے ہو۔

یہی اس سے چھٹکارہ ہوتا ہے۔

7

مراقبہ' ذہانت' مشاہدہ

❖.... تم جو کچھ اپنے لیے ہو' دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ ہو۔اگر تمہیں اپنے آپ سے محبت ہے تو تم دوسروں سے بھی محبت کرو گے۔

❖.... بہار تمہارے بس سے باہر ہوتی ہے۔تاہم اگر تمہاری تیاری مکمل ہے تو بہار ضرور آئے گی۔

❖.... تمہیں دو لمحے اکٹھے نہیں دیئے جاتے۔ہمیشہ صرف ایک لمحہ دیا جاتا ہے۔

مراقبہ کیا ہے؟

''ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ ایک خیال بوؤ، ایک عمل پاؤ۔
ایک عمل بوؤ، ایک عادت پاؤ۔ ایک عادت بوؤ، ایک کردار پاؤ۔
ایک کردار بوؤ ایک مقدر پاؤ۔''

اور میں کہتا ہوں، کچھ نہ بوؤ اور مراقبہ یا محبت پاؤ۔

کچھ نہ بونا۔۔۔ مراقبہ یہی کچھ ہے۔ اس کا فطری نتیجہ محبت ہوتی ہے۔ اگر مراقبے کے سفر کے اختتام پر محبت کا پھول نہ کھلے تو پھر سارا سفر بے کار ہے۔ کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تم نے سفر آغاز کیا لیکن منزل پر نہیں پہنچے۔

محبت امتحان ہے۔ محبت مراقبے کا امتحان ہے۔ یہ ایک سکے کے دو رخ ہیں، ایک ہی توانائی کے دو پہلو۔ جب ایک ہوتا ہے تو دوسرا بھی وہیں ہوتا ہے۔ اگر ایک نہیں ہے تو دوسرا بھی نہیں ہے۔

مراقبہ ارتکاز نہیں ہے۔ ممکن ہے ارتکاز کرنے والا شخص محبت تک نہ پہنچے۔ درحقیقت وہ پہنچے گا بھی نہیں۔ ارتکاز کرنے والا شخص زیادہ متشدد ہو سکتا ہے کیونکہ ارتکاز کشیدہ (TENSE) رہنے کی تربیت ہے۔ ارتکاز ذہن کو تنگ رکھنے کی کوشش ہے۔ یہ تمہارے شعور کے ساتھ تشدد ہے جب تم اپنے شعور کے ساتھ متشدد ہوتے ہو تو تم دوسروں کے ساتھ غیر متشدد نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے لیے جو کچھ ہو دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ ہو گے۔

اسے اپنی زندگی کا ایک بنیادی اصول بنالو۔تم جو کچھ اپنے لیے ہو' دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ ہو۔اگر تمہیں اپنے آپ سے محبت ہے تو تم دوسروں سے بھی محبت کرو گے۔اگر تم اپنی ہستی کے بیچ بہہ رہے ہو تو تم تعلقات میں بھی رواں رہو گے' اگر تم اندر سے منجمد ہو تو تم باہر سے بھی منجمد ہو گے۔داخل ہی خارج بنتا ہے۔داخل اپنے آپ کو خارج میں ظاہر کرتا ہے۔

ارتکاز مراقبہ نہیں ہے۔ارتکاز ایک سائنسی طریقہ ہے۔ایک سائنس دان کو گہرے ارتکاز کی ضرورت ہوتی ہے۔تاہم سائنس دان سے ہمدرد انسان ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔درحقیقت سائنسدان تو فطرت کے ساتھ زیادہ متشدد بن جاتا ہے۔تمام سائنسی ترقی کی بنیاد فطرت سے تشدد ہے۔یہ وہ تخریب کار ہوتا ہے۔سائنس دان سب سے پہلے اپنے وسعت پذیر شعور کے لیے تباہ کن ہوتا ہے۔وہ اپنے شعور کو وسعت دینے کی بجائے اسے محدود کر دیتا ہے۔وہ اسے مخصوص' یک سو بنا دیتا ہے۔یہ بربادی ہے' تشدد ہے۔

پس یاد رکھو مراقبہ ارتکاز نہیں ہے۔یہ سوچنا نہیں ہے۔ہوسکتا ہے تم بھگوان کے بارے میں سوچ رہے۔تب بھی یہ سوچنا ہوتا ہے۔ممکن ہے تم دولت کے بارے میں سوچ رہے ہو' ممکن ہے تم بھگوان کے بارے میں سوچ رہے ہو۔۔۔تاہم بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔سوچنا جاری رہتا ہے' صرف موضوع بدل جاتا ہے۔پس اگر تم دنیا کے بارے میں یا جنس کے بارے میں سوچ رہے ہو تو کوئی شخص اسے مراقبہ نہیں کہے گا۔اگر تم نیکی کے' بھگوان کے بارے سوچ رہے ہو' اگر تم یسوع مسیح کے' کرشن کے' بدھ کے بارے میں سوچ رہے ہو تو پھر لوگ اسے مراقبہ کہیں گے۔

(تاہم یہ مراقبہ نہیں ہوتا' یہ اب بھی سوچنا ہی ہوتا ہے۔تم اب بھی دوسروں کے بارے میں سوچ رہے ہو۔اب بھی دوسرا موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ مراقبہ کیا ہے؟ مراقبہ یہ ہے کہ تم صرف اپنی موجودگی سے مسرور ہو۔مراقبہ تمہارا اپنی ہستی میں مسرور ہونا ہے۔یہ بہت سادہ ہے۔۔۔شعور کی ایک کاملاً پُرسکون حالت' جس میں تم کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔جس لمحے تم کچھ کرو گے' تم کشیدہ

ہو جاؤ گے' فوراً اضطراب در آئے گا۔اب کیا کیا جائے؟ کامیابی کیسے ممکن ہے؟ ناکامی سے کیسے بچا جائے؟ تم تو پہلے ہی مستقبل میں جا چکے ہو۔

اگر تم ارتکاز کر رہے ہو تو تم ارتکاز کیسے کر سکتے ہو؟ تم ان جانے پر ارتکاز کیسے کر سکتے ہو؟ تم جانے نہ جاسکنے والے پر کیسے ارتکاز کر سکتے ہو؟ تم چبائے ہوئے کو بار بار چبا سکتے ہو۔اگر تمہیں یسوع کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو تم بار بار سوچو گے۔اگر تم کرشن کے بارے میں کچھ جانتے ہو تو تم بار بار سوچو گے۔تم مسلسل تبدیلی کر سکتے ہو' سجا سنوار سکتے ہو۔۔۔تاہم یہ عمل تمہیں نامعلوم کی طرف نہیں لے جائے گا۔

مراقبہ فقط ہونا ہے' کچھ کرنا نہیں۔۔۔نہ کوئی عمل' نہ کوئی سوچ' نہ کوئی جذبہ۔تم تو بس ہوتے ہو۔اور یہ نہایت سرور بخش ہوتا ہے۔جب تم کچھ نہیں کر رہے ہو تو یہ سرور کہاں سے آتا ہے؟ یہ کہیں سے نہیں آتا' یہ ہر کہیں سے آتا ہے۔یہ بے سبب ہوتا ہے' کیونکہ ہستی نے اس شے کو بنایا ہے' جسے خوشی کہا جاتا ہے۔اس کو کسی سبب کی حاجت نہیں ہوتی' کسی وجہ کی حاجت نہیں ہوتی۔اگر تم ناخوش ہو تو تمہارے ناخوش ہونے کی وجہ ہوسکتی ہے' لیکن اگر تم خوش ہو تو تم بس خوش ہوتے ہو۔۔۔اس کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔تمہارا ذہن سبب ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ سبب کے بغیر کسی شے پر یقین نہیں کر سکتا۔۔۔وہ ایسی شے پر قابو جو نہیں پاسکتا۔بے سبب کے سامنے تو ذہن غیر اہم ہو جاتا ہے۔پس ذہن کوئی نہ کوئی سبب ڈھونڈنے لگ جاتا ہے۔تاہم میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم جب بھی خوش ہوتے ہو تو تم بلا وجہ' بے سبب خوش ہوتے ہو۔جب بھی تم ناخوش ہوتے ہو تو ناخوشی کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تم خوشی ہی سے تو بنائے گئے ہو' خوشی عین تمہاری ہستی ہے' یہ تمہارا داخلی مرکز ہے' خوشی تمہارا داخلی مرکز ہے!

درختوں کو دیکھو' پرندوں کو دیکھو' بادلوں کو دیکھو' ستاروں کو دیکھو۔۔۔اور اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو تم دیکھ سکو گے کہ ساری ہستی خوش ہے۔ہر شے خوش ہے۔درخت بے سبب خوش ہیں' وہ وزیراعظم یا صدر بننے والے نہیں ہیں' وہ دولت مند بننے والے نہیں ہیں اور نہ ہی کبھی ان کا کوئی بینک بیلنس ہوتا ہے۔پھولوں کو دیکھو۔۔۔بلا وجہ' بے سبب۔پھول اتنے خوش ہوتے ہیں کہ یقین نہیں آتا۔

ساری کائنات اس مادے سے بنی ہے' جسے خوشی کہتے ہیں۔ ہندو اسے ست چت آنند کہتے ہیں۔ آنند کا مطلب ہے خوشی۔ اس لیے کسی سبب' کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم اپنے ساتھ ہو سکتے ہو' کچھ نہ کرتے ہوئے' صرف اپنے آپ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے' تو محض اپنے ساتھ ہونے سے کہ تم ہو' صرف اس بات پر خوش ہونے سے کہ تم سانس لے رہے ہو' صرف اس بات پر خوش ہونے سے کہ تم ان پرندوں کی چہچہاہٹ سن رہے ہو' بلاوجہ' بے سبب' تب تم مراقبے میں ہوتے ہو۔ مراقبہ یہاں' لمحۂ موجود میں ہونا ہے۔

اور جب کوئی شخص بے سبب خوش ہوتا ہے تو تم اس خوشی کو اپنے اندر محدود نہیں رکھ سکتے۔ یہ دوسروں تک پھیلنے لگتی ہے۔ یہ مشترک ہو جاتی ہے۔ تم اسے محدود نہیں رکھ سکتے۔ یہ ہوتی ہی اتنی بہت ہے۔ یہ لامحدود ہوتی ہے۔ تم اسے اپنے ہاتھوں میں نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں اس کو پھیلنے دینا پڑتا ہے۔ مہربانی یہی تو ہے۔

مراقبہ تمہارا اپنے ساتھ ہونا اور مہربانی اس ہستی کا چھلکاؤ۔

ذہانت کیا ہے؟

تم نے جو سوال پوچھا ہے وہ بہت اہم ہے۔ ''ذہانت کیا ہے؟ کیا یہ ذہن اور اس کی حدود سے ماورا کوئی حالت ہے؟'' ہاں ذہانت کا تعلق ذہن سے نہیں ہوتا ہے۔ ذہانت تو تمہاری ہستی کی ایک صفت ہے۔ تاہم ذہن کو اس کے وسیلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے الجھن پیدا ہوتی ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ ذہانت کا تعلق ذہن سے ہے۔۔۔ یہ ذہن سے آئی ہے۔ ذہن تو اس کے اظہار کا ایک آلہ ہے۔

ذہن ایک حیاتیاتی کمپیوٹر ہے۔ یہ کمپیوٹر کی طرح یادداشتی نظام (میموری سسٹم) کا حامل ہوتا ہے۔ تم میموری سسٹم میں چیزیں ڈالتے ہو اور ذہن انہیں یاد رکھتا ہے۔ تاہم یادداشت ذہانت نہیں ہے۔

ذہانت ایسی اشیا کی واضح بصیرت ہے جن کے حوالے سے تمہیں کوئی معلومات نہیں ہوتیں۔ یادداشت صرف ان اشیا کے حوالے سے عمل کر سکتی ہے جن کا تمہیں علم ہوتا ہے۔۔۔ تاہم زندگی معلوم' نامعلوم اور ناقابلِ علم پر مشتمل ہے۔ جہاں تک معلوم کا تعلق ہے تو اس کے لیے یادداشت کافی ہے۔

تمہاری ساری یونیورسٹیاں اور سارے تعلیمی نظام یہی کچھ کر رہے ہیں۔ وہ صرف تمہاری یادداشت کو زیادہ سے زیادہ معلومات دے رہے ہیں اور تمہاری یادداشت کے نظام کو جس شے کے بارے میں علم ہوتا ہے تم اس کا فوراً جواب دے سکتے ہو۔ اس

جواب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم ذہین ہو۔

ذہانت کا پتا صرف تب چلتا ہے جب تمہارا سامنا نامعلوم سے ہوتا ہے، جس کے بارے میں تمہاری یادداشت میں کچھ نہیں ہوتا، جس کے بارے میں تمہیں پہلے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ جس وقت تمہارا سامنا نامعلوم سے ہوتا ہے، وہی وقت فیصلہ کن ہوتا ہے۔ تم کیسے جواب دیتے ہو؟ تم ذہانت سے جواب دے سکتے ہو یا تم حماقت سے جواب دے سکتے ہو؟

مثال کے طور پر جرمنی ایک ایسا ملک ہے جہاں آبادی کم ہو رہی ہے۔ حکومت پریشان ہے کیونکہ تین ہزار لوگ ملک سے نکل یا مر رہے ہیں۔ جبکہ تیس ہزار لوگ دوسرے ملکوں سے آ رہے ہیں۔ حکومت پریشان ہے کہ صرف دس سال کے اندر اندر جرمنی جرمنوں کا ملک نہیں رہے گا۔ ان کی آبادی کم ہو رہی ہے جبکہ دوسرے ملکوں سے زیادہ لوگ جرمنی آ رہے ہیں۔

ہندوستان کی آبادی 1947ء میں آزادی کے وقت 40 کروڑ تھی۔ اب اس ملک کی آبادی 90 کروڑ ہے۔ 50 کروڑ افراد کا اضافہ ہو چکا ہے۔ 1947ء میں بھی یہ ملک غریب تھا اور برطانیہ نے اسے اسی لیے آزادی دینے میں جلدی کی تھی کہ وہ اسے غریب بنانے کا الزام نہیں لینا چاہتا تھا۔ برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن کو اس ہنگامی ہدایت کے ساتھ ہندوستان بھیجا تھا ''جو کچھ بھی ہو جائے 1948ء سے پہلے پہلے۔۔۔ 1948ء ڈیڈ لائن تھی۔۔۔ تمہیں ہندوستان کو آزادی دینا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ کیا ہونے والا ہے اور سارا الزام ہم پر آ جائے گا۔ پس جلدی کرو۔''

اور ماؤنٹ بیٹن نے حقیقتاً اپنا کام جلد انجام دیا۔ اس نے 1948ء سے ایک سال پہلے ہی۔۔۔ 1947ء میں ہندوستان کو آزادی دے دی۔ ایٹلی بہت خوش تھا۔ کسی ہندوستانی لیڈر نے سوچا تک نہیں آخر انگریزوں کو ایسی کیا جلدی ہے۔ 1947ء میں برطانیہ ہندوستان کو آزادی دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس وقت ہندوستان آزادی کے لیے لڑنے پر تیار تھا۔ برطانیہ نے 1942ء میں صرف نو دن کے اندر ہندوستانیوں کی بغاوت کچل دی تھی۔ کوئی ہندوستانی لیڈر بشمول مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے یہ نہیں دیکھ سکا کہ انگریز انہیں

آزادی دینے میں اچانک اتنی دلچسپی کیوں لینے لگے ہیں۔ اس وقت بغاوت نہیں ہو رہی تھی۔ 1942ء کے بعد ہندوستانی لیڈر امید کھو چکے تھے کیونکہ ان کی بغاوت کو نو دن کے اندر کچل دیا گیا تھا۔ وہ انسانی تاریخ کی سب سے چھوٹی بغاوت تھی! اور پھر اچانک انگریزوں نے خود فیصلہ کر لیا۔۔۔ وہ ذہین تھے اس لیے کسی نامعلوم شے کو دیکھ سکتے تھے۔ تم آزادی کا مطالبہ نہیں کر رہے ہو اور وہ تمہیں آزادی دینے پر تیار ہیں۔ آخر ایسے کون سے نئے عوامل رونما ہو گئے ہیں۔ تاہم کسی نے اس حوالے سے غور نہیں کیا وہ تو بس خوش تھے کیونکہ وہ بوڑھے ہو رہے تھے اور اگر آزادی ان کی زندگی میں نہ ملتی تو ان کو کیا فائدہ ہوتا۔ شاید تاریخ میں ان کا نام رہ جاتا لیکن وہ ہمارے ملک کے عظیم لیڈر نہ ہوتے۔

وہ بے حد خوش تھے۔ بچوں کی طرح خوش تھے کہ آزادی آ چکی ہے۔ تاہم انہوں نے اس کے بارے میں بالکل نہیں سوچا کہ کبھی کسی سامراجی طاقت نے غلاموں کو اتنی عجلت میں آزادی دی ہے حالانکہ غلام بالکل خوش تھے اور کوئی بغاوت بھی برپا نہیں ہوئی تھی۔ نیز اگلے بیس سال تک کسی بغاوت کا امکان نہیں تھا۔

صورت حال کو سمجھنے کے لیے ذہانت کی ضرورت تھی۔ سوال یادداشت کا نہیں تھا کیونکہ صورت حال نہیں تھی۔ ہندوستان کی آبادی 40 کروڑ ہو چکی تھی اور برطانیہ دیکھ سکتا تھا کہ اگر آبادی میں اضافے کی شرح یہی رہی تو جلد ہی اس ملک میں قحط پھیل جائے گا۔ وہ اس کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتے تھے۔

میں 1950ء سے کہہ رہا ہوں کہ ہندوستان کو برتھ کنٹرول کی ضرورت ہے۔ لوگوں نے میری مذمت کی، مجھے برا بھلا کہا گیا۔ لوگوں نے کہا ''تم دھرم کے خلاف بات کر رہے ہو۔ بچے تو بھگوان دیتا ہے۔۔۔ ہم انہیں پیدا ہونے سے کیسے روک سکتے ہیں؟''

میں انہیں کہتا ''تم بیمار ہوتے ہو، بھگوان بیماری بھیجتا ہے نا؟ تو پھر تم ڈاکٹر کو کیوں بلاتے ہو؟ اگر بھگوان چاہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ تو وہ دوائی بھی بھیج دے گا۔''

وہ مجھ سے بحث مباحثہ کرتے تھے۔ پوری کے شنکر اچاریہ نے خود آ کر مجھ سے بحث کی۔ اس نے کہا ''برتھ کنٹرول کے طریقے مصنوعی ہیں۔''

میں نے پوچھا ''مصنوعی سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

اس نے جواب دیا" "انہیں بھگوان نے نہیں بنایا؟"

میں نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے ٹرینیں بھگوان نے بنائی ہیں؟ جہاز بھگوان نے بنائے ہیں؟ تم جو دوائیں کھا رہے ہو انہیں بھگوان نے بنایا ہے؟"

اس نے موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔ میں نے کہا" اس عینک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔۔۔ کیا تم اسے بھگوان کے گھر سے لائے ہو؟ کیا یہ عینک تم پیدا ہوتے وقت ساتھ لائے تھے؟ بھگوان نے تمہیں آنکھیں دی تھیں اور تمہیں آنکھوں ہی کے ساتھ رہنا چاہیے۔۔۔ اس بھاری عینک کو لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ مصنوعی ہیں۔ ہر مصنوعی شے ٹھیک ہے لیکن برتھ کنٹرول کے طریقوں پر اس لیے عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مصنوعی ہیں۔"

وہ مجھ سے اتنا ناراض ہوگیا کہ اس نے اس جلسے میں میری موجودگی میں تقریر کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے کہا۔ "میں اس شخص کی موجودگی میں تقریر نہیں کرسکتا یا تو یہ تقریر کرے گا یا میں۔"

اور میں انہیں بتا رہا تھا کہ وہ جلد ہی مشکل سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اب حکومت پریشان ہے، مذہبی پیشوا پریشان ہیں۔ چونکہ میری بات ان کے یادداشت کے نظام کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے مجھے برا بھلا کہا، وگرنہ محض تھوڑی سی ذہانت سے بات سمجھ میں آسکتی تھی۔

سائنس دانوں نے پیش گوئی کی ہے کہ اس صدی کے اختتام تک ہندوستان کی آبادی ایک ارب ہوجائے گی۔۔۔ ایک سو کروڑ افراد، اور یہ کم سے کم تخمینہ ہے۔ زیادہ ترقی پسند اور زیادہ ذہین لوگوں نے تخمینہ لگایا ہے کہ اس صدی کے اختتام تک ہندوستان کی آبادی ایک ارب 80 کروڑ ہوگی یعنی موجودہ آبادی سے دگنا۔

اس صدی کے اختتام تک ہندوستان کی آدھی آبادی مرجائے گی اور جب دو میں سے ایک شخص نے مرجانا ہے تو ذرا زندہ بچ جانے والوں کے بارے میں سوچو، جنہیں لاشوں میں جینا ہوگا۔ ان کی حالت تو مردوں سے بھی بدتر ہوگی۔ مردہ لوگ کم از کم سکون سے تو ہوں گے۔

تاہم برتھ کنٹرول کے بارے میں بات کرنا یادداشت کے خلاف ہے۔ سسٹم کے خلاف ہے، ذہن کے خلاف ہے کہ جسے صدیوں سے یہی کچھ بتایا جارہا ہے لیکن جو اس بات سے بے خبر ہے کہ ایک بالکل نئی صورت حال ابھر رہی ہے۔ ہندوستان کبھی زیادہ آبادی والا ملک نہیں رہا ہے۔ چین ایسا ملک تھا۔ تاہم اس صدی کے آخر تک ہندوستان چین سے آگے ہوگا۔ چین زیادہ ذہانت سے کام کر رہا ہے۔

تاہم حقیقی ذہین لوگ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ والے ہیں۔ جہاں آبادی کم ہو رہی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی بڑھتی ہوئی موت ہوتی ہے۔ صورت حال نئی ہے اس لیے اس کا سامنا کرنے کے لیے نئے نئے طریقوں کی ضرورت ہے۔

ذہانت کا مطلب ہے نئی صورت حال کا سامنا کرنے کی استعداد، اس کا ماخذ تمہاری ہستی ہے۔۔۔ ذہن تو محض وسیلہ ہے۔۔۔ آگہی کی ایک قسم۔۔۔ کہ ذہن کیا ہے؟ اس سے بے تعلق رہتے ہوئے تم صرف دانش ورانہ اعتبار سے اس کے بارے میں سوچ رہے ہوتا ہم جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر وہ تمہارا تجربہ بن گیا تو یہ تمہاری ساری زندگی کو بدل دے گا۔

ذہانت مشاہدے کی صفت ہے۔ یہ ذہن کا مشاہدہ کرتی ہے اور ذہن کو ہدایات دیتی ہے۔ اس وقت تمہارے ذہن میں جو کچھ ہے وہ باہر سے آیا ہوا ہے۔ ذہانت تمہارے اندر سے آتی ہے۔ تعلیم کا مطلب تمہیں ہر طرح کے بے کار ہنر سکھانا رہا ہے۔ کہیں بھی ایسی کوشش نہیں کی جاتی کہ جس سے تمہاری ذہانت باہر آئے۔ ذہانت تم میں پہلے سے موجود ہے۔ اسے صرف ایک راستہ چاہیے۔

مراقبہ راستہ کھولتا ہے۔ یہ تمہاری ہستی کو آقا اور تمہارے ذہن کو محض ایک خادم بنا دیتا ہے۔

یادداشت باہر سے آتی ہے۔ ذہانت تمہارے داخلی سرچشمے سے آتی ہے، عین تمہاری زندگی سے، صورتِ حالات کا جواب دیتے ہوئے۔

"کیا، مراقبہ ذہانت سے مربوط ہے؟"

مراقبہ تمہاری ہستی سے جڑا ہوا ہے اور تمہاری ہستی کے کئی پہلو ہیں: ذہانت، مہربانی، وقار، تشکر، پوجا، محبت، ہمدردی۔۔۔ تمہاری ہستی کا خزانہ ختم نہ ہونے والا

ہے۔ذہانت اس خزانے کا صرف ایک حصہ ہے۔

ہر شخص ایک جیسے امکانات کے ساتھ جنم لیتا ہے۔فرق صرف اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ ہم اپنے امکانات کو یکساں انداز میں استعمال نہیں کرتے۔

تم یہ جان کر حیران ہو گے کہ جینیس کہلانے والا آئن سٹائن بھی اپنی صلاحیتوں کا صرف 15 فیصد استعمال کر سکا تھا۔تم جن لوگوں کو بہت باصلاحیت سمجھتے ہو' وہ اپنی صلاحیتوں کا صرف 5 سے 7 فیصد استعمال کرتے ہیں۔

اگر ہر شخص اپنی صلاحیتیں سو فیصد استعمال کرے تو دنیا بالکل مختلف ہو جائے۔

مراقبہ تمہیں صرف اپنی صلاحیت سے آگاہ کروا سکتا ہے۔مراقبہ صرف راستہ بنا سکتا ہے' جس کے ذریعے تمہاری صلاحیت پروان چڑھ سکتی ہے اور اپنا اظہار کر سکتی ہے۔جہاں تک ذہانت کا تعلق ہے تو کوئی شخص اس سے عاری نہیں اور نہ ہی غیر مساوی ہے۔نابرابری صرف ذہانت کے ہمارے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔کچھ لوگ تو اسے استعمال ہی نہیں کرتے۔

مشاہدہ

مراقبے کا راستہ بہت لمبا ہوتا ہے۔جب میں کہتا ہوں کہ ''مراقبہ مشاہدہ ہے'' تو یہ مراقبے کا آغاز ہوتا ہے۔جب میں کہتا ہوں ''مراقبہ لاذہنی ہے'' تو یہ سفر کا اختتام ہوتا ہے۔مشاہدہ آغاز ہے' اور لاذہنی سفر کی تکمیل ہے۔مشاہدہ لاذہنی کو پانے کا طریقہ ہے۔فطری بات ہے تمہیں مشاہدہ آسان لگتا ہے۔

تاہم مشاہدہ صرف بیجوں کے مانند ہوتا ہے' پھر انتظار کا ایک طویل دورانیہ آتا ہے۔۔۔نہ صرف انتظار بلکہ بھروسے کا بھی۔۔۔کہ بیج پھوٹنے والا ہے' کہ یہ ایک پودا بنے گا' کہ ایک دن بہار آئے گی اور پھول کھلیں گے۔لاذہنی پھول کھلنے کی آخری حالت ہوتی ہے۔

بلاشبہ بیج بونا بہت آسان ہوتا ہے۔یہ تمہارے بس میں ہوتا ہے۔تاہم پھول کھلانا تمہارے بس سے باہر ہوتا ہے۔تم صرف زمین تیار کر سکتے ہو' لیکن پھول اپنی مرضی سے کھلیں گے۔تم پھول کھلا نہیں سکتے ہو۔بہار تمہارے بس سے باہر ہوتی ہے۔تاہم اگر تمہاری تیاری مکمل ہے تو بہار ضرور آئے گی۔اس بات کی مکمل ضمانت ہے۔

مشاہدہ راستہ ہے اور تمہیں محسوس ہونے لگا ہے کہ کبھی کبھی خیالات غائب ہو جاتے ہیں۔یہ بہت اچھا ہے۔تم ٹھیک جا رہے ہو۔یہ لاذہنی کی جھلکیاں ہوتی ہیں۔۔۔لیکن صرف لمحہ بھر کے لیے۔

ایک بنیادی اصول یاد رکھو: جو لمحہ بھر کے لیے رونما ہو سکتا ہے، وہ ابدی بھی بن سکتا ہے۔ تمہیں دو لمحے اکٹھے نہیں دیئے جاتے۔ ہمیشہ صرف ایک لمحہ دیا جاتا ہے۔ اگر تم ایک لمحے کو خیال سے ماورا حالت میں بدل سکتے ہو تو تم بھید سے واقف ہو رہے ہو۔ تب کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ تم دوسرے لمحے کو بھی نہ بدل سکو جو کہ تنہا ہی آئے گا، اسی امکان اور اسی استعداد کے ساتھ۔

اگر تم بھید کو جانتے ہو تو تمہارے پاس ایک شاہ کلید ہے، جو ہر لمحے کو لاذہنی کی ایک جھلک میں بدل سکتی ہے۔ لاذہنی آخری مرحلہ ہے، کہ جب ذہن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا ہے اور خیالات سے عاری خلا تمہاری حقیقت بن جاتا ہے۔

تاہم بے صبرے مت بنو۔ ہستی بے پناہ صبر کی متقاضی ہوتی ہے۔ حتمی اسرار انہی لوگوں پر کھولے جاتے ہیں جو بہت زیادہ صبر کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

قدیم تبت میں رواج تھا کہ والدین اپنا پہلا بچہ خانقاہوں کو دے دیا کرتے تھے۔ تبتی جانتے تھے کہ پانچ چھ سالہ بچہ بالغوں کی نسبت مشاہدہ کرنا جلدی سیکھ سکتا ہے۔ بالغ تو مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ بچہ معصوم ہوتا ہے اور اس کا ذہن ہنوز ایک ایسی سلیٹ ہوتا ہے کہ جو خالی ہے۔ اسے خالی پن سکھانا بہت آسان ہوتا ہے۔

جب بچہ خانقاہ پہنچتا تھا تو خانقاہ کا سربراہ دروازے پر اس کا استقبال کرتا تھا۔ جیسے وہ کوئی بالغ فرد ہو۔ وہ اس کے سامنے تعظیماً جھکتا تھا۔ پھر وہ اسے کہتا "تمہاری پہلی آزمائش یہ ہے کہ تم آنکھیں بند کر کے دروازے کے باہر اس وقت تک بے حس و حرکت بیٹھے رہو جب تک کہ تمہیں اندر نہ بلایا جائے۔"

بچہ دروازے کے باہر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا۔ گھنٹوں یونہی بیٹھا رہتا۔ وہ ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر مکھیاں بیٹھتیں، لیکن وہ انہیں ہٹا نہیں سکتا تھا۔ یہ اس کے وقار کا سوال تھا۔ خانقاہ کا سربراہ اس کی نگرانی کر رہا ہوتا تھا۔ وہ کسی بچے کی طرح نہیں سوچتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا نیز لاما کی توقعات۔

سارا دن گزر جاتا۔ خانقاہ کے دوسرے بھکشوؤں کو بچے پر ترس آنے لگتا۔ وہ بھوکا پیاسا بیٹھا انتظار کر رہا ہوتا تھا۔ وہ محسوس کرتے کہ بچہ چھوٹا ہے لیکن بڑی جرأت کا حامل ہے۔

جب سورج غروب ہو جاتا تو لاما اسے خانقاہ کے اندر لے جاتا۔ وہ کہتا "تم پہلے امتحان میں کامیاب ہو گئے ہو تاہم ابھی آگے بہت سی چوٹیاں آئیں گی جنہیں تم نے سر کرنا ہے۔ میں تمہیں داد دیتا ہوں کہ تم بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ تم نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ تم نے ہمت نہیں ہاری اور اس وقت کا انتظار کرتے رہے کہ جب تمہیں اندر بلایا جانا تھا۔"

پھر اسے برسوں مشاہدے کی تربیت دی جاتی اس بچے کو اپنے والدین سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ والدین سے دوبارہ ملنے کی شرط یہ تھی کہ وہ لاذہنی کی حالت کا تجربہ کر لے۔ اگر ایسا پہلے ہو جاتا تو وہ اپنے والدین سے مل سکتا تھا۔ جب وہ لاذہنی کی حالت کو پا لیتا تو دنیا میں واپس جا سکتا تھا۔ تب کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔

جو انسان لاذہنی کی حالت میں ہوتا ہے کوئی شے اسے اس کی ہستی کے خلاف نہیں کر سکتی۔ لاذہنی کی قوت سے بڑی کوئی قوت نہیں ہے۔ ایسے شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اس میں کوئی حسد، کوئی لالچ، کوئی غصہ نہیں ابھر سکتا۔ لاذہنی ایسا آسمان ہے جس پر بادل بالکل نہیں ہوتے۔

ایک بنیادی قانون ہے کہ "خیالات کی اپنی زندگی نہیں ہوتی۔" وہ طفیلئے ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے انہیں قبول کرنے سے زندگی پاتے ہیں۔ جب تم کہتے ہو "میں غصے میں ہوں" تب تم غصے کو زندگی دیتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم غصے سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہو۔

تاہم جب تم کہتے ہو "میں اپنے اندر ذہن کے پردے پر غصے کو ابھرتے دیکھ رہا ہوں" تو تم اسے کوئی زندگی نہیں دے رہے ہوتے۔ تم دیکھو گے کہ یوں غصہ بانجھ ہو جائے گا اس کا تم پر کوئی اثر نہیں ہو گا وہ تمہیں تبدیل نہیں کرے گا۔ وہ مطلق طور پر مردہ ہوتا ہے۔ وہ گزر جائے گا اور آسمان کو صاف چھوڑ جائے گا اور ذہن کا پردہ خالی ہو جائے گا۔

دھیرے دھیرے تم خیالات سے چھٹکارہ پانے لگتے ہو۔ مشاہدے کا سارا عمل ہی یہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تم اپنے خیالات سے ہم آہنگ نہیں رہے، تم الگ تھلگ کھڑے ہو، جیسے وہ کسی دوسرے کے خیالات ہوں۔ تم نے ان سے اپنا تعلق توڑ لیا ہے۔ صرف تبھی تو تم مشاہدہ کر سکتے ہو۔

مشاہدے کے لیے ایک خاص فاصلہ ضروری ہوتا ہے۔ اگر تم آئینے کو اپنی

آنکھوں کے بہت قریب رکھو گے تو اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکو گے۔ ایک خاص فاصلہ ضروری ہے۔ صرف تبھی تم آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہو۔

اگر خیالات تمہارے بہت قریب ہوں تو تم ان کا مشاہدہ نہیں کر سکو گے۔ تم اپنے خیالات سے متاثر ہو جاؤ گے۔ غصہ تمہیں مشتعل کر دے گا' لالچ تمہیں لالچی بنا دے گا' شہوت تمہیں ہوس کار بنا دے گی۔ اس کی وجہ ہے کہ کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ وہ اتنے قریب ہیں کہ تم یہ سوچنے پر مجبور ہو کہ تم اور تمہارے خیالات ایک ہیں۔

مشاہدہ اس اکائی کو توڑ دیتا ہے اور علیحدگی کو جنم دیتا ہے۔ تم جتنا زیادہ مشاہدہ کرو گے فاصلہ اتنا بڑھ جائے گا فاصلہ جتنا زیادہ ہو گا تمہارے خیالات تم سے تمہاری توانائی کم لیں گے۔ ان کے پاس توانائی کا دوسرا کوئی ماخذ نہیں ہے۔ جلد ہی وہ مرنے' غائب ہونے لگیں گے۔ ان کے غائب ہونے کے لمحات میں تم لاذہنی کی اولین جھلکیاں پاؤ گے۔

یہ صرف آغاز ہے۔۔۔ لیکن بے حد خوبصورت۔ صرف درست راستے پر ہونے سے ہی تمہیں بے حساب خوشی ملتی ہے۔

اور جب تم ایک مرتبہ درست راستے پر چلنے لگتے ہو تو تمہارے حسین تجربے زیادہ گہرے ہونے لگتے ہیں' زیادہ وسیع ہونے لگتے ہیں۔۔۔ نئے پھول کھلتے ہیں' نئی خوشبوئیں ابھرتی ہیں۔

تمہارے خواب بھی تمہارے خیالات کی تصویریں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن اور لاشعور حروفِ ابجد سے واقف نہیں ہے۔ کوئی سکول' کوئی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ ایسا نہیں ہے جو لاشعور کو زبان سکھاتا ہو۔

لاشعور بچے کی طرح ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے بچے کی کتابیں دیکھی ہیں؟! اگر تم بچے کو پڑھانا چاہتے ہو تو تمہیں پہلے تصویریں بنانا ہوں گی۔ پس بچوں کی کتابوں میں بڑی بڑی رنگین تصویریں اور چھوٹی چھوٹی تحریریں ہوتی ہیں۔ بچہ تصویروں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔

تم دھیرے دھیرے تصویروں کے ذریعے اسے زبان سکھاتے ہو۔ وہ جب آم کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے "یہ آم ہے۔" وہ سیکھ جاتا ہے کہ آم کی تصویر کے لیے ایک خاص لفظ ہوتا ہے۔ وہ دلچسپی آم میں لیتا ہے لیکن دھیرے دھیرے لفظ "آم" سیکھ جاتا ہے۔ جب

بچہ بڑا ہوتا ہے تو تصویر کی جگہ زبان لے لیتی ہے۔ وہ یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہے تو تصویریں اس کی کتاب سے غائب ہو چکی ہوتی ہیں' صرف زبان باقی رہ جاتی ہے۔

ٹیلی ویژن انسان کو دوبارہ قدیم عہد میں لے گیا ہے' کیونکہ لوگ دوبارہ تصویریں دیکھ رہے ہیں۔ مستقبل میں ایک خطرہ ہے۔۔۔ بلکہ یہ ابھی سے نمایاں ہے کہ لوگ عظیم ادب کا مطالعہ ترک کر دیں گے۔ جب تم ٹی وی پر فلم دیکھ سکتے ہو تو پڑھنے کا تردد کون کرے؟ یہ ایک خطرناک مظہر ہے' کیونکہ تصویروں میں بعض چیزوں کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ عظیم ادب بھی تصویروں میں جزوی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ لوگ زبان اور اس کے حسن اور جادو کو فراموش کرنے لگیں گے اور دوبارہ قدیم عہد کے لوگوں جیسے ہو جائیں گے۔۔۔ ٹیلی ویژن دیکھتے دیکھتے۔

آج کل امریکی روزانہ اوسطاً ساڑھے سات گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں۔ اس پر وہ چیز ضائع ہو رہی ہے جسے ہم نے بہت دشواری سے حاصل کیا تھا۔ جو شخص ساڑھے سات گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھنے میں لگا رہا ہو تم اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ شیکسپیئر' کالی داس' رابندر ناتھ ٹیگور' ہرمن ہیسے یا مارٹن بیوبر اور ژاں پال سارتر کو پڑھے۔ ادب جتنا عظیم ہوتا ہے اسے تصویروں میں ڈھالنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔

تصویریں رنگین' سہل اور ولولہ انگیز ہونے کے باوجود زبان سے کوئی مقابلہ نہیں رکھتیں۔ مستقبل کو بہت سی چیزوں سے بچانا ہو گا۔ کمپیوٹر انسان کی یادداشت کے نظام کو تباہ کر سکتا ہے۔۔۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ تم سگریٹ کے پیکٹ کے سائز کا کمپیوٹر اپنی جیب میں رکھ سکتے ہو۔ اس میں ہر وہ شے ہو گی جس کی تمہیں کبھی ضرورت پڑ سکتی ہو۔ پس تمہیں اپنی یادداشت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بس ایک بٹن دباؤ اور کمپیوٹر تمہاری مطلوبہ تمام معلومات فراہم کرنے کو تیار ہو گا۔

کمپیوٹر انسان کا سارا یادداشت کا نظام برباد کر سکتا ہے کہ جسے صدیوں کی زبردست دشواری کے بعد وضع کیا گیا تھا۔ ٹیلی ویژن تمام عظیم ادب کو فراموش کروا سکتا ہے نیز شیلے اور بائرن جیسے لوگوں کے دنیا میں دوبارہ جنم لینے کے امکان کو برباد کر سکتا ہے۔ یہ ایجادات عظیم ہیں لیکن کسی نے ان کے تباہ کن اثرات کا اندازہ نہیں لگایا۔ یہ پوری نوعِ

انسان کو معذور کر سکتی ہیں۔

تلاش کرنے والے کو ہمیشہ یہ مسئلہ درپیش رہا ہے کہ وہ درست سمت میں سفر کر رہا ہے یا نہیں۔ اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ساری سمتیں کھلی ہیں، تم درست سمت کس طرح چن سکتے ہو؟

راستے بہت سے ہیں اور انسان کے پاس ان میں سے انتخاب کا ایک طریقہ کار ہے۔ اگر تم کسی راستے پر چل رہے ہو اور وہ تمہیں خوشی عطا کرے زیادہ حساسیت، زیادہ آگاہی اور آسودگی کا بھرپور احساس عطا کرے تو وہ راستہ درست ہوگا۔ یہ واحد کسوٹی ہے۔ اگر تم زیادہ الم زدہ، زیادہ غصہ ور زیادہ انا پرست، زیادہ لالچی، زیادہ ہوس کار بن رہے ہو تو یہ اس امر کی علامتیں ہیں کہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو۔

درست راستے پر تمہاری خوشی روز بڑھتی ہے اور حسین احساسات کے تمہارے تجربات زیادہ رنگین ہونے لگتے ہیں۔۔۔ ایسے رنگ جو تم نے دنیا میں کبھی نہیں دیکھے ہوں گے، ایسی خوشبوئیں جو تم نے دنیا میں کبھی نہیں سونگھی ہوں گی۔ تب تم اس راستے پر خوف کے بغیر چل سکتے ہو کہ کہیں یہ غلط راستہ تو نہیں ہے۔

یہ داخلی تجربے تمہیں ہمیشہ درست راستے پر رکھیں گے۔ صرف اتنا یاد رکھو کہ اگر وہ بڑھ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے تم درست سمت میں سفر کر رہے ہو۔ شروع میں تمہیں خیالات سے خالی ذہن صرف چند لمحات کے لیے ملتا ہے۔

تم جتنا زیادہ مشاہدہ کرنے والے بنتے جاتے ہو یہ وقفے لمبے ہونے لگتے ہیں۔ اگر تم پیچھے مڑے بغیر چلتے رہو تو ایک روز ایسا آئے گا جب تم پہلی بار محسوس کرو گے کہ دورانیہ گھنٹوں پر محیط ہو گیا ہے اور کوئی خیال نہیں ابھرا۔

حتمی کامیابی تب ہوگی جب لاذہنی کی کیفیت چوبیس گھنٹے برقرار رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تم اپنے ذہن کو استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ ایک مغالطہ ہے جو ان لوگوں نے پیش کیا ہے جنہیں لاذہنی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لاذہنی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ذہن کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ذہن تمہیں استعمال نہیں کر سکتا۔

لاذہنی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذہن تباہ ہو گیا ہے۔ لاذہنی کا مطلب ہے کہ ذہن کو

ایک طرف رکھ دیا گیا ہے تاہم تم اسے کسی بھی لمحے بروئے کار لا سکتے ہو۔ یہ تمہارا خادم ہوگا۔ اس وقت تو یہ تمہارا آقا ہے۔ اگر تم اکیلے بھی بیٹھے ہو تو یہ اپنی فضول حرکتیں جاری رکھتا ہے۔۔۔ اور تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تم بالکل بے بس ہو۔

لاذہنی کا مطلب ہے کہ ذہن کو درست مقام پر رکھ دیا گیا ہے۔ خادم کے طور پر یہ ایک عظیم آلہ ہے۔ آقا کے طور پر یہ بہت برا ہے۔ یہ خطرناک ہے۔ یہ تمہاری ساری زندگی کو برباد کر دے گا۔

جب تم دوسروں سے رابطہ کرنا چاہو تو ذہن اس کا وسیلہ ہوتا ہے۔ تاہم جب تم تنہا ہوتے ہو تو ذہن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس جب بھی تم اسے استعمال کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ ایک بات اور یاد رکھو! جب ذہن گھنٹوں خاموش رہے تب یہ زیادہ تازہ، زیادہ نوجوان، زیادہ تخلیقی اور زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔

عام لوگوں کا ذہن تین یا چار سال کی عمر سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور بغیر کسی وقفے کے 80 سال تک کام کرتا رہتا ہے۔ فطری بات ہے کہ وہ زیادہ تخلیقی نہیں ہو سکتے۔ دنیا کے لاکھوں لوگ تخلیقیت کے بغیر جی رہے ہیں۔ تخلیقیت ایک عظیم ترین تجربہ ہے۔ تاہم ان کے ذہن تھکے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔ ان کی توانائی چھلک نہیں رہی ہوتی۔

لاذہنی کا حامل انسان ذہن کو آرام میں رکھتا ہے۔ توانائی سے، بے پناہ حساسیت سے بھرا ہوا رکھتا ہے۔ اس کا ذہن حکم ملتے ہی کام کے لیے تیار رہتا ہے۔ جو شخص لاذہن ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ میں جادو آ جاتا ہے۔ وہ ایک مقناطیسی قوت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ بے پناہ بے ساختہ پن اور شبنم کے جیسی تازگی کا حامل ہوتا ہے۔ ذہن اظہار اور تخلیق کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

لاذہن انسان کی شاعری اور نثر بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ بغیر کسی کوشش کے انتہائی اثر انگیز ہو جاتے ہیں۔ ان الفاظ میں جو قوت ہوتی ہے وہ ایک بدیہی صداقت بن جاتی ہے۔ انہیں منطق یا پستکوں سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لاذہن انسان کے الفاظ ایک تیقن کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر تم سننے اور موصول کرنے کے لیے تیار ہو تو تم انہیں اپنے دل میں محسوس کرو گے۔ بدیہی صداقت۔

گوتم بدھ کے کسی چیلے نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ ہی مہاویر اور یسوع کے کسی شاگرد اور پیروکار نے۔ ان کے الفاظ میں کچھ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں قائل کر لیتے ہیں۔ تم بغیر کسی کوشش کے تبدیل ہو جاتے ہو۔ کوئی عظیم گرو مشنری نہیں ہوتا۔ وہ کسی کا مذہب تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا' تاہم لاکھوں لوگ ان کی وجہ سے مذہب تبدیل کر چکے ہیں۔

یہ ایک معجزہ ہے۔۔۔ تاہم اس کے لیے آرام یافتہ ذہن کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا ذہن جو توانائی سے بھرپور ہو اور جسے کبھی کبھار استعمال کیا جاتا ہو۔

جب تم سے بات کرتا ہوں تو مجھے ذہن استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جب میں تقریباً سارا دن اپنے کمرے میں بیٹھا ہوتا ہوں تو ذہن کو فراموش کر دیتا ہوں۔

میں ایک خالص خاموشی ہوتا ہوں۔۔۔ اس دوران ذہن آرام کرتا ہے۔ میں تم سے تقریر کرتا ہوں تو صرف انہی لمحوں میں ذہن کو استعمال کرتا ہوں۔ جب میں تنہا ہوتا ہوں' بالکل تنہا' تو ذہن کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

مراقبہ یقینی طور پر لاذہنی کی طرف لے جاتا ہے۔ جس طرح ہر دریا سمندر کی طرف بہتا ہے۔۔۔ کسی نقشے کے بغیر' کسی راہنما کے بغیر ہر دریا بلا استثنٰی سمندر تک پہنچتا ہے۔۔۔ اسی طرح ہر مراقبہ بلا استثنٰی لاذہنی کی حالت تک پہنچتا ہے۔

جب گنگا ہمالیہ سے اتر رہا ہوتا ہے تب اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ سمندر کیا ہے۔ وہ سمندر کے وجود کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تاہم وہ سمندر کی طرف بہتا چلا جاتا ہے کیونکہ پانی کی صفت ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہتا ہے۔ سمندر نشیب میں ہیں۔ پس دریا ہمالیہ میں جنم لیتے ہی نشیبی علاقوں کی طرف بہنے لگتے ہیں اور بالآخر سمندر میں جا گرتے ہیں۔

مراقبے کا عمل اس کے الٹ ہے۔ یہ اونچائیوں کی طرف جاتا ہے اور آخری اونچائی لاذہنی ہے۔ لاذہن ایک سادہ سا لفظ ہے تاہم اس کا مطلب ہے گیان' آزادی۔۔۔ ہر بندش سے آزادی' موت کے نہ ہونے اور لافانیت کا تجربہ۔

یہ سب بڑے لفظ ہیں اور میں تمہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔ پس میں صرف ایک سادہ سا لفظ استعمال کروں گا۔۔۔ لاذہن۔ تم ذہن کو جانتے ہو۔۔۔ تم اس حالت کا تصور کر سکتے ہو کہ جب ذہن کام نہیں کر رہا ہوگا۔

جب یہ ذہن کام نہ کر رہا ہو تو تم کائناتی ذہن کا حصہ بن جاتے ہو۔ جب تم کائناتی ذہن کا حصہ بن جاتے ہو تو تمہارا انفرادی ذہن ایک خوبصورت خادم کی طرف کام کرتا ہے۔ وہ آقا کو پہچان چکا ہوتا ہے اور وہ ان لوگوں کے لیے کائناتی ذہن سے خبریں لے کر آتا ہے جو ابھی تک انفرادی ذہن کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے ہیں۔

جب میں تم سے خطاب کر رہا ہوتا ہوں تو درحقیقت کائناتی ذہن مجھے استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ میرے الفاظ میرے نہیں ہیں' یہ کائناتی سچ سے متعلق ہیں۔ یہی ان کی قوت ہے' یہی ان کا کرشمہ ہے' یہی ان کا جادو ہے۔

شعور اور توانائی

جدید طبیعیات نے ایک سب سے عظیم دریافت یہ کی ہے کہ ''مادہ توانائی ہے۔'' البرٹ آئن شٹائن نے نوع انسان کو یہ عظیم تحفہ دیا تھا۔ای مساوی ہے ایم سی مربع کے (E is Equal to Mc2) مادہ توانائی ہے۔ مادہ صرف مادہ دکھائی دیتا ہے۔۔۔ بصورت دیگر مادے جیسی کوئی شے نہیں ہے' کوئی شے ٹھوس نہیں ہے۔حتیٰ کہ ٹھوس چٹان بھی لہریں لیتی توانائی ہے۔ٹھوس چٹان بھی سمندر جتنی توانائی کی حامل ہوتی ہے۔ٹھوس چٹان میں ابھرنے والی لہریں اس لیے نہیں دیکھی جاسکتیں کہ وہ بے حد لطیف ہوتی ہیں۔تاہم چٹان لہریں مار رہی ہے' سانس لے رہی ہے' وہ زندہ ہے۔فریڈرک نطشے نے کہا تھا خدا مرچکا ہے۔خدا تو نہیں مرا البتہ مادہ مرچکا ہے۔یہ دریافت جدید طبیعیات کو تصوف کے نزدیک لے آئی ہے' بہت نزدیک۔پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ سائنس دان اور صوفی اتنے نزدیک آگئے ہیں۔

اس دور کے ایک عظیم ترین سائنس دان نے کہا تھا'' ہم سوچتے تھے کہ مادہ ایک شے ہے لیکن اب ایسا نہیں رہا' مادہ شے سے زیادہ خیال کے مماثل ہے۔''

ہستی توانائی ہے۔سائنس نے دریافت کیا ہے کہ مشہود توانائی ہے۔صدیوں سے یہی سمجھا جارہا تھا کہ مشاہدہ کرنے والا مشہور توانائی ہے۔

تمہارا جسم توانائی ہے' تمہارا ذہن توانائی ہے' تمہاری روح توانائی ہے۔تب ان

تینوں میں کیا فرق ہے؟ فرق صرف مختلف آہنگ کا ہے' مختلف ویولینتھ کا ہے۔جسم ایک کثیف توانائی ہے جو کثیف انداز سے ایک دکھائی دینے والے انداز سے کارفرما ہے۔

ذہن قدرے زیادہ لطیف ہے تاہم زیادہ لطیف نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تم آنکھیں بند کرکے خیالات کو متحرک دیکھ سکتے ہو۔انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔وہ تمہارے ذہن جتنے مرئی تو نہیں ہوتے۔تمہارا جسم ہر شخص کو دکھائی دیتا ہے۔تمہارے خیالات صرف تمہیں دکھائی دے سکتے ہیں۔کوئی اور شخص تمہارے خیالات کو نہیں دیکھ سکتا۔صرف تم انہیں دیکھ سکتے ہو۔۔۔ایسے لوگ ہیں جو خیالات کو دیکھنے میں گہرا کام کرچکے ہیں تاہم عمومی طور پر کوئی انہیں نہیں دیکھ سکتا۔

شعور کو تم بھی نہیں دیکھ سکتے۔اسے معروض نہیں بنایا جاسکتا ہے' یہ موضوع ہی رہتا ہے۔

اگر یہ تینوں توانائیاں ہم آہنگ ہو کر عمل کر رہی ہوں تو تم صحت مند اور مجتمع ہوتے ہو۔اگر یہ توانائیاں ہم آہنگ ہو کر عمل نہیں کر رہی ہوں تو تم بیمار ہوتے ہو' تم مجتمع نہیں ہوتے جبکہ مجتمع ہونا' ایک ہونا' پاک ہونا ہے۔

ہم یہاں کوشش کر رہے ہیں کہ تمہارا جسم' تمہارا ذہن اور تمہارا شعور ایک آہنگ پر رقص کرسکیں ان میں تصادم نہ رہے بلکہ یہ ایک دوسرے سے معاونت کریں جس لمحے تمہارا جسم' ذہن اور شعور مل کر کام کرتے ہیں تم بھگوان بن جاتے ہو۔

شعور اور توانائی میں تعلق ہے۔شعور توانائی ہے۔۔۔خالص ترین توانائی۔ذہن خالص نہیں ہے' جسم خالص نہیں ہے۔۔۔شعور کلیتاً خالص توانائی ہے۔تاہم تم اس شعور کو صرف تبھی جان سکتے ہو کہ جب تم ان تینوں سے ایک کائنات بنالیتے ہو۔لوگ انتشار میں جی رہے ہیں۔۔۔ان کے جسم کچھ کہتے ہیں' ان کے جسم ایک سمت میں جانا چاہتے ہیں ان کے ذہن جسم سے مکمل طور پر بیگانہ ہوتے ہیں۔۔۔کیونکہ صدیوں سے تمہیں پڑھایا گیا ہے کہ تم جسم نہیں ہو' تمہیں صدیوں سے بتایا گیا ہے کہ جسم تمہارا دشمن ہے' کہ تمہیں اس سے لڑنا ہے' کہ تمہیں اس کو تباہ کرنا ہے' کہ جسم پاپ ہے۔

یہ سب تصورات احمقانہ ہیں' نقصان دہ اور زہریلے ہیں۔ چونکہ انہیں بہت

طویل عرصے سے پڑھایا جا رہا ہے اس لیے یہ تمہارے اجتماعی ذہن کا حصہ بن چکے ہیں۔

میں رقص اور موسیقی پر اس لیے زور دیتا ہوں کیونکہ رقص میں تمہارا جسم' تمہارا ذہن اور تم مل کر عمل کرتے ہو۔ جب یہ مل کر عمل کرتے ہیں تو لامحدود خوشی حاصل ہوتی ہے۔

شعور توانائی کی اعلیٰ ترین شکل ہے اور جب یہ تینوں توانائیاں مل کر عمل کرتی ہیں تو چوتھی توانائی رونما ہوتی ہے۔ جب یہ تینوں مل کر عمل کرتی ہیں تو چوتھی توانائی لازماً رونما ہوتی ہے۔ جب یہ تینوں نامیاتی اکائی بن کر عمل کرتی ہیں تو چوتھی توانائی ہمیشہ رونما ہوتی ہے۔ چوتھی توانائی کوئی اور نہیں بلکہ یہی نامیاتی اکائی ہوتی ہے۔

ہم مشرق والے اس چوتھی توانائی کو ''توریہ'' کہتے ہیں جس کا مطلب ''چوتھی'' ہوتا ہے۔ ہم نے اسے کوئی نام نہیں دیا۔ تین کے نام ہیں جبکہ چوتھی بے نام ہے۔ چوتھی توانائی کو جاننا بھگوان کو جاننا ہے۔ ہم اس کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔ بھگوان تب ہوتا ہے جب نامیاتی اکائی ہوتی ہے۔ بھگوان تب نہیں ہوتا جب تم انتشار ہوتے ہو۔ بکھراؤ ہوتے ہو' تصادم ہوتے ہو۔ جب تم بٹا ہوا گھر ہوتے ہو تب بھگوان نہیں ہوتا۔

جب تم اپنے آپ میں انتہائی خوش ہوتے ہو' تمہاری ساری توانائیاں مل کر رقص کرتی ہیں تو بھگوان ہوتا ہے۔ مکمل اکائی ہونے کا یہ احساس ہی بھگوان ہے۔ بھگوان کوئی شخص نہیں ہے۔ بھگوان ان تینوں کے ایک ہونے اور چوتھی کے ابھرنے کا تجربہ ہے۔ جبکہ چوتھی تینوں کے مجموعے سے کچھ سوا ہوتی ہے۔

جب تم کسی پینٹنگ کے اجزاء کو الگ الگ کرو گے تو تم رنگ اور کینوس پاؤ گے۔ تاہم پینٹنگ کینوس اور رنگوں کا مجموعہ نہیں ہوتی۔ یہ ان سے کچھ سوا ہوتی ہے۔ یہ ''کچھ سوا'' پینٹنگ رنگوں' کینوس اور مصور کے ذریعے ظہور پاتا ہے لیکن یہی ''کچھ سوا'' حسن ہے۔ گلاب کے پھول کا تجزیہ کرو۔ تم ان سب کیمیکلز کو پاؤ گے جن سے وہ بنا ہے لیکن حسن غائب ہو جائے گا۔ یہ صرف اجزاء کا مجموعہ نہیں تھا یہ ان سے کچھ سوا تھا۔

کُل اجزا کے مجموعے سے سوا ہوتا ہے۔ وہ اجزا کے ذریعے ظہور تو پاتا ہے لیکن وہ ان سے سوا ہوتا ہے۔ یہ جاننا کہ یہ سوا ہے بھگوان کو جاننا ہے۔ بھگوان یہی سوا ہے۔ یہ الٰہیات کا سوال نہیں ہے۔ اسے منطقی دلائل سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں حسن کو محسوس کرنا

ہوگا۔ تمہیں موسیقی کو محسوس کرنا ہوگا۔ تمہیں رقص کو محسوس کرنا ہوگا۔ تمہیں اپنے جسم' ذہن اور روح میں رقص کو محسوس کرنا ہوگا۔

تمہیں ان تینوں توانائیوں کو ایک کرنا سیکھنا ہوگا۔ تب بھگوان موجود ہوتا ہے۔ تم بھگوان کو دیکھتے نہیں ہو۔ دیکھنے کو کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھنے والا تو بھگوان ہے۔ اپنے جسم' ذہن اور روح کو پگھلانا سیکھو۔ اکائی کی طرح عمل کرنے کے طریقے سیکھو۔

تم دوڑنے کو مراقبہ تصور نہیں کرو گے لیکن ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھار دوڑنے والوں کو مراقبے کا حیرت ناک تجربہ ہوا ہے۔ وہ حیران رہ گئے تھے کیونکہ انہوں نے اس کا سوچا بھی نہیں تھا۔ اب دوڑنا مراقبہ بن چکا ہے۔ ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ جب دوڑنے والا غائب ہو جاتا ہے صرف دوڑنے کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ جسم' ذہن اور روح مل کر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔

مراقبے کے پرانے تصورات کو ترک کر دو کہ درخت تلے یوگا کے آسن میں بیٹھنا مراقبہ ہے۔ یہ صرف ایک طریقہ ہے اور چند لوگوں کے لیے ہی موزوں ہو سکتا ہے تاہم یہ سب کے لیے موزوں نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کے لیے یہ مراقبہ نہیں اذیت ہے۔ ایک نوجوان کے لیے جو کہ جاندار اور ولولہ انگیز ہے' یہ ایک جبر ہے۔۔۔ مراقبہ نہیں۔ کسی بوڑھے کے لیے' کہ جس کی توانائیاں زوال پذیر ہوں' یہ موزوں ہو۔

لوگ مختلف طرز کے ہوتے ہیں۔ جو شخص کمتر درجے کی توانائی کا حامل ہو اس کے لیے درخت تلے یوگا آسن میں بیٹھنا بہترین مراقبہ ہو سکتا ہے کیونکہ یوگا آسن میں توانائی سب سے کم استعمال ہوتی ہے۔ جب ریڑھ کی ہڈی بالکل سیدھی ہوتی ہے تو تمہارا جسم سب سے کم توانائی استعمال کرتا ہے۔ جب تم دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہلتے ہو تب زیادہ توانائی استعمال ہونے لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کشش ثقل تم پر اثر انداز ہونے لگتی ہے اور تمہیں خود کو گرنے سے بچانے کے لیے زور لگانا پڑتا ہے۔ یوں توانائی صرف ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ہاتھ باندھے رکھنا کم توانائی والے لوگوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تمہارے دونوں ہاتھ بندھے ہوتے ہیں تب تمہاری جسمانی بجلی ایک دائرے میں گردش کرنے لگتی ہے۔ وہ تمہارے جسم سے باہر نہیں جاتی۔ وہ ایک

داخلی دائرہ بن جاتی ہے۔توانائی تمہارے اندر ہی حرکت کرتی ہے۔

تمہیں اس بات کو ضرور جاننا چاہیے کہ توانائی ہمیشہ انگلیوں کے ذریعے نکلتی ہے۔ توانائی کبھی گول اشیاء سے نہیں نکلتی۔ مثال کے طور پر تمہارے سر سے توانائی نہیں نکل سکتی۔ سر تو توانائی کو قابو رکھتا ہے۔توانائی تو انگلیوں سے نکلتی ہے۔۔۔ ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں سے۔ یوگا کے ایک خاص آسن میں دونوں پاؤں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک پاؤں سے توانائی نکلتی ہے اور دوسرے سے اندر چلی جاتی ہے۔اسی طرح توانائی ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے سے اندر چلی جاتی ہے۔تم اپنی ہی توانائی حاصل کرتے رہتے ہو۔تم توانائی کا ایک داخلی دائرہ بن جاتے ہو۔ یہ نہایت آرام اور سکون بخش ہوتا ہے۔

یوگا آسن نہایت سکون بخش آسن ہوتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ نیند سے بھی زیادہ سکون بخش ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم سوئے ہوئے ہوتے ہو تب تمہارے جسم کو کشش ثقل کھینچ رہی ہوتی ہے۔ جب تم افقی حالت میں ہوتے ہو تب تمہیں ایک بالکل مختلف انداز سے سکون مل رہا ہوتا ہے۔ یہ آسن اس لیے سکون بخش ہوتا ہے کہ یہ تمہیں واپس ان قدیم زمانوں میں لے جاتا ہے جب تم حیوان ہوتے تھے' افقی ہوتے تھے۔ یہ اس لیے سکون بخش ہوتا ہے کیونکہ یہ دوبارہ حیوان بننے میں مدد دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تم لیٹے ہوئے واضح طور پر سوچ نہیں سکتے ہو۔۔۔ سوچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ذرا کوشش کر کے دیکھو۔تم آسانی سے خواب تو دیکھ سکتے ہو لیکن آسانی سے سوچ نہیں سکتے۔ سوچنے کے لیے تمہیں بیٹھنا پڑتا ہے۔تم جتنا سیدھا بیٹھو گے سوچنے کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ سوچ بہت بعد کی شے ہے۔ جب انسان عمودی ہوا' تب سوچ نہیں تھی۔ پس جب تم لیٹتے ہو تو خواب دیکھنے لگتے ہو' سوچ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ سکون کی ایک قسم ہے کیونکہ سوچ تھم گئی ہے' تم پیچھے چلے گئے ہو۔

یوگا آسن ان لوگوں کے لیے بہترین ہے جو کم توانائی کے حامل ہیں' جو بیمار ہیں' جو بوڑھے ہیں' جو زندگی گزار چکے ہیں اور اب موت کے قریب تر آ رہے ہیں۔

ہزاروں بودھ بھکشو کنول کے آسن میں بیٹھے ہوئے مرے ہیں کیونکہ موت کو قبول کرنے کا بہترین انداز کنول کا آسن ہے۔ کنول کے آسن میں تم پوری طرح چوکس ہوتے

ہو۔توانائیاں غائب ہو رہی ہوتی ہیں' ہر لحہ کم سے کم ہو رہی ہوتی ہیں' موت آ رہی ہوتی ہے۔ کنول کے آسن میں تم آخر تک چوکس رہ سکتے ہو۔ مرتے وقت چوکس رہنا ایک عظیم ترین تجربہ ہے۔

اور اگر تم مرتے وقت جاگ رہے ہو تو تمہیں جنم کا ایک کاملاً مختلف تجربہ ہوگا۔تم جاگتے ہوئے جنم لو گے۔ جو شخص جاگتے ہوئے مرتا ہے وہ جاگتے ہوئے جنم لیتا ہے۔ جو بے شعور مرتا ہے وہ بے شعور جنم لیتا ہے۔ جو شخص چوکس مرتا ہے وہ اپنے لیے درست کوکھ کا انتخاب کرتا ہے۔

جو شخص اس جنم میں کاملاً چوکس حالت میں مرتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ مزید جنم لے گا کیونکہ اگلی مرتبہ اسے آنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ صرف تھوڑا سا کام بچ گیا ہوتا ہے اس لیے مزید ایک جنم کافی ہوتا ہے۔ جو شخص آگاہ مرتا ہے اس کے لیے صرف ایک کام رہ گیا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اگلے جنم میں اپنی آگہی کو ہمدردی میں بدل دیتا ہے۔ جب تک آگہی ہمدردی میں نہیں ڈھلتی' کوئی شے نامکمل رہتی ہے' کوئی شے ادھوری رہتی ہے۔

دوڑنا مراقبہ بن سکتا ہے۔ رقص' تیراکی' ہر شے مراقبہ بن سکتی ہے۔ میں مراقبے کی تعریف یوں کرتا ہوں جب تمہارا جسم' ذہن اور روح مل کر عمل کر رہے ہوں اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عمل چوتھی توانائی کو لاتا ہے۔ اگر تم اس دوران چوکس ہو تو یہ مراقبہ ہوتا ہے۔ صرف اولمپکس میں حصہ لینا کافی نہیں بلکہ یہ پتا ہو کہ یہ مراقبہ ہے۔تب یہ نہایت سکون بخش ہوتا ہے۔

ہم اگلے کمیون میں ہر قسم کے مراقبے کو آزمائیں گے۔ جو لوگ تیراکی سے لطف اندوز ہوتے ہیں انہیں تیراکی والے مراقبے کے مواقع حاصل ہوں گے۔ جو لوگ دوڑ سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ میلوں دوڑیں گے۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق مراقبہ کرے گا۔۔۔ تبھی یہ دنیا مراقبے سے معمور ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

اگر ہم مراقبے کا صرف ایک ہی طریقہ اپنائیں گے تو یہ صرف چند لوگوں ہی کے لیے موزوں ہوگا۔ ماضی میں مسئلہ یہی رہا ہے۔ مراقبے کے چند متعین طریقے رہے ہیں۔ پس وہ کچھ خاص قسم کے لوگوں کے لیے موزوں تھے' باقی سب اندھیرے میں رہ جاتے تھے۔

میں کوشش کر رہا ہوں کہ ہر شخص مراقبہ کر سکے۔ جو شخص بھی مراقبہ کرنا چاہے اسے اس کی طبیعت کے مطابق مراقبے کا طریقہ سکھایا جائے۔ اگر اسے آرام کی ضرورت ہے تو آرام کو اس کا مراقبہ ہونا چاہیے۔ ہمیں مراقبے کی اتنی ہی جہتیں ڈھونڈنا ہوں گی جتنے اس دنیا میں انسان ہیں۔ مراقبے کے طریقے غیر لچک دار نہیں ہوں گے کیونکہ دو فرد کبھی ایک سے نہیں ہوتے۔ مراقبے کا ہر طریقہ لچک دار ہوگا تاکہ یہ ہر فرد کے لیے موزوں رہے۔ ماضی میں ہوتا یہ تھا کہ فرد کو مراقبے کے طریقے کے مطابق ڈھلنا ہوتا تھا۔

میں نے ایک انقلاب برپا کیا ہے۔ فرد کو مراقبے کے طریقے کے مطابق نہیں ڈھلنا چاہیے۔ مراقبے کے طریقے کو فرد کے مطابق ہونا چاہیے۔ میں فرد کا مطلق احترام کرتا ہوں۔ مجھے وسیلوں سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وسیلے تبدیل ہو سکتے ہیں، انہیں مختلف انداز سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمہیں یہاں کئی قسم کے مراقبے ہوتے دکھائی دیں گے۔ بھگوان کے معبد کے بے شمار دروازے ہیں اور تم اس امر پر بھی حیران ہو گے کہ ایک خاص دروازہ صرف تمہارے لیے بھی ہے۔ جس سے کوئی دوسرا نہیں گزر سکتا۔ یہ تمہارے لیے بھگوان کی محبت ہے، تمہارے لیے اس کا احترام ہے۔ ایک خاص دروازے پر تمہارا خیر مقدم کیا جائے گا عوامی دروازے پر نہیں۔ تمہارا خیر مقدم ایک مہمانِ خصوصی کی طرح کیا جائے گا۔

تاہم بنیادی اصول یہ ہے کہ مراقبہ خواہ کوئی بھی ہو اسے تمہاری ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس میں تمہارا جسم، ذہن اور شعور مل کر عمل کریں۔ یوں اچانک ایک روز چوتھی توانائی رونما ہو گی۔

8

خیر اور شر

- ..... جو شخص متعین تصورات کے تحت جیتا ہے وہ ایک مردہ زندگی گزارتا ہے۔
- ..... آگہی خیر ہے، عدم آگہی شر ہے۔
- ..... تم ایسا گھر ہو، جس میں روشنی نہیں ہے۔
- ..... یاد رکھو! تم کسی کو اپنے خوابوں میں شریک نہیں کر سکتے۔ خواب انتہائی نجی ہوتے ہیں۔

خیر اور شر متعین نہیں ہیں

تم اپنی فطرت کے مطابق عمل کیا کرو۔ پستکوں پر توجہ مت دو اپنے دل کی سنو۔ یہ واحد پستک ہے جسے میں تجویز کرتا ہوں۔ ہاں اسے نہایت توجہ سے' نہایت شعور سے سنو اور تم کبھی غلط نہیں ہو گے۔ اپنے دل کی سنتے ہوئے تم کبھی بنے ہوئے نہیں ہو گے۔ اپنے دل کی سنتے ہوئے تم درست سمت میں سفر کرنے لگو گے۔ یہ سوچے بغیر کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟

نئی نوعِ انسان کا سارا فن اس بھید پر مشتمل ہو گا کہ اپنے دل کو شعور کے ساتھ' چوکسی کے ساتھ' توجہ کے ساتھ سنا جائے۔ ہر وسیلے سے اس کی پیروی کرو۔ یہ جہاں لے جائے چلے جاؤ۔ ہاں یہ کبھی تمہیں خطرات میں لے جائے گا۔۔۔ تاہم یاد رکھو! یہ خطرات تمہیں پختہ بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ بعض اوقات دل تمہیں بھٹکا دے گا۔۔۔ تاہم یاد رکھو یوں بھٹکنا تمہاری نشو و نما کا حصہ ہے۔ تم کئی مرتبہ گر جاؤ گے۔ دوبارہ اٹھو! کیونکہ انسان اسی طرح ہمت وقوت حاصل کرتا ہے۔۔۔ گرنے اور دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے سے۔ انسان اس طرح مضبوط ہوتا ہے۔

تاہم باہر سے تھوپے جانے والے قوانین کی پیروی مت کرو۔ تھوپا ہوا کوئی بھی قانون درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون ان لوگوں کے ایجاد کردہ ہیں جو تم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں' دنیا میں کبھی کبھار کوئی گیان والا انسان بھی رونما ہو چکا ہے۔۔۔ کوئی بدھ' کوئی یسوع' کوئی کرشن۔ انہوں نے دنیا کو قانون نہیں دیئے' انہوں نے دنیا کو محبت دی ہے۔ تاہم جلد یا بدیر پیروکار اکٹھے ہوتے ہیں اور قانون بنانا شروع کر دیتے

ہیں۔ جب گرو چلا جاتا ہے، جب روشنی چلی جاتی ہے اور وہ گہرے اندھیرے میں ہوتے ہیں تو وہ کچھ خاص قوانین کے لیے ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں۔ کیونکہ جس روشنی میں وہ دیکھ سکتے تھے اب نہیں رہی ہوتی۔ اب انہیں قوانین پر انحصار کرنا پڑے گا۔

یسوع جو کچھ کرتے تھے اپنے دل کی سرگوشی پر کرتے تھے۔ عیسائی جو کچھ کر رہے ہیں وہ ان کے دلوں کی سرگوشی نہیں ہے۔ وہ نقال ہیں۔۔۔ اور جس لمحے تم نقال بنتے ہو تم اپنی انسانیت کی توہین کرتے ہو، تم اپنے بھگوان کی توہین کرتے ہو۔

نقال کبھی مت بنو، ہمیشہ اوریجنل رہو۔ کاربن کاپی مت بنو۔ تاہم ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔۔۔ کاربن کاپیاں ہی کاربن کاپیاں۔۔۔

جو کچھ کسی بدھ کے لیے درست ہے، وہ تمہارے لیے درست نہیں ہے۔ ذرا یہ دیکھو کہ کرشن مہاتما بدھ سے کتنے مختلف تھے۔ اگر کرشن بھی مہاتما بدھ کی پیروی کرتے تو ہم اس کرۂ ارض کے ایک نہایت حسین انسان سے محروم ہو جاتے یا اگر مہاتما بدھ کرشن کی پیروی کرتے تو وہ محض ایک معمولی سا نمونہ ہوتے۔ ذرا بانسری بجانے والے مہاتما بدھ کا تصور تو کرو۔ وہ تو بہت سے لوگوں کی نیندیں خراب کر دے گا۔ وہ بانسری بجانے والا تو نہیں تھا۔ ذرا تصور تو کرو کہ مہاتما بدھ رقص کر رہے ہیں۔۔۔ یہ نہایت مضحکہ خیز بلکہ لایعنی دکھائی دے گا۔

کرشن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ بغیر بانسری کے ایک درخت تلے بیٹھے، بغیر مور کے پروں والے تاج کے، خوبصورت کپڑوں کے بغیر، کسی فقیر کی طرح آنکھیں بند کیے، کسی درخت تلے بیٹھا کرشن۔ اس کے گرد کوئی رقص نہیں کر رہا، کوئی گیت نہیں گا رہا۔۔۔ کرشن کتنا بے چارہ! کتنا مفلس دکھائی دے گا۔

مہاتما بدھ، مہاتما بدھ ہیں۔ کرشن، کرشن ہیں۔ تم، تم ہو۔ تم کسی اعتبار سے بھی کسی سے کم نہیں ہو۔ اپنا احترام کرو، اپنی اندر کی آواز کا احترام کرو اور اس کے مطابق چلو۔ یاد رکھنا! میں تمہیں ایسی کوئی ضمانت نہیں دے رہا کہ وہ تمہیں ہمیشہ درست راستے پر لے جائے گی۔ وہ بہت مرتبہ تمہیں غلط راستے پر لے جائے گی کیونکہ درست دروازے پر آنے کے لیے پہلے کئی غلط دروازوں پر دستک دینا پڑتی ہے۔ اگر تم اچانک درست دروازے پر پہنچ جاؤ گے تو تم پہچانو گے نہیں کہ یہ درست دروازہ ہے۔

پس یاد رکھو کوئی کوشش کبھی ضائع نہیں جاتی ہے۔ ہر کوشش کا تمہاری نشوونما کی

حتمی معراج میں حصہ ہوتا ہے۔ پس جلدی سے کام مت لو۔ غلطی ہو جانے پر بہت زیادہ پریشان نہ ہو۔ یہی مسئلہ ہے۔ لوگوں کو درس دیا گیا ہے کہ کبھی غلطی مت کرو۔ یوں لوگ جلد باز بن گئے ہیں۔ کسی غلطی کے ارتکاب سے اتنے خوفزدہ، اتنے دہشت زدہ کہ منجمد ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ پس وہ چٹانوں جیسے بن گئے ہیں، وہ اپنا سارا تحرک کھو چکے ہیں۔

میں تمہیں درس دیتا ہوں کہ جتنی غلطیاں کر سکتے ہو کرو۔ صرف ایک بات یاد رکھو ایک غلطی کبھی دوبارہ نہ کرو۔ یوں تم نشوونما پاؤ گے۔

یہاں کوئی شے درست یا غلط نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے وہ اس لمحے درست ہو اور ممکن ہے وہ اگلے لمحے درست نہ ہو۔ ممکن ہے کوئی شے آج درست نہ ہو اور ممکن ہے کوئی شے کل غلط نہ ہو۔

درست اور غلط متعین نہیں ہیں۔ یہ لیبل نہیں ہیں کہ جنہیں تم اشیا پر لگا دو، "یہ درست ہے" اور "یہ غلط ہے"، تاہم اب تک ہوتا یہی رہا ہے۔ لوگوں نے درست اور غلط کا فیصلہ کیا ہے۔۔۔ اور چونکہ درست اور غلط کا فیصلہ لوگوں نے کیا ہے اس لیے انہوں نے ساری نوع انسان کو گمراہ کر دیا ہے۔

منو نے کسی شے کو درست قرار دیا ہے تو لاکھوں ہندو ہزاروں سال سے اسے درست تصور کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کتنی احمقانہ بات ہے، یہ ناقابلِ یقین ہے۔ لوگ پانچ ہزار برس سے منو کی پیروی کیوں کر رہے ہیں؟ ہر شے تبدیل ہو چکی ہے۔ اگر منو آ جائے تو وہ اس دنیا کو پہچان بھی نہیں سکے گا۔۔۔ ہر شے جو بدل چکی ہے۔ تاہم ہندو ذہن انہی قوانین کی پیروی کر رہا ہے جنہیں منو نے بنایا تھا۔

آج بھی پانچ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ہندوستان میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ گائیں زندہ انسانوں سے زیادہ اہم ہیں۔ گائے کی پوجا کی جاتی ہے۔ گائے مقدس ہے۔ جبکہ اچھوت، شودر، دھتکارے ہوئے انسان۔۔۔ پانچ ہزار سال پہلے منو کے دھتکارے ہوئے انسان۔۔۔ زندہ جلا دیئے جاتے ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ ونوبا بھاؤ جیسا آدمی بھوک ہڑتال کر دیتا ہے کہ ملک میں گائے ذبح

کرنے پر پابندی لگائی جائے۔ تاہم وہ اس حوالے سے بالکل خاموش رہتا ہے' ایک لفظ نہیں بولتا کہ اچھوتوں کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے' انہیں زندہ کیوں جلایا جا رہا ہے' ان کی عورتوں سے زنا بالجبر کیوں کیا جا رہا ہے' ان کے بچوں کو موت کے گھاٹ کیوں اتارا جا رہا ہے؟ ا چھوتوں کی پوری پوری بستیوں کو منہدم کر دیا جاتا ہے اور ونوبا بھاوٗ اس پر احتجاجاً بھوک ہڑتال نہیں کرتا۔ کیا اچھوت انسان نہیں ہیں؟ کیا وہ نوعِ انسان کا حصہ نہیں ہیں؟ گائے کو بچانا چاہیے کیونکہ منو گائے کی پوجا کرتا تھا!

ممکن ہے اس وقت یہ درست ہو' میں منو کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو منو کے احمق پیروکاروں کے خلاف ہوں۔ ممکن ہے منو کے زمانے میں یہ درست رہا ہو کیونکہ گائے بے حد اہم ہوتی تھی۔ وہ معیشت کا محور تھی۔ خصوصاً ہندوستانی معیشت کی اساس ہی گائے تھی۔ وہ ایک زرعی معاشرہ تھا اور گائے بہت سی چیزوں کا سرچشمہ تھی۔۔۔ بیلوں کا' کھاد کا' دودھ کا۔۔۔ وہ بہت زیادہ اہم تھی۔ اسے بچانا بالکل درست تھا۔ تاہم اب دنیا ایک بالکل مختلف طریقے سے جی رہی ہے۔ منو کی دنیا بہت چھوٹی تھی۔ اب ہم پورے کرۂ ارض کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ یہ محض ایک چھوٹے سے فرقے کا سوال نہیں ہے۔ کوئی قانون ایک بار بنا دیا جائے تو لوگ اندھوں کی طرح اس کو مانتے چلے جاتے ہیں۔ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

آج کی دنیا میں لوگوں کو یہ درس دیا جائے گا کہ دہریے مت بنو۔ کیونکہ آج کل دہریت چھا رہی ہے۔ دنیا کی تقریباً نصف آبادی کمیونسٹ ہو چکی ہے۔ وہ دہریے ہیں۔ باقی آدھی آبادی بھی رسماً بھگوان یا خداوند کو مانتی ہے۔ آج کا سب سے اہم قانون یہ ہونا چاہیے کہ ''دہریے مت بنو' شک کرنے والے مت بنو۔'' آج لوگوں کو جس سب سے اہم شے کا درس دیا جانا چاہیے وہ بھروسہ ہے۔

وقت بدلتا ہے تو درست اور غلط بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم اپنی زندگی میں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہو ہر روز اشیا مختلف ہوتی ہیں اور تم متعین تصورات سے چمٹے رہتے ہو۔ جو شخص متعین تصورات کے تحت جیتا ہے وہ ایک مردہ زندگی گزارتا ہے۔ وہ کبھی بے ساختہ نہیں ہوتا اور صورت حال کے ساتھ اس کا تعلق کبھی درست نہیں ہوتا۔ وہ جواب دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے پرانے نتائج کے مطابق عمل کرتا ہے جو کہ اب برمحل (Relevent) نہیں رہے ہوتے' وہ صورت حال کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔

پس میرے نزدیک کوئی شے درست نہیں ہے' کوئی شے غلط نہیں ہے۔ تب میں کس بات کی تعلیم دیتا ہوں؟ میں آگہی کی تعلیم دیتا ہوں۔۔۔ لیبل لگانے کی نہیں' درجہ بندی کی نہیں۔ میں آگہی کی تعلیم دیتا ہوں' میں تمہیں ہر صورت حال میں مکمل طور پر آگاہ ہونے اور اس آگہی کے مطابق عمل کرنے کی تعلیم دیتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں' میں یہ کہتا ہوں کہ ہر وہ عمل جو آگاہی کے تحت رونما ہوتا ہے درست ہے۔ ہر وہ عمل جو عدم آگہی کے تحت رونما ہوتا ہے غلط ہے۔

میرا اصرار عمل پر نہیں ہے۔ میرا اصرار عمل کے سرچشمے پر ہے۔۔۔ آگہی اور عدم آگہی پر۔ اگر تم مکمل آگہی کے ساتھ عمل کرتے ہو تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو درست ہوتا ہے۔ اگر تم میکانکی انداز میں عمل کرتے ہو اور نیند میں چلنے والوں کی طرح بے شعوری سے کام کرتے ہو تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو غلط ہوتا ہے۔

آگہی خیر ہے عدم آگہی شر ہے۔

تاہم اگر تم پنڈتوں سے رابطہ کرو گے تو وہ تمہیں درست یا غلط کے بارے میں بتا دیں گے۔ وہ تمہیں بصیرت نہیں دیں گے' وہ تمہیں مردہ ضابطے دیں گے۔ وہ تمہیں روشنی نہیں دیں گے تاکہ تم ہر صورت حال میں دیکھ سکو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے محتاج رہو۔ وہ تمہیں بصیرت نہیں دیتے۔ پس تم ہمیشہ ان کے محتاج رہتے ہو۔ وہ تمہیں بیساکھیاں دیتے ہیں لیکن اپنے پیروں پر کبھی کھڑا نہیں کرتے۔

پنڈتوں سے بچو! جب بھی تم کسی ماہر کے پاس جاتے ہو وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ تمہیں اپنا محتاج بنا لے۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تم میں خامیاں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ان کا ٹریڈ سیکرٹ یہی ہے کہ وہ تم میں خامیاں نکالتے ہیں۔ وہ تمہیں جیسے تم ہو ویسے قبول نہیں کرتے۔ وہ آدرش' تصورات' نظریات دیتے ہیں اور وہ تمہیں خطاوار تصور کرتے ہیں اور وہ تمہیں احساس دلاتے ہیں کہ تم بے قیمت ہو' خاک ہو۔ تم بھی اپنے آپ کو اتنا حقیر سمجھتے ہو کہ ساری آزادیاں فراموش کر دیتے ہو۔

درحقیقت تم آزادی سے خوفزدہ ہو جاتے ہو کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ تم تو بہت برے ہو' تم تو بہت غلط ہو۔۔۔ اور اگر تم آزاد ہو گے تو تم بہت زیادہ غلطیاں کرو گے پس کسی نہ

کسی شخص کی پیروی کرو۔ پنڈت اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سیاست دان اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ تمہیں درست اور غلط کا بتاتے ہیں' وہ تمہیں متعین تصورات دیتے ہیں۔ اس طرح تم ہمیشہ خطاوار رہتے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ کوئی شے درست یا غلط نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میرے محتاج بنو۔ میں تمہیں متعین تصورات نہیں دیتا۔ میں تو تمہیں صرف اشارے دیتا ہوں جن پر تم نے خود کام کرنا ہے۔۔۔ اور میں تمہیں جو اشارہ دے رہا ہوں وہ ہے آ گہی۔ زیادہ آ گاہ بنو اور یہ ایک معجزہ ہوگا۔

اگر تم غصے میں ہو تو پنڈت کہے گا کہ غصہ شر ہے' غصے مت ہو۔ تم کیا کرو گے؟ تم غصے کو دبا سکتے ہو' تم اسے نگل سکتے ہو۔ وہ تمہارے اندر چلا جائے گا' وہ تمہارے نظام میں شامل ہو جائے گا۔ غصے کو نگلو گے تو تمہیں معدے کا السر ہو جائے گا' غصے کو نگلو گے تو جلد یا بدیر تمہیں کینسر ہو جائے گا۔ غصے کو نگلو گے تو اس سے تمہارے لیے ایک ہزار ایک مسئلے ابھریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ زہر ہے۔ تاہم تم کیا کرو گے؟ اگر غصہ شر ہے تو تم اسے نگل لو گے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ غصہ شر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غصہ توانائی ہے۔۔۔ خالص توانائی' خوبصورت توانائی۔ جب توانائی ابھرے اس سے آ گاہ ہو جاؤ اور معجزہ رونما ہوتا دیکھو۔ جب غصہ ابھرے تو آ گاہ ہو جاؤ اور اگر تم آ گاہ ہو گے تو تم حیران ہو جاؤ گے۔ تم مکمل حیرت میں ہو گے۔۔۔ ممکن ہے یہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حیرت ہو۔۔۔ کہ تمہارے آ گاہ ہوتے ہی غصہ غائب ہو جاتا ہے۔ غصے کی تقلیب ہو جاتی ہے' غصہ خالص توانائی بن جاتا ہے۔ غصہ ہمدردی میں ڈھل جاتا ہے۔ غصہ درگزر بن جاتا ہے۔ غصہ محبت بن جاتا ہے۔ تمہیں دبانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم کسی بوجھ تلے دبے نہیں ہوتے۔ چونکہ تم غصے میں نہیں ہوتے اس لیے تم کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ دونوں بچ جاتے ہیں۔ دوسرا یعنی تمہارے غصے کا ہدف بچ جاتا ہے اور تم بچ جاتے ہو۔ ماضی میں یا تو ہدف اذیت سہتا تھا یا تم مصیبت میں ہوتے تھے۔

میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ کسی شخص کو تکلیف سہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آ گاہ ہو جاؤ۔ آ گہی کو وجود پذیر ہونے دو۔ غصہ ابھرے گا اور آ گہی اسے ٹھنڈا کر دے گی۔ کوئی انسان آ گہی کے ہوتے ہوئے غصے میں نہیں آ سکتا۔ کوئی انسان آ گہی کے ہوتے ہوئے لالچی نہیں ہو سکتا۔ کوئی انسان آ گہی کے ہوتے ہوئے حاسد نہیں بن سکتا۔ آ گہی سنہری کلید ہے۔

آ گہی

''آپ آ گہی کی' شعور کی بات کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے انسان کو عمل کرنے کے لیے صرف انہی کی رہنمائی کافی ہو۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل' زنا بالجبر اور چوری صرف اس وجہ سے شر ہیں کہ انہیں آ گہی اور شعور کے بغیر کیا جاتا ہے؟''

ہاں!۔۔۔ واحد پاپ ہے عدم آ گہی' اور واحد نیکی ہے آ گہی۔ جو کام آ گہی کے بغیر کیا جاتا ہے پاپ ہوتا ہے جو کام آ گہی کے ساتھ کیا جاتا ہے نیکی ہوتا ہے۔ اگر تم قتل سے آ گاہ ہو تو قتل کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ متشدد ہونا بھی ممکن نہیں رہتا۔۔۔ اگر تم آ گاہ ہو تو زنا بالجبر کرنا' تشدد کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اگر آ گہی ہے تو یہ عمل ناممکن ہوتے ہیں۔ یہ صرف تبھی ہوتے ہیں جب عدم آ گہی غالب آ جاتی ہے۔ عدم آ گہی کے اندھیرے میں تم میں ہر طرح کے دشمن در آتے ہیں۔

مہاتما بدھ نے کہا تھا' ''اگر کسی گھر میں روشنی ہو تو چور اس سے گریز کرتے ہیں اور اگر پاسبان جاگ رہا ہو تو چور کبھی گھر میں داخل نہیں ہوں گے۔'' اگر لوگ جاگ رہے ہوں اور گھر کے اندر باتیں کر رہے ہوں' گھر والے سوئے نہیں ہوں تو چوروں کے لیے اس گھر میں چوری کے بارے میں سوچنا تک ممکن نہیں ہوتا۔

تمہارا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ تم ایسا گھر ہو جس میں روشنی نہیں ہے۔

انسان کی عمومی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی میکانزم عمل کر رہا ہو۔ ہومو میکینکس (Homo Mechanicus)۔۔۔تم صرف نام کے انسان ہو' بصورت دیگر تم ایک مشین ہو اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو' غلط ہوتا ہے۔ یاد رکھو میں کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔۔۔حتیٰ کہ تمہارے نیک کام بھی نیکیاں نہیں ہوں گے اگر تم عدم آگاہ ہو۔ اگر تم عدم آگاہ ہو تو تم کیسے نیک رہ سکتے ہو؟ تمہاری نیکی کے پیچھے ایک بہت بڑی انا ہوتی ہے۔ اس کا ہونا لازم ہے۔ حتیٰ کہ تمہاری بے پناہ پوجا' پرارتھنا کے بعد حاصل کردہ مذہبیت بھی بے کار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سادگی پیدا نہیں کرتی اور یہ عاجزی نہیں لاتی اور یہ الوہیت کا عظیم تجربہ عطا نہیں کرتی جو کہ صرف اس وقت رونما ہوتا ہے جب انا غائب ہو جاتی ہے۔ تم ایک پنڈت کی سی محترم زندگی گزارو گے۔ لیکن تم ہر شخص کی طرح مفلس ہو گے۔ اندر سے سڑے ہوئے' اندر سے ایک لایعنی ہستی۔ یہ زندگی نہیں ہے یہ تو صرف نباتات کی طرح ہونا ہے۔ تمہارے پاپ پاپ ہوں گے اور تمہاری نیکیاں بھی پاپ ہوں گی۔ تمہاری بداخلاقی' بداخلاقی ہو گی اور تمہارا اخلاق بھی بداخلاقی ہو گا۔

میں تمہیں اخلاقیات کا درس نہیں دیتا۔ میں تمہیں نیکی کی تعلیم نہیں دیتا۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ آگہی کے بغیر تم صرف منافقت ہو' دکھاوا ہو۔ یہ تمہیں آزادی نہیں دیتے۔ اس کے برعکس یہ تمہیں قید کرتے ہیں۔

صرف ایک شے کافی ہے۔ آگہی شاہ کلید ہے۔ یہ ہستی کے سارے قفل کھول دیتی ہے۔ آگہی کا مطلب یہ ہے کہ تم لمحہ لمحہ جی رہے ہو۔۔۔چوکس اپنے آپ سے آگاہ اور اپنے اردگرد رونما ہونے والے ہر واقعے سے آگاہ' لمحہ بہ لمحہ جواب دیتے ہوئے۔ تم ایک آئینے جیسے ہو' تم منعکس کرتے ہو۔ تم اس قدر کامل منعکس کرتے ہو کہ اس انعکاس سے جو عمل بھی جنم لیتا ہے درست ہوتا ہے' کیونکہ وہ موزوں ہوتا ہے' وہ ہستی سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

یہ حقیقتاً تم میں نہیں ابھرتا' تم صرف عامل نہیں ہوتے ہو یہ پورے تناظر میں ابھرتا ہے۔ صورت حال تم اور سب کچھ اس میں شامل ہوتا ہے۔ عمل اس کلیت سے جنم لیتا ہے۔۔۔ یہ تمہارا عمل نہیں ہوتا۔ تم نے اسے اس انداز سے کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ یہ تمہارا فیصلہ نہیں ہے۔ یہ تمہاری سوچ نہیں ہے۔ یہ تمہارا کردار نہیں ہے۔ تم اسے نہیں کر

رہے ہو تم تو صرف اسے ہونے دے رہے ہو۔

سورج ابھی طلوع نہ ہوا ہو اور تم صبح کی سیر کر رہے ہو اور اچانک ایک سانپ تمہارے سامنے آ جائے۔۔۔تب سوچنے کا وقت نہیں ہوتا' تم صرف انعکاس کر سکتے ہو۔ یہ فیصلہ کرنے کا وقت نہیں ہوتا کہ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے۔ تم فوراً چھلانگ لگا دیتے ہو لفظ ''فوراً'' کو یاد رکھنا۔۔۔تم ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ تم فوراً راستے سے چھلانگ لگا دیتے ہو۔ بعد میں تم درخت تلے بیٹھ کر اس کے بارے میں سوچ سکتے ہو۔۔۔کیا ہوا' تم نے کیا کیا۔۔۔اور تم اپنی کمر تھپکا سکتے ہو کہ تم نے اچھا کیا۔ تاہم درحقیقت تم نے یہ کام نہیں کیا تھا' یہ تو ہو گیا تھا۔ وہ پورے تناظر میں ہوا تھا۔ تم ''سانپ'' موت کا خطرہ' زندگی کی خود کو بچانے کی کوشش اور ایک ہزار چیزیں اس میں شامل تھیں۔ ساری صورت حال اس عمل کا سبب تھی۔ تم محض ایک وسیلہ تھے۔

یہ عمل موزوں ہے تم اس کے کرنے والے نہیں ہو۔ دھرم کے الفاظ میں تم کہہ سکتے ہو' بھگوان نے اسے تمہارے وسیلے سے کیا۔ یہ بات کہنے کا صرف ایک مذہبی طریقہ ہے۔ کُل نے جزو کے وسیلے کام کیا ہے۔۔۔یہی نیکی ہے۔ تم اس پر کبھی پچھتاتے نہیں ہو۔

اور یہ حقیقتاً ایک آزادی بخش عمل ہوتا ہے۔ جب یہ رونما ہو چکا ہو تو ختم ہو جاتا ہے۔ تم دوبارہ عمل کرنے کے لیے آزاد ہوتے ہو۔ تم اس عمل کو اپنے سر میں نہیں اٹھائے پھرو گے۔ وہ تمہاری نفسیاتی یادداشت کا حصہ نہیں بنے گا۔ وہ تم پر کوئی زخم نہیں چھوڑے گا۔ وہ اتنا بے ساختہ تھا کہ اس نے کوئی نشان بھی نہیں چھوڑا۔ یہ عمل کبھی ''کرم'' نہیں بنے گا۔ یہ عمل تم پر کوئی خراش نہیں چھوڑے گا۔

جو عمل کرم ''بن جائے' ایسا عمل ہوتا ہے جو حقیقتاً عمل نہیں ہوتا بلکہ ایک ردعمل ہوتا ہے' جو کہ ماضی سے' یادداشت سے' سوچ سے آتا ہے۔ تم فیصلہ کرنے والے' انتخاب کرنے والے ہو۔ یہ آگہی سے نہیں عدم آگہی سے ہوتا ہے۔ یوں یہ سراسر پاپ ہوتا ہے۔

میرے نزدیک آگہی سب کچھ ہے۔ میں تمہیں آگہی کا درس دیتا ہوں۔

افلاطون تعلیمی عمل کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے غار والی حکایت سناتا ہے۔ غار میں زنجیروں سے بندھے قیدی حقیقی دنیا کے صرف سائے کو دیکھ سکتے ہیں۔ ان سایوں کو دیکھنے والا ایک قیدی آزاد ہو کر روشنی میں جاتا ہے۔

غار سے نکلتے ہی وہ دھوپ کی وجہ سے اندھا سا ہو جاتا ہے اور لمحہ بھر کو واپس جانے کا سوچتا ہے۔ تاہم اسے ادراک ہوتا ہے کہ انسان کی مصدقہ زندگی صرف وہی ہے کہ جس میں وہ اشیا کو واضح دیکھتا ہے۔ پہلے پہل روشنی سے چندھیا کر وہ اندھیرے میں واپس جانے کا سوچتا ہے لیکن پھر وہ سایوں والی غار کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تاہم آگاہ ہونے کے بعد' مشاہدہ کرنے کے بعد' واضح تصورات پانے کے بعد وہ فیصلہ کرتا ہے کہ غار میں واپس جا کر دوسروں کو بھی اس غیر حقیقی دنیا سے آزادی دلائے۔

جس لمحے تم آگاہ ہوتے ہو تو صرف یہی نہیں ہوتا کہ تمہاری زندگی بدل جاتی ہے بلکہ تم ایک نئے انداز سے کام کرنے لگتے ہو' تم دوسروں کو تبدیل ہونے میں مدد دینے لگتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم آگہی کی روشنی کو دیکھ لیتے ہو' جب تم ذہن لاشعور کی غار سے نکل آتے ہو تو تم حیران رہ جاؤ گے کہ تم جو کچھ پہلے جانتے تھے وہ حقیقی نہیں تھا' وہ صرف حقیقت کے سائے تھے۔ تم حقیقت کا خواب دیکھ رہے تھے۔

جب تم روشنی دیکھ لیتے ہو تو تم اسے بانٹنا پسند کرتے ہو۔ تم غار میں واپس جا کر دوسرے قیدیوں کو آزاد کرنا پسند کرتے ہو۔ تمام عظیم گرو صدیوں سے یہی کر رہے ہیں۔

تم پہلی بار چندھیا جاؤ گے۔ پہلی بار تم محسوس کرو گے کہ تمہاری آنکھیں زخمار ہی ہیں۔۔۔ یہ نشوونما کی تکلیف ہوتی ہے۔ پہلی مرتبہ خواہش ابھرے گی' ایک عظیم خواہش ابھرے گی کہ تاریکی میں واپس جایا جائے کیونکہ تم اس کے عادی ہو چکے ہو۔ وہ سکون بخش تھی۔ تاہم جب تم حقیقت کو تھوڑا سا بھی دیکھ چکے ہو تو تم واپس نہیں جا سکتے۔ تم واپسی کی حد کو پار کر چکے ہو' تمہیں روشنی میں ہی رہنا ہوگا۔ تمہیں روشنی کو جذب کرنا سیکھنا ہوگا۔۔۔ کیونکہ حقیقت نہایت مسرت بخش ہوتی ہے۔ حقیقت کے تجربے سے زندگی مذہبی ہو جاتی ہے۔ حقیقت کا تجربہ ہونے کے بعد تم پرانے طریقوں سے عمل نہیں کر سکتے۔

میں جانتا ہوں کہ سوال کیوں ابھرا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم غصے میں آنے سے اکتا گئے ہو۔ تم نے بہت مرتبہ فیصلہ کیا لیکن غصہ آ جاتا تھا۔ تم نے لالچ نہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن تم بار بار دام میں پھنس جاتے رہے۔ تم اپنے آپ کو بدلتے بدلتے اکتا گئے ہو۔ ہوا کچھ نہیں ہے' تم ویسے کے ویسے ہی ہو۔

میں تمہیں ایک سادہ سی کلید بتا رہا ہوں۔۔۔ آگہی۔ تم یقین نہیں کر سکتے ہو۔ آگہی' کس طرح صرف آگہی' کام آ سکتی ہے جبکہ کوئی شے کارگر نہیں ہو رہی۔ چابیاں ہمیشہ بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ چابیاں بہت بڑی چیزیں نہیں ہوتیں۔ ایک چھوٹی سی چابی بہت بڑے تالے کو کھول سکتی ہے۔۔۔ اور آگہی ایک کلید کے طور پر کام نہیں کرے گی؟

کوئی شخص گہری نیند میں ہو اور ڈراؤنے خواب دیکھے کہ کوئی شخص اسے قتل کرنے والا ہے' اس پر تشدد کر رہا ہے تو وہ اس سے لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ بہت خوفزدہ ہوتا ہے۔ وہ کپکپانے لگتا ہے۔ اس کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ اسی دوران اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ جاگنے کے بعد کانپ رہا ہوتا ہے اور پسینے پسینے ہوتا ہے۔ تاہم وہ ہنسنے لگتا ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ خواب ختم ہو چکا ہے' تمام دشمن اور ننگی تلواریں حقیقت نہیں تھیں۔ اسے کسی تحفظ کی ضرورت نہیں رہی' اسے کسی دفاع کی ضرورت نہیں رہی۔

انسان جاگے تو خواب ختم ہو جاتا ہے۔ خواب میں وہ ہر ممکن طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہ اسے ناممکن لگتا تھا۔ تمہارا معاملہ بھی ایسا ہے بلکہ ہر شخص کا معاملہ ایسا ہے۔

غصہ ایک سایہ ہے۔ تم ایک سائے سے لڑائی میں جیت نہیں سکتے۔ لالچ ایک سایہ ہے۔ یہ حقیقتیں نہیں ہیں۔ حقیقت وہ ہوتی ہے جو تمہیں آگہی حاصل ہونے کے بعد بھی برقرار رہے۔ ایک معجزہ ہوتا ہے۔۔۔ جو لوگ آگاہ ہوتے ہیں انہیں غصے یا لالچ جیسی کسی شے کا علم نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں کہ وہ انہیں جھٹک دیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ یہ انہیں ملتے ہی نہیں۔ تم روشنی میں آ جاؤ تو اندھیرا کہاں رہتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ جب گوتم بدھ کو گیان حاصل ہوا تو انہوں نے مسکرا کر کہا تھا'' یہ تو ناقابلِ یقین ہے میں تو ابتدا ہی سے گیان پائے ہوئے تھا۔ وہ سب زنجیریں محض خواب تھیں۔''

جب لوگ ان سے پوچھتے کہ ''ہمیں غصے میں نہ ہونے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟'' یا ''ہمیں لالچی نہ ہونے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟'' یا ''ہمیں جنس اور خوراک کے خبط سے بچنے کے لیے کیا نہیں کرنا چاہیے؟'' تو وہ ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے تھے: آگاہ ہو' اپنی زندگی میں آگہی لاؤ۔

ان کا چیلا آنند ہر شخص کے ہر مسئلے کا ایک ہی حل سن سن کر الجھن میں تھا۔ اس نے کہا'' آپ ہر سوال کا ایک ہی جواب کیوں دیتے ہیں؟ ہر مسئلے کا ایک ہی حل کیوں تجویز کرتے ہیں؟''

گوتم بدھ نے کہا'' ان کے مسئلے یونہی مختلف ہوتے ہیں کہ جیسے لوگوں کے خواب مختلف ہوتے ہیں' کہ جیسے لوگوں کے خواب مختلف ہو سکتے ہیں۔''

اگر تم دو ہزار سنیاسی سو جاؤ تو تم الگ الگ خواب دیکھو گے۔ یاد رکھو! تم کسی کو اپنے خوابوں میں شریک نہیں کر سکتے۔ خواب انتہائی نجی ہوتے ہیں۔ تمہاری بیوی' تمہارا خاوند' کوئی شخص ان میں شریک نہیں ہو سکتا۔ پس دو ہزار لوگ' دو ہزار خواب دیکھیں گے۔ اگر تم مجھ سے پوچھو کہ اس خواب سے چھٹکارہ کیسے پایا جائے؟ تو میرا جواب وہی ہو گا جاگ اٹھو! تجویز مختلف نہیں ہو گی۔ تم اسے آگہی کہہ سکتے ہو' تم اسے مشاہدہ کہہ سکتے ہو' تم اسے یاد کرنا کہہ سکتے ہو تم اسے مراقبہ کہہ سکتے ہو۔۔۔ یہ ایک ہی دوا کے مختلف نام ہیں۔

زیادہ آگہی کے ساتھ عمل کرو۔

ایک شخص کام پر جانے کے لیے ٹرین میں سوار ہوا۔ ٹرین کی حرکت سے اسے نیند آ گئی۔ اتفاقاً ٹرین سٹیشن سے پہلے ایمرجنسی ریڈ سگنل پر رک گئی۔ جھٹکے سے اس شخص کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھا کہ اس کا سٹیشن آ گیا ہے۔ وہ جلدی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا پتھروں پر گرا۔ دوسروں نے اسے اٹھایا اور اندر لے آئے۔ اس نے کپڑوں سے گرد جھاڑی' ناک سے بہنے والا خون پونچھا اور بولا'' میں بھی کیسا احمق ہوں' غلط دروازے سے باہر نکل گیا۔''

اس نے یہ کہا اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا اور دوسری سمت سے آنے والی ایکسپریس تلے آ گیا۔''

انسان کا واحد مسئلہ یہ ہے کہ وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔۔۔ کھلی آنکھوں کے ساتھ' اسی لیے تم آگاہ نہیں ہو کہ تم آگاہ نہیں ہو۔ تمہاری آنکھیں کھلی ہیں اور تم خواب دیکھ رہے ہو۔۔۔ ایک ہزار ایک خواب اور ایک ہزار ایک خواہشیں۔ تم لمحۂ موجود میں نہیں ہو۔ یہ ہے

آگاہ نہ ہونے کا مطلب۔ تم ماضی میں ہو' یادوں میں ہو۔۔۔ یہ خواب ہے یا پھر تم مستقبل میں ہو' تخیل میں۔۔۔ یہ خواب ہے۔ حال میں ہوؤ۔

اگر ماضی ہے تو تم آگاہ نہیں ہو۔ اگر مستقبل ہے تو تم آگاہ نہیں ہو۔ آگہی کا مطلب حال میں ہونا ہے۔ لمحۂ موجود میں ہونا ہے۔ اگر صرف ایک خیال بھی تم میں سے گزرے تو تم آگاہ نہیں ہوتے۔ خیال کے عمل میں ہونا نیند میں ہونا ہے۔ خیال کے عمل میں نہ ہونا آگاہ ہونا ہے اور حال میں ہونے کے اس شفاف خالص پن میں تم گناہ کیسے کر سکتے ہو؟ اس شفافیت میں انا غائب ہو جاتی ہے اور یہ انا ہی تو ہے جو تمہاری زندگی میں ہر قسم کے مسائل لے کر آتی ہے۔ انا متشدد ہوتی ہے۔ اگر تم عاجز بننے کی کوشش کرو تو ہو سکتا ہے تم عاجز بن جاؤ مگر انا تمہاری عاجزی کے پیچھے چھپی رہے گی۔ جب تک تم آگاہ نہیں ہو جاتے۔ انا اپنے کھیل کھیلتی رہے گی۔ کھیل بدل جائے گا۔ ہو سکتا ہے تم ایک زنداں سے دوسرے زنداں میں چلے جاؤ۔ کچھ بھی ہو تم زنداں ہی میں رہو گے۔

زنداں سے نکلنے کا واحد طریقہ مکمل طور پر چوکس ہونا ہے۔ اس چوکسی میں تم شفاف ہو جاؤ گے' اس چوکسی میں تم مجتمع ہو جاؤ گے اور یہی مجتمع ہونا تمہیں حقیقت کے عین مرکز میں لے جائے گا۔ یہ تجربہ اتنا مسرت بخش ہو گا کہ تم مزید ایک چور نہیں رہو گے۔۔۔ ایک کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی تمہیں مطلوب تھا' مل چکا ہے' جس شے کی بھی تم نے کبھی خواہش کی تھی اس کی خواہش پوری ہو چکی ہے۔ اگر ہر خواہش پوری ہو جائے تو چور کون بنے گا؟ کیوں بنے گا؟

کون قتل کرنا پسند کرے گا؟ کیوں کرے گا؟ تم تو قتل کرنے کا سوچو گے بھی نہیں کیونکہ اب تم جانتے ہو کہ کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ ہر کوئی ابدی ہے۔ یہ ایک لایعنی کوشش ہو گی۔ تم کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ تم زیادہ سے زیادہ لباس اتار سکتے ہو' تاہم داخلی ہستی باقی رہتی ہے۔ جب تم آگہی کی روشنی میں اپنی ہستی کو دیکھ لیتے ہو تو سب کی داخلی ہستی کو دیکھ لیتے ہو۔ یہ ابدیت ہے۔ موت' موت نہیں ہے۔ موت صرف خوابوں میں آتی ہے حقیقت میں نہیں۔

اگر تم آگاہ ہو تو زنا کیسے کر سکتے ہو؟ آگہی بے پناہ محبت لے کر آتی ہے اور محبت کرنے والا شخص زنا نہیں کر سکتا۔ زنا اسی وقت ممکن ہے کہ انسان کو محبت کے بارے میں کچھ علم نہ ہو۔ یاد رکھو جو لوگ زانی ہوتے ہیں صرف وہی زنا نہیں کرتے۔ ممکن ہے تم اچھے شوہر اور

اچھی بیوی ہو' قانوناً شادی شدہ ہو اور پھر بھی تمہارا تعلق زنا کے سوا کچھ نہ ہو۔ اگر تم غیر آگاہ ہو تو تم کچھ نہیں کر سکتے تمہارا تعلق زانی والا تعلق ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے تم قانونی انداز میں زنا کرو۔ معاشرے سے تصدیق شدہ' اجازت یافتہ اگر تمہاری بیوی اس لیے تم سے جنسی عمل کرے کہ تم اس کے شوہر ہو اور بیوی کی حیثیت سے یہ اس کا فرض ہے کہ وہ تمہاری ہر خواہش پوری کرے تو یہ زنا ہو گا۔ وہ اس عمل میں حقیقتاً شریک نہیں ہے۔۔۔ یہ زنا ہے۔ وہ صرف ایک بیوی کی ذمہ داری پوری کر رہی ہے۔ اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ جنسی عمل کر رہے ہو اور اس لمحے پوری طرح موجود نہیں ہو تو یہ زنا ہے۔ عورت تم سے زنا کر رہی ہے تم اس سے زنا کر رہے ہو۔

محبت صرف تبھی محبت ہوتی ہے جب مراقباتی ہوتی ہے۔ محبت صرف تبھی محبت ہوتی ہے جب دونوں طرف عظیم آگہی ہو۔ دو حال ملتے ہیں' دو ''اب'' ملتے ہیں' دو ''یہاں'' ملتے ہیں' ایک دوسرے میں جذب ہو جاتے ہیں۔۔۔ تب یہ محبت ہوتی ہے تب یہ ایک روحانی کیفیت کی حامل ہوتی ہے۔

تاہم تم آگہی کے بغیر جینا سیکھ چکے ہو۔ تم جانتے ہو کہ آگہی کے بغیر کیسے کام چلایا جا سکتا ہے۔ تمہیں اپنے گھر کے دروازوں اور کمروں کا پتا ہے اور تم نے ہر طرح کے ہنر سیکھ لیے ہیں۔۔۔ تم دفتر تک کار ڈرائیو کر کے جا سکتے ہو اور واپس آ سکتے ہو اور تمہیں آگاہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم ان کاموں کو میکانکی انداز میں کرتے چلے جاتے ہو۔

تمام گناہ اس میکانکی پن سے پیدا ہوتے ہیں۔ تمہاری زندگی نرک بن جاتی ہے۔ نرک کا مطلب ہے حال میں نہ ہونا اور سوَرگ کا مطلب ہے حال میں ہونا۔

تمہاری مکمل ذہنی حالت کو تبدیل ہونا ہے اور یہی آگہی کا مفہوم ہے۔ تم ماضی میں ہو' مستقبل میں ہو۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ تم ذہن میں ہو۔ ذہن سے باہر آ جاؤ حال میں ہوؤ۔۔۔ اور جب تم حال میں ہوتے ہو تو تم ذہن کا حصہ نہیں ہوتے ہو۔ تب ہر عمل حیران کن شفافیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ تم آئینہ ہوتے ہو۔ آئینے پر گرد نہیں ہے کیونکہ خیالات نہیں ہیں۔

میں یہاں تمہیں یہی تعلیم دے رہا ہوں کہ آگاہ کیسے ہونا ہے ہے باشعور کیسے ہونا ہے۔۔۔ ہونا کیسے ہے اور خیالوں کے بغیر۔ تب زندگی خود بخود تبدیل ہونے لگتی ہے۔ میں تمہیں عدم تشدد کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس ملک میں عدم تشدد کی تعلیم صدیوں سے دی جا رہی ہے

اور لوگ متشدد ہی ہیں۔ درحقیقت اس ملک سے زیادہ متشدد لوگ کہیں نہیں ہیں۔ ہر روز' ہر ممکن طریقے سے تشدد پھوٹ پڑتا ہے۔۔۔ کوئی بھی بہانہ کافی ہوتا ہے۔ بسیں جلائی جائیں گی' لوگ قتل ہوں گے اور پولیس کو گولی چلانی پڑے گی۔۔۔ ہر روز۔ یہ تو خبر ہی نہیں رہا۔ یہ نیا نہیں ہے تو خبر کیسے ہو سکتا ہے؟ تم یقین رکھو تشدد اس ملک میں کہیں نہ کہیں ہو رہا ہو گا۔

کسی نے پوچھا ہندوستان میں اتنا زیادہ تشدد کیوں ہے؟ میں نے کہا اس کا سبب عدم تشدد کی تعلیم ہے۔ پانچ ہزار سال سے لوگوں کو غیر متشدد ہونے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ وہ دھوکا دینا سیکھ چکے ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے تشدد کو دبا لیا ہے۔ وہ آتش فشانوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی بہانہ' کوئی چھوٹا سا بہانہ اور تشدد پھوٹ پڑتا ہے' پھر یہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتا ہے۔

جب بھی ہندو مسلم فساد ہو تو تم اس ملک کے لوگوں کا حقیقی چہرہ دیکھ سکتے ہو۔۔۔ قاتلوں جیسا۔ صرف ایک روز پہلے وہ اپنی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کر رہے تھے' وہ انتہائی نیک دکھائی دے رہے تھے۔ فساد ہونے دو اور دیکھو کہ ان کی نیکی کس طرح غائب ہوتی ہے۔۔۔ جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔۔۔ اور وہ قتل کرنے' زنا کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہوتے ہیں! تشدد اس ملک میں بار بار پھوٹ پڑتا ہے تو اس کی وجہ غلط تعلیم ہے' جس میں تشدد کو دبانے پر زور دیا جاتا ہے۔ تم جب بھی کسی شے کو دباتے ہو وہ بار بار ابھرتی ہے۔

میں تمہیں آگہی کی تعلیم دیتا ہوں' دبانے کی نہیں۔ اسی لیے میں عدم تشدد کی بات نہیں کرتا میں یہ نہیں کہتا کہ متشدد مت ہو۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں ''چوکس ہوؤ' آگاہ ہوؤ' تم جو کچھ بھی کر رہے ہو ایسی احتیاط سے' ایسے مراقباتی انداز سے کرو کہ اس میں مطلق طور پر موجود ہو۔ اس میں شامل ہو۔ تم موجود ہوتے ہو تو تمہاری موجودگی ایک کیمیائی تبدیلی لاتی ہے۔ تم کبھی نہیں دباؤ گے' تم کبھی آتش فشاں پر نہیں بیٹھو گے۔ تم جتنا زیادہ آگاہ ہو گے۔ اتنا ہی تمہاری زندگی خاموشی' سکون اور محبت سے معمور ہو گی۔ یہ آگہی کی ضمنی پیداوار ہیں۔

درست راستہ

''میں کیسے یقین کروں کہ میں درست راستے پر گامزن ہوں؟''

تمہارے درست راستے پر گامزن ہونے کی نشانیاں بہت سادہ ہیں۔ تمہاری ہر ٹینشن غائب ہو جائے گی' تم زیادہ سے زیادہ ٹھنڈے ہو جاؤ گے' تم زیادہ سے زیادہ پُرسکون ہو جاؤ گے' تم اشیا میں ایسی خوبصورتی پاؤ گے جو تم نے پہلے کبھی نہیں پائی ہوتی۔

چھوٹی چھوٹی باتیں حیران کن اہمیت پانے لگیں گی۔ ساری دنیا ہر روز زیادہ سے زیادہ بھید بھری ہونے لگے گی۔ تم کم سے کم باعلم اور زیادہ سے زیادہ معصوم ہونے لگو گے۔۔۔ تتلیوں کے پیچھے بھاگتے یا ساحل پر سیپیاں اکٹھی کرتے بچے جیسے۔

تم زندگی کو ایک مسئلہ نہیں بلکہ ایک تحفہ محسوس کرو گے' ایک رحمت محسوس کرو گے۔ اگر تم درست راستے پر ہو تو یہ نشانیاں بڑھتی رہیں گی۔ اگر تم غلط راستے پر ہو تو پھر اس کے الٹ رونما ہو گا۔

9

آزادی' ذمہ داری اور کمٹمنٹ

❖.... ہر شخص آزادی سے خوف زدہ ہے۔ ہر شخص غلام ہے۔

❖.... میں آزادی کھونے کی بجائے موت قبول کر لوں گا۔

❖.... کمٹمنٹ کا لازمی نتیجہ مشکل صورت حال ہوتی ہے۔

❖.... آزادی کی آرزو مت کرو' آزاد ہو جاؤ۔

❖.... لوگ خوابوں کے نشئی بن چکے ہیں۔۔۔ خواب منشیات سے زیادہ نشہ آور ہوتے ہیں۔

ہر شے تمہارا انتخاب ہے

آزادی اور ذمہ داری ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ یہ ایک سکے کے دو رخ ہیں۔ اگر تم آزادی چاہتے ہو تو تمہیں اپنے ہر عمل کا ذمہ دار ہونا پڑے گا۔ اگر تم ذمہ داری نہیں چاہتے ہو تو تم اپنی آزادی کھو دیتے ہیں۔

ہر شخص آزاد ہونا اور ذمہ دار نہ ہونا چاہتا ہے۔ ہم ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈالتے رہتے ہیں۔۔۔اور ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈالنے کے ساتھ ہی آزادی کے امکانات بھی دوسروں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ذمہ دار بنو۔ اگر تم غصے میں ہو تو غصے میں ہو۔۔۔یہ مت کہو ''کوئی دوسرا شخص، کوئی اور قوت، مجھ پر غالب آ گئی تھی۔'' نہیں، کوئی شخص تم پر غالب نہیں ہے۔

جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ تمہارا انتخاب ہے۔ تمہی نے اسے چنا ہے۔ ہوسکتا ہے تم مکمل طور پر لاعلم ہو کہ تم نے اس کا انتخاب کس طرح کیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات تم چاہتے ایک شے ہو اور منتخب دوسری شے کو کر لیتے ہو۔۔۔اسی سے مسئلہ پیدا ہوتا ہے، تم سوچتے ہو کہ تمہیں اس شے کی خواہش ہے۔ جبکہ تم کوئی دوسری شے چن لیتے ہو یا تمہیں کسی اور شے کی خواہش تھی۔ تم نے اس شے کو چن لیا ہے۔ لیکن نتیجہ مختلف ہے۔

مثال کے طور پر تم لوگوں پر غلبہ پانے کی کوشش کرتے ہو۔۔۔یہ تمہارا انتخاب ہے۔ تم لوگوں پر غلبہ پانا چاہتے ہو۔ لیکن جب تم لوگوں پر غلبہ پاتے ہو تو وہ لڑتے ہیں۔۔۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ وہ تم پر غلبہ پانے کی کوشش کرتے ہیں اور تم بھی اسے پسند نہیں کرتے۔۔۔ کشمکش جنم لیتی ہے، حسد جنم لیتا ہے تمہارے ارد گرد دوزخ جنم لیتی ہے۔

اور تم کہتے ہو "میں نے تو کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔" لیکن تم لوگوں پر غلبہ پانا چاہتے ہو یہی اس سارے مسئلے کا سبب ہے۔

ہمیشہ سبب (Cause) تلاش کرو۔ اگر مسبب (Effect) ہے تو سبب کا ہونا بھی لازم ہے۔ اگر تم نے سبب کو نہ چنا ہو تو مسبب کا ہونا ناممکن ہے۔ لوگ مسبب کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ سبب کو تبدیل نہیں کرنا چاہتے۔ یہ ہوتا ہے عمومی ذہن۔۔۔ ذہن جو کہ احمق ہے۔

ذہین ذہن بالکل مختلف صفات کا حامل ہوتا ہے۔ جب وہ کسی مسبب کو نہیں چاہتا ہے تو اس کے سبب پر غور کرتا ہے اور سبب کو ترک کر دیتا ہے۔۔۔ تب کوئی مسئلہ نہیں رہتا!

آزاد ہونے کا خوف

"میں آزاد ہونے سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہوں؟"

ہر شخص ہے۔

آزادی ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ لوگ آزادی کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً آزاد نہیں ہونا چاہتے۔ یہ نری باتیں ہوتی ہیں۔ ہر شخص محتاج ہونا چاہتا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ کوئی اور ذمہ داری لے لے۔ آزادی میں تم اپنے ہر ہر عمل کے ذمہ دار ہوتے ہو، ہر خیال کے، ہر حرکت کے۔ تم کسی پر کچھ نہیں ڈال سکتے۔

ذرا کسی فرائیڈین نفسیات داں کو، نفسیاتی معالج کو دیکھو۔ مریض کاؤچ پر لیٹا ہوا ہے اور نفسیاتی معالج پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔ یوں مریض معالج کو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ کاؤچ کے پیچھے بیٹھا ہے۔ وہ مریض کو دیکھ سکتا ہے لیکن مریض اسے نہیں دیکھ سکتا۔ کچھ نفسیاتی معالجین تو پردہ استعمال کرتے ہیں تاکہ مریض کو یہ احساس ہو کہ اسے اپنے راز چھپانے نہیں ہیں۔

اور ہوتا کیا ہے؟۔۔۔ ساری دنیا میں نفسیاتی تجزیے کی تمام نشستوں میں کیا ہو رہا ہے؟ مریض ہر بات ماں پر ڈال رہا ہے۔۔۔ بیشتر ماں پر یا باپ پر۔ وہ خود ذمہ داری نہیں دے رہا ہوتا۔ وہ یہ بات کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ تو بالکل معصوم ہے۔ ہر شخص غلط ہے اور اسے ایسے کام کرنے پر مجبور کر رہا ہے جو وہ کرنا ہی نہیں چاہتا۔

شاید اس میں تھوڑا بہت سچ ہو۔ ایسا ہو رہا ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو مختلف کام

کرنے کا کہتی ہیں۔۔۔مائیں اپنی بیٹیوں کو حقیقی معزز خواتین بنانے کی کوششیں کر رہی ہیں! وہ انہیں انگریز لیڈی بنانا چاہتی ہیں۔ امریکی ماں ایسا نہیں کرتی۔ درحقیقت امریکہ سے تو لیڈی غائب ہو چکی ہے۔ کیلیفورنیا میں صرف عورتیں ہیں لیڈیز نہیں ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کو ایک حقیقی مرد، ایک جینٹل مین بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پس اس میں تھوڑا بہت سچ ہے۔

تاہم جب تم بالغ ہو جاتے ہو تو سارے منظر کو دیکھتے ہو۔ جو ہو چکا ہے تم اسے ترک کر سکتے ہو۔ تاہم تم ترک کرنا نہیں چاہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پھر تم ذمہ دار ہو جاؤ گے۔ اس وقت معاملہ یہ ہے کہ اگر تم کوئی غلط کام کرو تو آسانی کسی دوسرے کی طرف اشارہ کر سکتے ہو کہ اس کا ذمہ دار فلاں ہے۔

ہر شخص آزادی سے خوف زدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں غلامی باقی ہے۔ ہر شخص غلام ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا غلام ہے، وہ اپنے دھرم کا غلام ہے، وہ اپنی ریاست کا غلام ہے، وہ اپنے ہمسایوں کا غلام ہے۔۔۔ ہر طرح کی غلامی، جو کہ نظر نہیں آتی۔

میرے یونیورسٹی کے دور کی بات ہے:

میں ہاسٹل میں رہتا تھا۔ میرے کمرے میں ایک اور لڑکا بھی رہتا تھا۔ ہم ایک سال سے اکٹھے تھے اور میں نے کبھی اس کی زبان میں ہکلاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ ایک روز اس کا باپ اسے ملنے آیا۔ باپ سے بات کرتے ہوئے وہ لڑکا ہکلانے لگا۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ میں نے پوچھا ''یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سے تمہارا باپ آیا ہے تم ہکلانے لگے ہو۔ تم اس طرح تو پہلے کبھی نہیں بولتے تھے؟''

اس نے کہا ''وہ مجھے بچپن ہی سے کہا کرتا تھا کہ مجھے کس طرح بولنا ہے، کیا بولنا ہے، کیا نہیں بولنا ہے، کس سے بات کرنی ہے، کب بات کرنی ہے۔ اس نے مجھے اتنا بے حواس کر دیا کہ میں اپنی سمجھ سے کام نہ لے سکا اور ہکلانے لگا۔ جب میں یونیورسٹی آیا تو میں خود حیران رہ گیا کہ گھر سے نکلتے ہی میری ہکلاہٹ غائب ہو گئی۔ جب بھی میں گھر واپس جاتا ہوں ہکلاہٹ پھر سے آ جاتی ہے۔''

میں نے پوچھا ''جب تم پوجا کرنے کے لیے مندر میں جاتے ہو تب کیا ہوتا ہے؟''

اس نے کہا ''ایسا ہی ہوتا ہے، میں ہکلانے لگتا ہوں۔''

ایک روز اس لڑکے کو وائس چانسلر نے کسی کام سے بلایا۔ میں اس کے ساتھ گیا۔ اس نے پوچھا ''تم میرے ساتھ کیوں جا رہے ہو؟''

میں نے کہا ''فکر مت کرو۔ میں صرف کمرے کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔''

وہ بولا ''لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟''

میں نے کہا ''میں بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔''

اور وائس چانسلر کے کمرے میں وہ ہکلانے لگا۔

مجھے اجازت لیے بغیر کمرے میں جانا پڑا۔ دونوں کو میری آمد سے دھچکا سا لگا۔ اسے اس لیے دھچکا لگا کہ وہ ہکلا رہا تھا۔ وائس چانسلر نے کہا ''کیا تمہیں پتا نہیں ہے کہ اندر آنے سے پہلے اجازت لینی چاہیے؟''

میں نے کہا ''صورت حال ایسی تھی کہ مجھے اچانک اندر آنا پڑا۔ میں اسے دو وجوہات سے آپ کے سامنے ہکلاتے ہوئے پکڑنا چاہتا تھا۔ میں اس پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ یہ اس کے اندر کی خامی نہیں ہے۔ کوئی بھی فادر فگر، کوئی بھی مقتدر ہستی اس کے ہکلانے کا سبب بن سکتی ہے۔۔۔ اور آپ یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین مقتدر ہستی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی یہ بات جان لیں۔ پلیز! بے چارے طلبا کو ہکلا مت بنائیں۔ آپ بگ ڈیڈی نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے میں اچانک بلا اجازت اندر آ گیا تھا اور میں نے آپ دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے۔ آپ کو ایک مقتدر حیثیت میں۔۔۔ اور یہ بہت گندی بات ہے۔ آپ بے چارے طالب علم پر کچھ تھوپ رہے

ہیں۔" یہ تو پہلے ہی اپنے باپ کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔

وائس چانسلر نے کہا" ممکن ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ میں اس سے ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔ میں کسی کے ساتھ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا، میں نہیں چاہتا کہ کوئی طالب علم ہکلائے۔ جب یہ ہکلانے لگا تھا تب میں نے پریشان ہو کر سوچا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ پھر میں نے سوچا کہ شاید یہ اس کی عادت ہو۔"

میں نے کہا" یہ اس کی عادت نہیں ہے۔ یہ پورے ایک سال سے میرے ساتھ رہ رہا ہے اور کبھی ایک بار بھی نہیں ہکلایا۔ تاہم جیسے ہی اس کا باپ آیا اس نے ہکلانا شروع کر دیا۔ تب سے میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ یہ مندر میں بھگوان کے سامنے، اپنے باپ کے سامنے اور آپ کے سامنے ہکلاتا ہے۔ آپ کو مقتدرانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو زیادہ انسان دوست بننا چاہیے۔ زیادہ دوستانہ انداز اپنانا چاہیے۔ آپ کو زیادہ محبت آمیز برتاؤ کرنا چاہیے۔ آپ اس کے باپ نہیں ہیں۔"

لڑکا باہر آیا تو بولا" میرا باپ ذمہ دار ہے۔"

میں نے کہا" نہیں، تم بزدل ہو۔ ہر باپ اپنے بیٹے کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ جلد یا بدیر بیٹے نے اس کی جگہ لینی ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ساری نوعِ انسان ہکلا رہی ہو۔ تم بزدل ہو۔ تم ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کر رہے ہو۔ تسلیم کرو کہ تم بزدل ہو۔ وگرنہ تمہارے باپ میں ایسی کون سی بات ہے؟ میں نے اسے دیکھا ہے تم قد میں اس سے لمبے ہو۔ اگر تم اس سے کشتی کرو تو اسے پچھاڑ دو گے۔ کیونکہ وہ بوڑھا ہو رہا ہے جبکہ تم اپنے شباب میں ہو، صحت مند اور بالکل جوان ہو اور اس چھوٹے سے بوڑھے آدمی نے تمہیں ہکلا بنا دیا ہے۔ تم اب بھی ذمہ داری اس پر ڈال

رہے ہو۔ یہ غلامی ہے، یہ ذہنی غلامی ہے تاہم تمہیں اس سے یہ سکون ملتا ہے کہ تم اس کا سبب نہیں ہو۔"

تمہیں گرجا گھر، مندر، سینا گوگ جانے پر کون مجبور کرتا ہے؟ ٹھیک ہے جب تم بچے تھے تو تمہیں وہاں لے جایا جاتا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔؟ تم اب بھی پرانے معمول کے مطابق عمل کر رہے ہو۔ اگر تمہیں اس کی وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے تو تم کہو گے" میرا باپ مجھے گھسیٹ کر سینا گوگ لے جاتا تھا۔ میری یہودی ماں مجھے وہاں گھسیٹ کر لے جایا کرتی تھی۔۔۔ وغیرہ وغیرہ"

تم اسے غلامی نہیں سمجھتے ہو۔ تاہم یہ غلامی ہے۔ تم اس کے خلاف نہیں لڑ رہے ہو۔ ہاں میں جانتا ہوں، چھوٹے بچے اپنے ماں باپ کے محتاج ہوتے ہیں اور ماں باپ تمہاری محتاجی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ تم کہیں نہیں جا سکتے۔

میں نے اپنے بچپن ہی میں سمجھ لیا تھا کہ انہیں کیا شے مقتدر بنا رہی ہے: "شاید وہ سوچتے ہیں کہ یہ بغاوت نہیں کر سکتا۔ شاید وہ سوچتے ہیں کہ اگر میں خلاف چلوں گا تو کھانا حاصل نہیں کر پاؤں گا۔ شاید وہ سوچتے ہیں کہ میں ان کی حفاظت کے بغیر اس وسیع و عریض دنیا میں کھو جاؤں گا۔" پس مجھے یہ سب کام کرنے ہوں گے۔ صرف تبھی وہ سمجھیں گے کہ مجھ پر حکم نہیں چلایا جا سکتا۔ میں نے یہ بات اپنے باپ پر واضح کر دی تھی: "ایک بات یقینی ہے کہ اگر آپ مجھ سے کوئی کام کروانا چاہتے ہیں تو براہِ مہربانی تحکمانہ انداز میں بات مت کریں۔"

اس نے کہا تھا" تو پھر میں تم سے کس انداز میں بات کیا کروں؟"

میں نے کہا" آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کیا تم براہ مہربانی یہ کام کر سکتے ہو؟"

اس نے کہا" یہ مناسب نہیں لگتا کہ میں اپنے بیٹے سے کہوں

کیا تم براہ مہربانی یہ کام کر سکتے ہو۔"

میں نے کہا' آپ کو ایسے ہی کہنا پڑے گا۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں اس کی تعمیل کبھی نہیں کروں گا۔ میں بھوکا مر جانے کو ترجیح دوں گا لیکن آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کروں گا لیکن اگر آپ کہیں "براہِ مہربانی یہ کام کر دو۔" تو میں دوڑ کر جاؤں گا اور آپ کا کہا ہوا کام کر دوں گا۔ میں ایورسٹ پر بھی چڑھ سکتا ہوں۔ میں ایسا اس لیے کروں گا کہ وہ کام مجھ پر تھوپا نہیں گیا ہو گا۔ میں غلاموں جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔"

ایک دن میرا باپ گھر نہیں تھا۔ میرے چچا نے مجھے کہا' "میں نے دیکھا ہے کہ تم رات کو دیر سے گھر آتے ہو۔ تمہیں 9 بجے تک گھر واپس آ جانا چاہیے۔"

میں نے کہا' آپ کو میرے اور میرے باپ کے درمیان ہونے والے معاہدے کا علم نہیں ہے۔ یقین رکھیں میں کبھی رات 9 بجے گھر واپس نہیں آ سکتا۔"

اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی شادی بھی حال ہی میں ہوئی تھی اور وہ بڑا تحکمانہ مزاج رکھتا ہے۔ ہندوستان میں چچا' ماموں وغیرہ بڑے تحکمانہ مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ میرا چچا بھی اپنی بیوی کا آقا بننے کی کوشش کر رہا تھا اس نے کہا' "میں دوبارہ کہتا ہوں۔ اگر تم رات نو بجے تک گھر نہیں آئے تو بعد میں' میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔"

میں نے کہا' "ٹھیک ہے' میں ساری رات گھر کے باہر رہوں گا لیکن آپ کا حکم اس انداز سے نہیں مانوں گا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ میں ایک آدھ گھنٹہ ہی برداشت کر سکوں گا اور سردی میں ساری رات گھر سے باہر نہیں گزار سکوں گا۔ اندر سے وہ ہراساں بھی تھا کہ میرا باپ شہر سے باہر ہے۔ اگر میں بیمار ہو گیا تو۔۔۔ اس رات بہت سردی تھی اور بڑھتی

جا رہی تھی۔ وہ دیر تک نہیں سویا کیونکہ اسے میری دستک کا انتظار تھا۔

آخر کوئی بارہ بجے اس نے دروازہ کھولا اور بولا' "مجھے معاف کر دو اور اندر آ جاؤ۔ میرے لیے مشکل مت کھڑی کرو۔"

میں نے کہا' "میں آپ کے لیے مشکل کھڑی نہیں کر رہا۔ میں تو خود کو مشکل سے بچا رہا ہوں۔"

میں سکول میں' کالج میں تھوڑی بہت شرارتیں کرنا پسند کرتا تھا۔ میں شرارتیں نہ کرنے والے طلبا کو بے کیف اور مردہ تصور کرتا تھا۔ میں کلاس میں "اوم' اوم" کے نعرے لگانے شروع کر دیتا تھا۔ "اوم" ہندوؤں کے لیے ایک مقدس لفظ ہے۔ کوئی اسے بولنا غلط قرار نہیں دے سکتا تھا' تاہم استاد پڑھا رہا ہوتا تھا۔ وہ بلیک بورڈ کی طرف سے طلبا کی طرف رُخ کرتا' ہر طرف دیکھتا۔۔۔ سب خاموش ہوتے تھے۔ وہ کہتا' "یہ اوم' اوم کون بول رہا تھا؟"

میں ہمیشہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ میں کہتا' "میں اوم' اوم بول رہا تھا۔ یہ ایک مقدس لفظ ہے نا۔"

وہ کہتا' "میں جانتا ہوں لیکن کلاس میں میرے پڑھانے کے دوران۔۔۔؟"

میں کہتا' "آپ اوم سے اعلیٰ تر کوئی شے نہیں پڑھا سکتے اور آپ کیوں پروا کرتے ہیں؟ آپ پڑھانا جاری رکھیں۔ "اوم" تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

وہ مجھے گھسیٹ کر پرنسپل کے پاس لے جاتا۔ تقریباً ہر روز ایسا ہی ہوتا تھا۔ پرنسپل کہتا' "اچھا تو تم پھر آ گئے؟" کیا تم ان پروفیسروں کو ایک دن بھی سکون نہیں لینے دے سکتے؟"

میں کہتا' "آج میں ایک روحانی کام کر رہا تھا۔ جب انہوں نے پوچھا تو میں چپ کیسے رہ سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میری کلاس میں کوئی میری نشاندہی نہیں کر سکتا۔ میں تو خود کھڑا ہو گیا تھا۔ درحقیقت انہیں تو میرے سچ بولنے پر میری قدر کرنی چاہیے۔"

بہت سے پروفیسروں نے مجھ سے پوچھا' "کیوں۔۔۔؟ تم ہر اعتبار سے ایک بہت اچھے لڑکے ہو۔ کوئی طالب علم تم سے بہتر نہیں ہے۔ تاہم کبھی کبھار تمہیں کیا ہو جاتا ہے؟ تم ایسی حرکتیں کرنے لگتے ہو جو قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔"

میں کہتا'' یہ غیر متوقع نہیں ہے، کم از کم جہاں تک میرا تعلق ہے۔''

وہ پوچھتے'' لیکن تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

میں کہتا'' اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ میں غلام نہیں بننا چاہتا۔ میں ہر قیمت پر اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میرا دل 'اوم' کہنے کو چاہے گا تو میں کسی کی پروا نہیں کروں گا۔ میں اوم، اوم بولوں گا۔ میں نے کسی کو نقصان تو نہیں پہنچایا ہے نا، میں تو صرف اپنی آزادی کا تحفظ کر رہا ہوں اور میں اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔''

سکول میں تو ہیڈ ماسٹر نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ مجھے اس کے پاس کیوں لایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ روز کا معمول بن گیا تھا۔۔۔ بعض اوقات دن میں دو مرتبہ۔۔۔ کہ مجھے ہیڈ ماسٹر کے پاس لے جایا جاتا۔ شروع شروع میں اس نے پوچھا تھا'' کیا ہوا؟ اس نے کیا کیا ہے''۔۔۔ وغیرہ وغیرہ چند دنوں بعد اس نے پوچھنا چھوڑ دیا۔ وہ تو بس مجھے سزا دے دیا کرتا تھا۔

وہ کہتا'' سکول کے گرد سات چکر لگاؤ۔''

میں کہتا'' ٹھیک ہے لیکن میں 9 چکر لگاؤں گا۔۔۔ اس سے کم نہیں۔''

وہ کہتا'' کیا تم پاگل ہو؟ یہ سزا ہے ہم تمہیں انعام نہیں دے رہے۔''

میں کہتا'' سزا کی کیفیت کو بدلنے کا یہ میرا اپنا انداز ہے۔ میں اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔۔۔ ہوا ٹھنڈی ہے، درخت خوبصورت ہیں۔۔۔ سات چکر کیوں؟ میں آپ کا حکم قبول نہیں کر سکتا۔ میں 9 چکر لگاؤں گا۔ یوں میں آپ کی مقتدرہ سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میں یہ کام خود سے کر رہا ہوں اور اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوں اور آپ کو یاد رکھنا چاہیے مقتدر ہونا گندا عمل ہے۔ آپ کو مجھے سمجھنا چاہیے تھا میں نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے سمجھنے کی تو پروا ہی نہیں کی۔ آپ نے صرف استاد کی بات سنی۔ آپ نے مجھے صفائی کا موقع تک نہیں دیا۔''

اس روز اس نے کہا'' ٹھیک ہے، تم کیا کہتے ہو؟ تم نے کلاس میں ایک لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ تمہیں پتا ہے کہ کلاس روم کا ایک نظم وضبط ہوتا ہے اور اسے برقرار رکھا جانا چاہیے۔ کلاس روم کوئی تفریح گاہ تو نہیں ہے۔۔۔ کوئی پارک یا کوئی سینما ہال، وہاں تو تم کسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ گھوم پھر سکتے ہو لیکن کلاس میں نہیں۔''

میں نے کہا'' میں نے ایسا صرف استاد کو تنگ کرنے کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ سگریٹ پینا برا ہے جبکہ میں انہیں سگریٹ پیتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ چکا ہوں۔ انہیں ساری کلاس سے معافی مانگنی چاہیے کیونکہ وہ طلبا سے جھوٹ بول رہے تھے کہ ''سگریٹ نہیں پینا چاہیے۔'' وہ تو خود سگریٹ پیتے ہیں۔ وہ طلبا سے کہتے ہیں، فلمیں دیکھنے مت جایا کرو جبکہ ایک دن میں دوسرا شو دیکھنے سنیما ہال میں داخل ہوا تو وہ پہلا شو دیکھ کر باہر آ رہے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا'' میں تمہارا استاد ہوں تم میرے استاد نہیں ہو۔ تمہیں یہ پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔'' آپ ہی بتائیں کیا یہ انسانی رویہ ہے؟ میں ہر قسم کی حاکمیت کو رد کرتا ہوں۔''

اس دن کے بعد سے ہیڈ ماسٹر نے مجھے سزا دینا چھوڑ دیا۔ وہ ہمیشہ پوچھتے تھے:

'' کیوں؟ وجہ کیا ہے؟''

وہ ہمیشہ وجہ سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ درحقیقت استادوں نے مجھے ہیڈ ماسٹر کے پاس بھیجنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ وہاں وہی کسی نہ کسی غلطی کے مرتکب ٹھہرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے مجھے روکنا ٹوکنا چھوڑ دیا کیونکہ میرے کچھ کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کے علاوہ بہت کچھ ہے۔۔۔ استاد کیا کر سکتا ہے؟

میرے ہیڈ ماسٹر کی تبدیلی ہو گئی اور سکول میں ایک نیا ہیڈ ماسٹر آ گیا پہلے ہی دن اس نے ڈنڈا لہرا کر مجھ سے کہا'' میں ایک سخت آدمی ہوں۔ میں پہلے ہی دن بتا رہا ہوں کہ میں تمہیں بری طرح پیٹوں گا۔''

میں نے کہا'' آپ ایسا کر سکتے ہیں۔۔۔ لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں سڑک کے پار پولیس سٹیشن ہے۔ جسمانی سزا دینا غیر قانونی عمل ہے۔۔۔ مجھے مارنا شروع کرو۔ تم جیل میں ہو گے۔ عدالت زیادہ دور نہیں ہے اور میں ایک بوڑھے وکیل کا دوست ہوں جو اس شہر کا سب سے اچھا وکیل ہے۔ میں نے اس کو بتا دیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ تم طلبا کو پیٹتے ہو۔ میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب مجھے مارو۔''

اس کا ڈنڈا اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس نے کہا'' تم طالب علم ہو یا کوئی سرکاری ملازم ہو۔'' میں نے کہا'' میں تو سادہ سا طالب علم ہوں لیکن میں کسی حاکمیت کو

قبول نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں کوئی غلط کام کروں تو میں اس کی سزا پانے کو تیار ہوں لیکن حاکمیت جتانے کے لیے پیٹا جائے تو میں کبھی نہیں پٹوں گا۔"

انسان کو ایک بات سمجھ لینی چاہیے: کیا ہوسکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ موت واقع ہوسکتی ہے۔ ایک سادہ سا مقولہ یاد رکھو" بہترین کی امید رکھو اور بدترین کا انتظار کرو۔" تب اس زندگی میں کوئی شخص تمہیں مایوس نہیں کرسکتا۔ کوئی شخص تمہیں جسمانی یا نفسیاتی اعتبار سے غلام نہیں بنا سکتا۔

ہندو غلام ہیں، عیسائی غلام ہیں۔۔۔ یہ سب دھرم کے نفسیاتی غلامی ہیں کیونکہ وہ تمہیں دلاسہ دیتے ہیں کہ اگر تم پیروی کرتے رہو گے تو تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوگا۔ وہ تمہیں ہر طرح سے محتاج بنائے رکھتے ہیں۔ وہ تمہیں پوجا کرنا سکھاتے ہیں اور پوجا محض بھیک مانگنا ہے۔

میں تمہیں پوجا کرنے کی تلقین نہیں کرتا، میں چاہتا ہوں کہ تم سادہ بنو، بغیر کسی انا کے اور بغیر عاجزی کے۔۔۔ سیدھے، صاف۔

اور آزادی تو نہایت عظیم شے ہے۔ شاید یہ زندگی کی عظیم ترین شے ہے۔ میں آزادی کھونے کی بجائے موت کو قبول کرلوں گا۔

ہندوستان پر تقریباً سو سال انگریزوں کا راج رہا ہے۔ میرا سارا خاندان آزادی کی تحریک میں شامل تھا۔ وہ سب جیل جاتے رہتے تھے۔ میں نوجوان تھا۔ لیکن میں مسلسل اپنے باپ سے بحث کرتا تھا کہ" اپنی غلامی کا الزام انگریزوں کو مت دیجئے۔ برطانیہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جبکہ ہندوستان تو ایک براعظم جتنا وسیع وعریض ملک ہے۔ برطانیہ اسے کیسے غلام بنا سکتا ہے؟ ضرور آپ آزاد ہونے سے خوفزدہ ہیں، شاید داخلی طور پر آپ غلامی قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس کے باوجود آپ ذمہ داری انگریزوں کو دے رہے ہیں؟" ہندوستان دو ہزار سال سے غلام چلا آرہا ہے۔۔۔ آقا بدلتے ہیں، غلامی موجود رہتی ہے۔ سادہ سی بات ہے، اگر کوئی آپ کو غلام بنانا چاہے تو آپ فوراً اس کے غلام بن جاتے ہیں جیسے آپ اسی کے منتظر تھے۔"

میں نے اپنے خاندان کو بتایا" میں مہاتما گاندھی کے نظریے کو قبول نہیں کروں گا کہ ہندوستان کی غلامی کے ذمہ دار انگریز ہیں۔ اپنی غلامی کا ذمہ دار تو ہندوستان خود ہے۔

وگرنہ صرف ایک گھنٹے میں انگریزوں کو سمندر میں پھینکا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کو صرف اتنا سمجھنا ہوگا کہ آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ یہاں کتنے انگریز ہیں؟ بہت ہی تھوڑے۔"

کیا تمہاری ذہنی غلامی کسی شخص کی ذمہ داری ہے؟ نہیں تم ہو جو کہ اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں بننا چاہتے، تم ہو جو ذمہ داری کو اپنا طرز زندگی نہیں بنانا چاہتے۔۔۔ اسی لیے تم آزاد ہونے سے خوف زدہ ہو۔ اس خوف کو جھٹک دو۔ خوف سب سے بری شے ہے۔ میں تمہیں ذمہ داری کی تعلیم دیتا ہوں تاہم یاد رکھنا مجھے غلط مت سمجھنا کیونکہ تم سب لوگ لفظ" ذمہ داری" کو بالکل مختلف معنوں میں استعمال کررہے ہو۔۔۔ درحقیقت میں اس لفظ" ذمہ داری" کا جو مفہوم لیتا ہوں تم اس کے بالکل متضاد مفہوم لیتے ہو۔

لوگ کہتے ہیں" اپنے والدین کے لیے ذمہ دار بنو۔" یہ ذمہ داری نہیں ہے یہ تو غلامی ہے۔ لوگ کہتے ہیں" اپنے دھرم کے لیے ذمہ دار بنو۔" یہ ذمہ داری نہیں ہے، یہ تو غلامی ہے۔ لوگ کہتے ہیں" اپنے ملک کے لیے ذمہ دار بنو۔" یہ ذمہ داری نہیں ہے، یہ تو غلامی ہے۔ یہ سب ایک گندے چہرے کو ڈھانپنے والے خوشنما نقاب ہیں اور وہ گندا چہرہ ہے غلامی۔

میں لفظ" ذمہ داری" کو اس انداز سے استعمال کرتا ہوں کہ جس انداز سے استعمال کیا جانا چاہیے۔ ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو اس کے ذمہ دار ہو۔ اگر میں کہتا ہوں" کیا بھگوان موجود ہے؟" اور تم کہتے ہو" ہاں، کیونکہ یہ بائبل میں لکھا ہوا ہے۔" تو تمہارا جواب ایک ذمہ دارانہ جواب نہیں ہوگا۔ یہ جواب تمہاری عیسائی غلامی سے ابھرا ہے۔

تاہم اگر تم کہو" میں نہیں جانتا میں بھگوان سے کبھی نہیں ملا" تو یہ تمہارا جواب ہوگا۔ تم کسی مقولے کو نہیں دہرا رہے۔ تم سوال کا براہِ راست سامنا کررہے ہو اور اس کا جواب دے رہے ہو۔ اپنے بھروسے جواب دینا ذمہ داری ہے۔

آزادی ذمہ داری لے کر آتی ہے۔ ذمہ داری تمہیں مزید آزاد ہونے میں مدد دیتی ہے۔ صرف وہی شخص جو آزادی کے مزے سے واقف ہو، ذمہ داری کے حسن سے واقف ہوتا ہے۔ وہی شخص اپنے آپ کو انسان کہہ سکتا ہے۔ بصورت دیگر تم اونٹ یا کوئی اور حیوان ہو۔

کمٹمنٹ اور ذمہ داری

اگر تم دو گھوڑوں پر بیک وقت سوار ہونا چاہتے ہو تو یہ کام مشکل ہے۔ تمہیں ایک بات کو سمجھ لینا چاہیے: اگر تمہیں آزادی کی آرزو ہے' بے ساختہ پن کی تمنا ہے اور تم لمحۂ موجود میں ہونے کے خواہش مند ہو تو تمہیں کاروباری پن ترک کرنا ہوگا۔ تم کاروبار جاری رکھ سکتے ہو لیکن تمہیں اپنے کاروباری رویے کو مکمل طور پر تبدیل کرنا ہوگا۔ تم دونوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ تم دونوں کو باہم ملا کر ایک نہیں بنا سکتے۔ تمہیں دوسرے کے لیے ایک کی قربانی دینا ہوگی۔

مجھے اپنا دادا یاد ہے۔ میرے باپ اور چچا چاہتے تھے کہ وہ دکان میں نہ آیا کرے۔ وہ اسے کہا کرتے تھے۔ ''آپ آرام کریں۔'' یا ''آپ سیر کو چلے جائیں۔'' تاہم گاہک اسی کا پوچھتے تھے۔ وہ کہتے ''جب وہ آئے گا' تب ہم آجائیں گے۔'' مسئلہ یہ تھا کہ وہ کاروباری (بزنس مین) نہیں تھا۔

وہ سیدھا سیدھا کہتا' ''یہ چیز ہمیں دس روپے کی ملی ہے اور میں دس فیصد سے زیادہ منافع نہیں لوں گا۔ گویا یہ تمہیں گیارہ روپے کی پڑے گی۔ کیا تم مجھے دس فیصد منافع بھی نہیں دینا چاہتے؟ آخر ہمیں بھی زندہ رہنا ہے؟'' اور لوگ فوراً اس سے چیز خرید لیتے۔

تاہم میرا باپ اور میرے چچا اسے نقصان سمجھتے تھے کیونکہ وہ اس شے کے بارہ روپے وصول کرتے۔ اس لیے وہ میرے دادا کو دکان میں نہیں آنے دیتے تھے۔

کاروبار بھی اخلاص کے ساتھ کیا جا سکتا ہے ایک اعتبار کے ساتھ' سچائی کے ساتھ۔ اس کے لیے تمہارا چالاک ہونا' استحصالی ہونا' فریبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس کاروبار اور کمٹمنٹ اور ذمہ داری کو باہم ملانے کی کوشش بالکل مت کرو۔

دل کی سنو کیونکہ آخر یہ دل ہی ہے جو تمہاری ہستی کی وسعت کا فیصلہ کرے گا' تمہارے شعور کی نشوونما کا فیصلہ کرے گا۔ یہ اس ماورائیت کی طرف لے جائے گا جو تمہیں اور تمہاری آگہی کو موت سے بالا کر دیتی ہے۔ باقی ہر شے دنیاوی ہے۔ تم وہی کر رہے ہو جو تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔

کیا تم میں نئے کو متعارف کرانے اور پرانے کو ترک کرنے کی جرأت نہیں ہے؟ کیا اپنی زندگی میں تازہ ہوا لانے کی جرأت نہیں ہے۔۔۔ اپنی زندگی میں اور ان لوگوں کی زندگیوں میں جو کہ تم سے متعلق ہیں؟

تسلسل کا سوال نہیں ہے۔ سوال اصل میں ہے انقطاع کا۔ درحقیقت تمہیں ہر لمحے تسلسل توڑنا ہے نہ صرف دوسروں کے ماضی سے بلکہ ہر لمحہ اپنے ماضی سے بھی۔ جو لمحہ چلا گیا ہے وہ جا چکا ہے۔ تم اسے تسلسل دینے اور مردہ لمحے کی لاش اٹھائے پھرنے کے ذمہ دار نہیں ہو۔

کمٹمنٹ ہمیشہ لاشعور سے جنم لیتی ہے۔ مثال کے طور پر تم کسی عورت سے محبت کرتے ہو اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ لیکن وہ ایک کمٹمنٹ چاہتی ہے۔ تم اتنے بے شعور ہوتے ہو کہ خود کو مستقبل کا پابند بنا لیتے ہو۔۔۔ جبکہ مستقبل تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تم آنے والے کل کے حوالے سے کس طرح کچھ کہہ سکتے ہو؟ آنے والا کل تمہاری ملکیت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے تم یہاں ہو' ہو سکتا ہے تم یہاں نہ ہو۔ آنے والے کل کے بارے میں کون جانتا ہے؟ ہو سکتا ہے جو محبت تم پر اچانک غالب آگئی ہے کل نہ ہو۔

تاہم تقریباً ہر مرد اپنی عورت سے عہد کر لیتا ہے کہ ''میں ساری زندگی تم سے محبت کرتا رہوں گا۔'' عورت بھی اس سے عہد کر لیتی ہے کہ ''میں نہ صرف اس جنم میں تم سے محبت کروں گی بلکہ میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی کہ تم ہر جنم میں میرے شوہر بنو۔''

تاہم کوئی شخص نہیں جانتا کہ مستقبل کا کوئی ایک لمحہ بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تمام عہد مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والی کل تمہاری زندگی سے غائب

ہو جائے' بالکل اسی طرح جیسے یہ اچانک نمودار ہوئی تھی۔ یہ ایک وقوعہ تھی' یہ تمہارا عمل نہیں تھی۔ آنے والے کل' کہ جب محبت غائب ہو جائے گی اور تم اپنے دل کو مکمل طور پر بے رنگ پاؤ گے تو پھر تم کیا کرو گے؟

معاشرے نے تمہارے لیے صرف ایک راستہ چھوڑا ہے اور وہ یہ کہ تم دھوکے باز بن جاؤ منافق بن جاؤ' جو کچھ نہیں رہا اس کی اداکاری کرتے رہو۔ صرف کہتے رہو'' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' تم جانتے ہو کہ تمہارے الفاظ معنی سے خالی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے الفاظ مخلصانہ نہیں لگتے۔۔۔ اور جہاں تک محبت کا تعلق ہے تو تم عورت کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ حیران کن حساسیت کی مالک ہوتی ہے۔ درحقیقت جب محبت ہوتی ہے تو اسے بار بار جتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو اور وہ بھی جانتی ہے۔ اسے دہرانے کا' جتانے کا سوال صرف تبھی پیدا ہوتا ہے جب یہ روشنی کی طرح دل سے نہیں پھوٹتی۔ تب تم لفظوں کو اس کا متبادل بنا لیتے ہو۔

تاہم الفاظ تو نہایت مفلس ہوتے ہیں۔ تمہاری حرکات کچھ ظاہر کریں گی' تمہارا چہرہ کچھ ظاہر کر دے گا' تمہاری آنکھیں کچھ ظاہر کریں گی جبکہ تمہارے لفظ بالکل الٹ ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاہم مسئلہ ابھر چکا ہے کیونکہ تم عورت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں' کل ابھرنے والی خواہشات کو نہ میں جانتا ہوں نہ تم جانتی ہو۔ پس نہ مجھ سے کوئی عہد لو اور نہ تم کوئی عہد کرو۔ جب تک محبت مصدقہ اور سچی رہے گی ہم ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور جس لمحے ہم محسوس کریں گے کہ اداکاری کا وقت آ گیا ہے تو ہم اداکاری نہیں کریں گے۔۔۔ یہ گندا عمل ہے' غیر انسانی عمل ہے۔ ہم تو بس سیدھا سیدھا قبول کر لیں گے کہ محبت جو ہوا کرتی تھی' اب نہیں رہی۔ ہمارے جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ ہم نے جو دن اور جو لمحات اکٹھے گزارے میں انہیں یاد رکھوں گا۔ یہ یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔ میں اسے اداکاری کر کے برباد نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ تم منافق بنو۔''

جہاں تک میرے لوگوں کا تعلق ہے تو میں تم سے کہتا ہوں کہ کبھی کوئی کمٹمنٹ مت کرو۔ یہ بات واضح طور پر جان لو کہ کمٹمنٹ کا لازمی نتیجہ مشکل صورت حال ہوتی ہے۔ جلد

ہی تم محسوس کرو گے کہ تم اپنا عہد پورا نہیں کر سکتے۔

اور ذمہ داری۔۔۔ تم ذمہ داری کے اس کے تصور تلے دبے ہوئے ہو کہ تم اپنے والدین کے لیے ذمہ دار ہو' تم اپنی بیوی یا شوہر کے لیے ذمہ دار ہو' تم اپنے بچوں کے لیے ذمہ دار ہو تم اپنے پڑوسیوں کے لیے ذمہ دار ہو' تم معاشرے کے لیے ذمہ دار ہو' تم ملک کے لیے ذمہ دار ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ تم یہاں ہر کسی کے ذمہ دار ہونے کے لیے ہی آئے ہو۔ سوائے تمہارے اپنے۔ یہ بڑی عجیب صورت حال ہے۔

ایک عورت اپنے بچوں کو تلقین کر رہی تھی' ''ہمارے دھرم کی سب سے بنیادی ہدایت یہ ہے کہ دوسروں کی خدمت کرو۔''

اس کے چھوٹے بیٹے نے کہا' ''میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ لیکن یہ بتائیے کہ میری خدمت کون کرے گا؟''

ماں نے کہا' ''تمہاری خدمت دوسرے کریں گے۔''

لڑکا بولا' ''حیرت ہے اگر ہر شخص دوسرے کی خدمت کر رہا ہے تو میں اپنی خدمت خود کیوں نہ کروں۔ تم اپنی خدمت خود کیوں نہ کرو؟ یہ الجھن پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اسے بوجھ کیوں بنایا جائے۔۔۔ کہ میں دوسروں کی خدمت کروں اور انتظار کروں کہ دوسرے میری خدمت کریں؟''

ننھے بچے نے اپنی معصومیت میں وہ سچ بیان کر دیا جسے ہر دھرم فراموش کر چکا ہے۔ درحقیقت دھرم نے' سیاست دانوں' نام نہاد نیکوکاروں نے' اساتذہ نے' مذہبی پیشواؤں نے' ذمہ داری کا مفہوم ہی بدل ڈالا ہے۔ انہوں نے اسے ''فریضے'' کا مترادف بنا دیا ہے۔۔۔ ''یہ تمہارا فریضہ ہے۔'' میں چاہتا ہوں کہ تم جان لو کہ فریضہ' ڈیوٹی ایک گندا لفظ ہے۔

تمہیں کوئی کام فریضے کے طور پر نہیں کرنا چاہیے یا تو تم کوئی کام محبت میں کرو یا مت کرو۔ یاد رکھو' تمہاری زندگی' محبت کی زندگی ہونی چاہیے اور اگر تم محبت کے تحت جواب دیتے ہو تو میں اسے ذمہ داری کہتا ہوں۔ لفظ Responsibility کو دو حصوں میں بانٹ دو۔ یہ Response-Ability ہے۔ جبکہ محبت جواب دینے کی اہل ہے۔ دنیا میں کوئی

اور ایسی قوت نہیں ہے جو کہ جواب دینے کی اہل ہو۔ اگر تم محبت کرتے ہو تو تم جواب دینے کے پابند ہوتے ہو، بوجھ کوئی نہیں ہوتا۔ فریضہ ایک بوجھ ہے۔

مجھے پھر اپنا دادا یاد آ رہا ہے وہ ایک سادا سا ان پڑھ دیہاتی تھا۔ تاہم وہ ویسی ہی معصومیت کا حامل تھا جیسی بچوں میں ہوتی ہے۔ اسے یہ بات بہت پسند تھی کہ سونے سے پہلے کوئی اس کے تلوے سہلائے۔ ہر فرد اس کام سے کتراتا تھا۔ جب وہ اپنا بستر بچھا رہا ہوتا تھا تو ہر شخص ممکنہ حد تک دور چلا جاتا تھا کہ پکڑا نہ جائے۔ تاہم میں اس وقت اس کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔

وہ کہتا ''حیرت ہے جب میں بستر بچھا رہا ہوتا ہوں تو ہر فرد غائب ہو جاتا ہے۔ لمحہ بھر پہلے ہر فرد یہاں تھا اور جونہی میں سونے لگتا ہوں وہ گم ہو جاتے ہیں۔''

میں کہتا ''کوئی بھی آپ کے تلوے سہلانا نہیں چاہتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو یہ میرا فریضہ نہیں ہے۔ وہ اسے اپنا فریضہ تصور کرتے ہیں۔ یہ میرا فریضہ نہیں ہے۔ اگر میرا دل تلوے سہلانے کو نہیں کرے گا تو میں کہہ دوں گا۔''

ایک سنیاسی ہمالیہ پہاڑ کی اونچائیوں پر واقع بدری ناتھ اور کیدار ناتھ کے مندروں میں پوجا کرنے جا رہا تھا۔ یہ پرانے وقتوں کی بات ہے۔ اس زمانے میں راستے تنگ ہوتے تھے، ذرا سی غفلت انسان کو ہزاروں فٹ نیچے کھائی میں گرا سکتی تھی۔ سنیاسی نے بہت تھوڑا سا سامان اٹھایا ہوا تھا۔ وہ ہانپتا کانپتا چڑھ رہا تھا کہ اسے سامنے ایک لڑکی دکھائی دی۔ لڑکی عمر صرف دس سال تھی۔ اس نے اپنی گود میں ایک موٹے سے بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ بچہ اس کے لیے بہت بھاری ہے اور وہ بہت تھک چکی ہے۔

جب سنیاسی اس لڑکی کے پاس سے گزرا تو بولا ''میری بیٹی یقیناً تم تھک گئی ہو گی۔ تم نے اتنا بوجھ جو اٹھا رکھا ہے۔''

لڑکی ناراض ہو گئی۔ وہ بولی ''بوجھ تو اٹھا رکھا ہے تم نے۔ یہ بوجھ نہیں ہے۔۔۔ یہ تو میرا چھوٹا بھائی ہے۔''

میں نے یہ واقعہ اس سنیاسی کی آپ بیتی میں پڑھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ لڑکی کے جواب نے اسے زبردست دھچکا لگایا تھا۔ اس کی بات درست تھی۔ فرق تھا۔۔۔ وزن کے پیمانے سے کوئی فرق نہیں ہو گا۔ خواہ تم نے اپنے چھوٹے بھائی کو اٹھایا ہوا ہو یا کوئی سوٹ کیس اٹھا رکھا ہو۔ ترازو تو وزن ہی ظاہر کرے گا۔ تاہم جہاں تک دل کا تعلق ہے تو دل ترازو نہیں ہوتا۔ لڑکی درست کہہ رہی تھی ''بوجھ اٹھا رکھا ہے تم نے، میں نے تو اپنے چھوٹے بھائی کو اٹھا رکھا ہے اور میں اس سے محبت کرتی ہوں۔''

محبت کشش ثقل کو منسوخ کر سکتی ہے۔ محبت بوجھ کو منسوخ کر سکتی ہے۔ محبت سے دیا گیا ہر جواب خوبصورت ہوتا ہے۔ محبت کے بغیر ذمہ داری گندی ہوتی ہے اور صرف یہی ظاہر کرتی ہے کہ تم ایک غلامانہ ذہن رکھتے ہو۔

جہاں تک میرا تعلق ہے اگر تمہیں حقیقتاً آزادی کی آرزو ہے، بے ساختہ پن اور لمحۂ موجود میں ہونے کی آرزو ہے تو پھر امتزاج کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں کاروبار کے حوالے سے اپنی سوچ مکمل طور پر تبدیل کرنا ہو گی۔ تمہارا کاروبار ہی تمہارا مراقبہ، تمہارا اخلاص، تمہارا سچ بن جائے۔ استحصال کرنا چھوڑ دو۔ تمہارا تسلسل غائب ہو جائے گا۔ تم ہستی کو ایک نیا پن دے دو گے۔ کمٹمنٹ سراسر لایعنی ہوتی ہے۔ چونکہ زندگی، محبت اور وقت تمہارے بس میں نہیں ہیں۔ اس لیے تم کوئی عہد نہیں کر سکتے۔ آخر تم کن بنیادوں پر عہد کر سکتے ہو؟

تمہاری ریاست تقریباً ان افیمیوں سے ملتی جلتی ہے، جن کا ایک واقعہ میں تمہیں اکثر سنایا کرتا ہوں:

چاند کی چودھویں رات تھی۔ دونوں افیمی درخت تلے لیٹے چاند کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک بولا ''چاند اتنا خوبصورت لگ رہا ہے کہ جی چاہتا ہے میں اسے خرید لوں۔''

دوسرا بولا ''تم کیسے خریدو گے چاند کو، میں چاند کو بیچوں گا ہی نہیں۔''

دونوں چاند کے مالک نہیں تھے، تاہم دونوں لاشعوری طور پر سمجھ رہے تھے کہ وہ

چاند کے مالک ہیں۔ تمہارے عہد کی صورت حال بھی یہی ہوتی ہے۔

ایک مرد کسی عورت سے کہتا ہے، ''میں تم سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔'' اور دوسرے ہی روز وہ کسی اور عورت کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اندھی حیاتیاتی قوتوں کا شکار ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کہتا ہے ''میں تم سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا'' تو وہ جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔ وہ بالکل سچ کہہ رہا ہوتا ہے۔ جو شخص چاند خریدنا چاہتا تھا وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ وہ تو بڑے خلوص کے ساتھ چاند کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ جبکہ وہ شخص جو چاند کو بیچنے پر رضامند نہیں تھا، وہ بھی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ وہ بالکل خلوص کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ وہ چاند کو کسی قیمت پر فروخت کرنا نہیں چاہتا۔

جب مرد نے کہا تھا'' میں تم سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا'' تو وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔ تاہم وہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والا کل اس کے بس میں نہیں ہے۔ وہ صرف لمحۂ موجود کی بات کر سکتا ہے: ''میں تم سے اس وقت محبت کرتا ہوں، جہاں تک آنے والے کل کا تعلق ہے تو ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ نہ تو میں پابند ہوں اور نہ تم۔ اگر کل ہم پھر محسوس کریں گے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ ایک عظیم سرپرائز ہوگا۔''

تم زندگی کو وعدوں کی پابند کیوں بناتے ہو؟ اسے سرپرائز کے لیے کیوں نہیں کھولتے ہو؟ اسے ایڈونچرز کے لیے کیوں کشادہ نہیں کرتے ہو؟ ایک قبر میں بند کیوں ہو؟ ایسے تو تم مصیبت سہتے ہو کیونکہ تم سوچتے ہو'' میں وعدہ کر چکا ہوں۔ اب میں وعدہ پورا کرنا چاہوں یا نہ چاہوں میری ساکھ داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ میں اداکاری کرلوں گا۔ لیکن یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ جب میں نے وعدہ کیا تھا تب میں حماقت کر رہا تھا۔''

جھوٹ اور سچ کے امتزاج کا کوئی سوال نہیں۔ تمہیں جھوٹ کو ترک کرنا اور اپنے دل کی سننا اور ماننا ہے۔ خواہ کوئی مول چکانا پڑے۔۔۔ یہ ہمیشہ سستا پڑتا ہے۔ تمہیں جو کچھ گنوانا پڑے، گنوا دو تاہم اگر تم دل کی سن رہے ہو تو تمہارا سرما کا موسم ختم ہو جائے گا۔ فتح تمہاری ہی ہوگی۔

خوف اور تحفظ

بلندیاں ہمیشہ بیک وقت چیلنجنگ اور خوفزدہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ وہ تمہارے اندر ستاروں تک پہنچنے کی آرزو کو جنم دیتی ہیں، تاہم زمین کی کشش تحفظ کے حوالے سے ہر طرح کے خوف پیدا کرتی ہے۔ یہ سراسر فطری اور انسانی کیفیت ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی نہیں، سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جب تم خوفزدہ ہو تو یہ یاد کرو کہ زندگی میں صرف ایک شے یقینی ہے۔۔۔ اور وہ ہے موت۔ پس جو سمجھ جاتے ہیں وہ خوف کو جھٹک دیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی سے زیادہ غیر محفوظ اور کیا شے ہو سکتی ہے؟ زندہ ہونے کا مطلب ہے کہ موت کسی بھی لمحے ممکن ہے۔ تحفظ صرف قبر میں ممکن ہے۔ کسی نے نہیں سنا کہ فلاں شخص قبر میں مر گیا ہے۔ قبر میں ہر شے محفوظ ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ کنفیوشس کے ایک شاگرد نے اس سے پوچھا'' ہمیں تحفظ کے، خوف کے بارے میں کچھ بتائیے؟'' کنفیوشس نے کہا'' اس کی پرواہ مت کرو۔ موت ہر شے کو محفوظ کر دے گی۔ جب تک زندہ ہو عدم تحفظ سے لطف اٹھاؤ۔''

عدم تحفظ اور زندہ ہونا ہم معنی ہیں۔ تم جتنے زیادہ زندہ ہو گے۔ اتنے ہی زیادہ غیر محفوظ ہو گے۔ تم جتنے کم زندہ ہو گے اتنے ہی کم غیر محفوظ ہو گے۔ کیا تم موت کا تحفظ چاہتے ہو؟ موت میں مطلق تحفظ ہوتا ہے۔ تم جب تک زندہ ہو کاملاً جیو اور ممکنہ حد تک زیادہ

شدت کے ساتھ۔ درحقیقت موت کو جینے کا محرک ہونا چاہیے۔ اگر موت نہ ہوتی تو تم جینا ترک کر دیتے۔ موت کی وجہ سے جینا ترک کرنا ممکن نہیں ہے۔ تمہیں لمحۂ موجود کو جینا ہوگا کیونکہ تم اگلے لمحے کے حوالے سے کبھی یقین نہیں رکھ سکتے۔ جو سانس نکلا ہے وہ واپس آتا ہے کہ نہیں۔۔۔ اس کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی اور یہ تمہارے بس میں بھی نہیں ہے۔

اگر تم میں آزادی کی آرزو جنم لیتی ہے تو دیر کس بات کی ہے؟ تم اسے ملتوی کیوں کر رہے ہو؟ کیا تم آنے والے کل کے حوالے سے پُر یقین ہو۔۔۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ کل کبھی نہیں آتی؟

اپنی آرزو کو حقیقت بننے دو۔ آرزو گہرائی میں ایک التوا ہی ہوتی ہے۔۔۔ اس کا مطلب ہے آنے والی کل۔۔۔ کل میں جاگوں گا تو بلندیاں چھولوں گا لیکن آج تو میں اپنی آروز سے لطف اٹھا رہا ہوں۔'' ایسی آرزوئیں بانجھ ہوتی ہیں۔ اس غیر یقینیت میں کہ آنے والی کل تم موجود ہوتے یا نہیں، تمام خواہشیں خطرناک ہیں۔

آزادی کی آرزو مت کرو، آزاد ہو جاؤ۔

تمہیں تمہارے سوا کس نے روک رکھا ہے؟

یہ ایک عجیب بات ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو خود ہی معذور بنا رکھا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو خود زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اس نے اپنے لیے خود زنداں بنالیا ہے۔ اب وہ آزادی کی آرزو کرنے لگا ہے، اب وہ آزادی کا مطالبہ کرنے لگا ہے۔۔۔

تم کہتے ہو کہ ''تم محسوس کرتے ہو کہ تمہارے اندر وسعت پذیری کا امکان ہے۔''

تم کب سے اسے محسوس کر رہے ہو اور کب تک تم اسے محسوس کرتے رہو گے؟ ذہن کی غیر ضروری، لایعنی حرکتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ تمہارے امکان کی نشوونما اسی لمحے شروع ہونی چاہیے جس لمحے تم اسے محسوس کرتے ہو۔ خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تمہارے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے۔ تمہارے پاس کھونے کو کیا ہے؟ تمہاری زندگی کیا ہے؟ یہ تمہارے پاس موجود سب سے قیمتی شے ہے۔ لیکن اسے پست کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ دل دھڑک رہا ہے۔ دل تو پلاسٹک کا بھی دھڑک سکتا ہے۔ پھیپھڑے سانس لے رہے ہیں۔۔۔ میکانکی پھیپھڑے تو زیادہ بہتر کام کر سکتے ہیں۔

لمحہ بھر کے لیے ذہن کو روک دو اور وقت کو روک دو اور اس حقیقت پر غور کرو کہ زندگی کیا ہے؟ دل کا دھڑکنا، خون کی گردش، سانس کا آنا جانا۔ اس کے سوا کچھ اور؟ اگر یہی سب ہے تو مجھے تمہارے خوفزدہ ہونے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ اگر خون گردش نہیں کرتا اور دل دھڑکنا چھوڑ دیتا ہے اور اگر سانس رک جاتا ہے تو پھر؟ تم تو آرام کر رہے ہو۔ تم تو ابدی آرام میں چلے گئے ہو۔ تمہارے پاس کھونے کو کیا ہے؟ تم نباتات کی طرح اگے ہوئے ہو تم جی تو نہیں رہے ہو۔

نباتات مت رہو۔ یہ مستی کا، محبت کے شعور کے پھیلاؤ کا وقت ہے۔ تم بہت انتظار کر چکے ہو۔ تم بہت کچھ ضائع کر چکے ہو۔ بس زیاں بہت ہو چکا تم کہتے ہو ''تمہیں تحفظ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟'' کس لیے؟ کیا تم ہمیشہ نباتات ہی رہنا چاہتے ہو۔۔۔ محفوظ، سرد خانے میں بند؟

امریکہ میں کچھ احمق لوگ ہیں۔۔۔ تقریباً دس تو مشہور لوگ ہیں۔۔۔ جنہوں نے سانس لینا چھوڑ دیا ہے، ان کے دل دھڑکنا چھوڑ چکے ہیں۔ تاہم وہ بہت دولت مند اور موت سے خوفزدہ تھے۔ پس انہوں نے اپنے جسموں کو منجمد کروا دیا۔ ایک جسم کو منجمد رکھنے پر ہر سال لاکھوں ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے فریزروں میں لیٹے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب سائنس یہ دریافت کر لے گی کہ مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ دس سال کے اندر اندر وہ کسی بھی مردے کو دوبارہ زندہ کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اعضا کو بدلنا ممکن ہو جائے گا۔

ہسپتال ایسی ورکشاپس بن جائیں گے جہاں تم اپنے ناکارہ ہو جانے والے دل تبدیل کروانے جایا کرو گے۔ صرف چند پیچ کھولنے ہوں گے دل تبدیل کرنا ہوگا اور ایک نیا اور بہتر پلاسٹک کا دل لگا دیا جائے گا جو ابد تک ویسے کا ویسا رہے گا۔

تمہاری قوتِ حیات ختم ہو رہی ہو تو تمہیں صرف ورکشاپ تک جانا ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے مستقبل کے ہسپتال، اور بجلی سے ری چارج ہونا ہے یا ممکن ہے تم خشک بیٹریاں پسند کرو۔۔۔ تب تو بیٹریاں فوراً بدل دی جائیں گی۔ وہ ایک نہایت ولولہ انگیز دنیا ہوگی۔ کوئی تمہیں کہے گا ''میں تم سے محبت۔۔۔'' اور پھر گھر رگھر ر کے ساتھ وہ چپ ہو جائے گا

کیونکہ بیٹری فیل ہو گئی ہو گی یا فیوز۔

زندگی بہت محفوظ لیکن نباتات جیسی ہو گی۔ ان دنوں کا انتظار مت کرو۔ یہی عدم تحفظ تو زندگی کا حسن ہے۔ یہ خدشہ کہ ہو سکتا ہے تم کل نہ ہو، تمہیں زندگی کو ممکنہ حد تک شدت سے جینے کی تحریک دیتا ہے۔ تمہیں ممکنہ حد تک کاملاً محبت کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ کیونکہ التوا کا تو کسی حال میں بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

کافی سوچ بچار ہو چکی ہے۔ خوف کو جھٹک دو تمہارے پاس کھونے کو کچھ نہیں اور پانے کو سب کچھ ہے۔

کارل مارکس نے اپنے کمیونسٹ مینی فیسٹو کے آخر میں ایک خوبصورت جملہ لکھا ہے۔ اسے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ تمہارے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا جملہ ہے ''دنیا کے محنت کشو! متحد ہو جاؤ کیونکہ تمہارے پاس کھونے کو سوائے تمہاری زنجیروں کے اور کچھ نہیں ہے۔'' ذرا سی تبدیلی سے میں یوں کہتا ہوں۔ ''دنیا کے سوچنے والو! متحد ہو جاؤ۔ تمہارے پاس تمہاری زنجیروں کے سوا کھونے کو کچھ نہیں اور پانے کو ساری ہستی ہے۔''

تم خوبصورت اور عظیم اشیا کے حصول کی آرزو سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ لوگ خوابوں کے نشئی بن چکے ہیں۔۔۔خواب منشیات سے زیادہ نشہ آور ہوتے ہیں۔ درحقیقت لوگ منشیات کے عادی اسی لیے ہوتے ہیں کہ وہ انہیں خوبصورت خواب دکھاتی ہیں۔ خواب نشے کی بنیادی وجہ ہیں اور یہ بھی منشیات ہی ہیں۔ ذرا ہمت کرو، تم معذور نہیں ہو۔ چھلانگ لگانے کے لیے صرف ایک لمحہ ضروری ہوتا ہے۔

میں جانتا ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ جب میں رائے پور میں یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ وہاں ایک عورت دس سال سے بستر پر پڑی تھی۔ وہ مفلوج تھی۔ اس کے علاج کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں اور ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر کہہ دیا تھا کہ اس کے صحت یاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، وہ جب تک زندہ رہے گی، مفلوج رہے گی۔ وہ ایک دولت مند عورت تھی۔ وہ میرے گھر کے سامنے رہا کرتی تھی۔

ایک دن اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔ مجھ سمیت سارے ہمسائے وہاں اکٹھے ہو گئے۔ سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مفلوج عورت جلتے ہوئے گھر سے دوڑتی ہوئی نکل

آئی۔ وہ دس سال سے اپنے بستر سے ہلی تک نہیں تھی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ کسی نے اس عورت سے کہا ''تمہیں تو فالج تھا۔'' عورت نے ادھر ادھر دیکھا اور بولی ''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اتنی بات کر کے وہ گری اور دوبارہ مفلوج ہو گئی۔ اس فالج کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ وہ صرف ذہن میں تھا، جسم میں نہیں تھا۔ آگ کی وجہ سے جب ہر فرد بھاگ رہا تھا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی تھی کہ وہ مفلوج ہے۔ جس لمحے اسے یاد آیا پرانا ذہن واپس آ گیا ''میرے خدا، یہ میں نے کیا کر دیا، میں تو مفلوج ہوں اور دوڑ رہی ہوں۔''

تمہاری ساری معذوری صرف ذہنی ہے۔ ذہن جینا نہیں چاہتا۔ ذہن حقیقتاً جینے کا اہل ہی نہیں ہے۔ وہ ہر طرح کے خوف گھڑتا رہتا ہے۔

ایک شہزادہ اپنی بیوی سمیت جین مت کے بانی مہاویر سے ملنے گیا۔ ملاقات کے بعد وہ گھر واپس آئے تو اس دور کی ہندوستانی روایت کے مطابق۔۔۔خصوصاً دولت مند ہندوستانی گھرانوں کی روایت کے مطابق۔۔۔ اس کی بیوی اسے گلاب کے عرق سے نہلانے لگی۔ وہ آپس میں مہاویر کی باتوں پر تبصرہ کرنے لگے۔ بیوی بولی ''میرا بھائی مہاویر کا سنیاسی بننے کا سوچ رہا ہے۔''

شہزادے نے پوچھا ''وہ کب سے ایسا سوچ رہا ہے؟''

میری بیوی نے کہا ''میرا خیال ہے وہ پانچ سال سے ایسا سوچ رہا ہے۔''

شہزادہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا ''وہ ساری زندگی سوچتا ہی رہے گا۔ سنیاسی ایسے تھوڑا بنا جاتا ہے۔''

بیوی کو سبکی سی محسوس ہوئی۔۔۔ اس کے بھائی کے خلاف جو بات کی گئی تھی، وہ بولی ''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم بہتر کر سکتے ہو؟''

وہ غسل خانے کا دروازہ کھول کر عریاں ہی باہر نکل گیا۔

اس کی بیوی نے پوچھا ''آپ ننگے کہاں جا رہے ہیں؟''

شہزادے نے کہا ''مہاویر کے سنیاسی ننگے رہتے ہیں۔ میں

اس کا سنیاسی بننے جا رہا ہوں۔ اگر میں کچھ بننا چاہتا ہوں تو اس بارے میں صرف سوچوں گا نہیں، بلکہ فوراً کر گزروں گا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے میں چلتا ہوں۔"

یوں شہزادہ مہاویر کا سنیاسی بن گیا اور کبھی واپس نہیں آیا۔

جو لوگ حقیقتاً جینا چاہتے ہیں وہ سارے خوف جھٹک دیتے ہیں، ساری سوچوں کو جھٹک دیتے ہیں، تمام تحفظات کو ترک کر دیتے ہیں۔ وہ ہر خطرے کا سامنا کرتے ہیں کیونکہ زندگی اتنی قیمتی اور اتنی عارضی ہے کہ تم التوا کے متحمل نہیں ہو سکتے۔۔۔ اور تمہاری سوچ التوا ہی کا ایک انداز ہے، احساس التواہی کا ایک انداز ہے، خواہشیں التواہی کا ایک انداز ہیں۔

ملتوی کرنا چھوڑ دو۔

بے ساختہ بنو، ہر کام کرو۔ اگر تم میں آرزو ابھر چکی ہے تو اپنے پر کھولو، جواری بنو۔ دھرم کاروباری لوگوں کے لیے نہیں ہے، یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کسی نامعلوم شے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اس کے لیے جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔

10

تخلیقیت

- .... میرے نزدیک تخلیقیت پوجا ہے، تخلیقیت مراقبہ ہے، تخلیقیت زندگی ہے۔
- .... چھوٹی چھوٹی چیزیں محبت اور خوشی کے لمس سے عظیم بن جاتی ہیں۔
- .... دولت سب سے زیادہ غیر تخلیقی شے ہے۔
- .... اقتدار کا صرف یہی مطلب ہے کہ تم بے شمار لوگوں کو بانجھ اور بنجر بنا دو۔۔۔ صرف تبھی تم با اقتدار ہوتے ہو، صرف تبھی تم با اقتدار ہو سکتے ہو۔
- .... جو شخص اقتدار اور دولت کا مریض ہو، وہ فقیر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلسل مانگتا رہتا ہے۔ دنیا کو دینے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

تخلیقیت توجہ دیتی ہے

تخلیقیت کبھی لاپروائی نہیں برتتی۔ تخلیقیت توجہ دیتی ہے۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبت ہوتی ہے۔ تخلیقیت محبت اور توجہ کا عمل ہے۔ تخلیقیت لاپرواہو ہی نہیں سکتی۔ اگر تم لاپروا ہو گے تو تمہاری ساری تخلیقیت دھیرے دھیرے غائب ہو جائے گی۔ تخلیقیت کو جذبے، جانداری، توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تخلیقیت کو ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ تم ایک بہاؤ میں رہو۔۔۔ایک شدید اور جذباتی بہاؤ۔

اگر تم کسی پھول کو لاپروائی سے، بے توجہی سے دیکھو گے تو وہ تمہیں خوبصورت نہیں لگے گا۔ لاپروائی کی وجہ سے ہر شے عام سی بن جاتی ہے۔ تب انسان سرد انداز میں اپنے اندر سکڑے سمٹے ہوئے بیٹھا ہے۔ مشرق میں یہ المیہ رونما ہو چکا ہے۔ کیونکہ دھرم نے ایک غلط رخ اختیار کر لیا تھا اور لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ تمہیں زندگی سے لاپروائی برتنا ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک ہندو سنیاسی مجھے ملنے آیا۔ میں اس وقت اپنے باغ میں کام کر رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ بولا ''آپ پھولوں سے اور باغبانی سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں؟'' اس کے چہرے پر تحقیر کا تاثر تھا۔ اس نے مزید کہا ''میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ تو ایسی چیزوں سے ضرور لاپروائی روا رکھتے ہوں گے۔''

میں لاپروا نہیں ہوں۔ لاپروائی منفی ہوتی ہے، یہ خودکشی ہوتی ہے، یہ فراریت ہوتی

ہے۔ بلاشبہ تمہارے لاپروا ہو جانے سے بہت سی چیزیں تمہیں پریشان نہیں کرتیں۔ تم اپنی لاپروائی میں گھرے ہوئے زندگی بسر کرتے ہو۔ تمہیں اپنی راہ سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ تمہیں پریشان نہیں کیا جائے گا تاہم یہ تو کوئی اہم بات نہیں ہے۔ ایسی کیفیت میں تم کبھی خوش نہیں ہو گے۔

مشرق میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لاپروائی ایک مذہبی رویہ ہے۔ وہ زندگی سے دور ہو جاتے ہیں، وہ فراریت پسند بن جاتے ہیں۔ وہ کوئی شے تخلیق نہیں کرتے۔ وہ نباتات کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ حاصل کر لیا ہے۔ انہوں نے کوئی شے حاصل نہیں کی ہوتی۔

حاصل کرنا ہمیشہ مثبت ہوتا ہے اور حاصل کرنا ہمیشہ تخلیقی ہوتا ہے۔ بھگوان تخلیقیت ہے۔۔۔ تم لاپروا ہوتے ہوئے بھگوان تک کیسے رسائی پا سکتے ہو؟ بھگوان تو لاپروا نہیں ہے۔ وہ تو گھاس کی چھوٹی سی پتی پر بھی توجہ دیتا ہے۔

وہ کسی بدھا کو تخلیق کرنے پر جتنی توجہ دیتا ہے، اتنی ہی توجہ ایک تتلی کے پروں کو رنگنے پر بھی دیتا ہے۔

کُل محبت کرتا ہے۔ اگر تم کُل میں ملنا چاہتے ہو تو تمہیں محبت کرنا ہو گی۔ لاپروائی آہستہ آہستہ خودکشی کرنا ہے۔ گہری محبت کرو۔ اتنی گہری کہ تم اپنی محبت میں گم ہو جاؤ، کہ تم خالص تخلیقی توانائی بن جاؤ۔ صرف تبھی تم بھگوان کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل سکتے ہو۔

میرے نزدیک تخلیقیت پوجا ہے، تخلیقیت مراقبہ ہے، تخلیقیت زندگی ہے۔

تخلیقیت، کیسے پائی جا سکتی ہے؟

مجھے ہمیشہ یقین رہا ہے کہ میں غیر تخلیقی ہوں۔ رقص اور مصوری کے سوا تخلیقیت کیا ہو سکتی ہے اور میں اپنی تخلیقیت کیسے پا سکتا ہوں؟

تخلیقیت کا کسی سرگرمی سے بطور خاص کوئی سروکار نہیں ہوتا۔۔۔ مصوری سے، شاعری، رقص سے، گلوکاری سے۔ اس کا کسی شے سے بطور خاص کوئی سروکار نہیں ہے۔

ہر شے تخلیقی ہو سکتی ہے۔۔۔ تم ہی کسی سرگرمی کو یہ صفت عطا کرتے ہو۔ سرگرمی بذات خود نہ تخلیقی ہوتی ہے نہ غیر تخلیقی۔ تم ایک غیر تخلیقی انداز سے بھی مصوری کر سکتے ہو۔ تم تخلیقی انداز سے کھانا بھی پکا سکتے ہو۔

تخلیقیت وہ صفت ہے جو تم اپنی سرگرمی کو عطا کرتے ہو۔ یہ ایک رویہ ہے، ایک داخلی اندازِ نظر ہے۔۔۔ تم چیزوں کو کیسے دیکھتے ہو۔

پس یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ تخلیقیت کو کسی خاص شے تک محدود نہ کرو۔ ایک شخص تخلیقی ہے۔۔۔ اور اگر وہ واقعی تخلیقی ہے تو وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہی تخلیقیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا چلنا بھی تخلیقیت ہے۔ حتیٰ کہ وہ خاموش بھی بیٹھا ہوا اور کچھ بھی نہ کر رہا ہو تو اس کا کچھ نہ کرنا بھی تخلیقیت ہے۔ برگد کے درخت تلے بیٹھا گوتم بدھ، جو کچھ نہیں کر رہا ہے دنیا کا عظیم ترین تخلیق کار ہے۔

جب تم جان لیتے ہو کہ تم تخلیقی یا غیر تخلیقی ہو۔ تب یہ مسئلہ غائب ہو جاتا ہے۔

ہر شخص مصور نہیں بن سکتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص مصور ہوگا تو یہ دنیا بہت گندی ہو جائے گی' اس میں تو جینا بھی مشکل ہوگا۔ ہر شخص رقاص نہیں بن سکتا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تاہم ہر شخص تخلیقی ہو سکتا ہے۔

تم کوئی کام کرتے ہو۔ اگر تم اسے خوش خوش کرتے ہو۔ اگر تم اسے محبت کے ساتھ کرتے ہو اگر تمہارا عمل خالصتاً معاشی نہیں ہے تو یہ کام تخلیقی ہے۔ اگر تمہارا کیا ہوا کام تمہیں داخلی نشوونما عطا کرتا ہے۔ تو یہ روحانی ہے' تخلیقی ہے' الوہی ہے۔

تم جتنے زیادہ تخلیقی ہوتے ہو' اتنے زیادہ الوہی ہو جاتے ہو۔ دنیا کے تمام دھرم کہتے ہیں کہ بھگوان خالق ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ خالق ہے یا نہیں۔ تاہم میں ایک بات جانتا ہوں کہ جتنا زیادہ تم تخلیقی ہوتے ہو اتنا زیادہ تم مذہبی بن جاتے ہو۔ جب تمہاری تخلیقیت عروج کو پہنچتی ہے جب تمہاری ساری زندگی تخلیقی ہو جاتی ہے' تب تم بھگوان میں جیتے ہو پس وہ یقیناً خالق ہے کیونکہ جو لوگ تخلیقی تھے وہ اس کے قریب ترین لوگ تھے۔

اپنے کام سے محبت کرو۔ جب تم کوئی کام کر رہے ہو تو مراقباتی بن جاؤ۔۔۔ کام کوئی بھی ہو اس حقیقت سے بے تعلق ہو جاؤ کہ وہ کیا کام ہے۔

اگر تم نے پارس کو چوانگ زو آڈیٹوریم کا فرش صاف کرتے دیکھا ہوتا تو تمہیں علم ہوتا کہ صفائی کرنا بھی تخلیقی ہو سکتا ہے۔ وہ کیسی محبت سے صفائی کرتی ہے۔ اس میں تقریباً رقص اور نغمہ ہوتا ہے۔ اگر تم فرش کو ایسی محبت سے صاف کر سکو تو تم نے ایک دکھائی نہ دینے والی پینٹنگ بنائی ہوتی ہے۔ تم اس لمحے میں اتنی خوشی کے ساتھ جیتے ہو کہ وہ تمہیں کچھ داخلی ارتقا دیتا ہے۔ تم ایک تخلیقی کام کے بعد پہلے جیسے نہیں ہو سکتے۔

تخلیقیت کا مطلب ہے جو کام کرنا محبت سے کرنا۔۔۔ خوش ہو کر کرنا' اسے بھگوان کا تحفہ سمجھنا۔ ہو سکتا ہے کسی کو بھی اس بارے میں علم نہ ہو۔ فرش صاف کرنے پر پارس کی تعریف کون کرتا ہے؟ تاریخ اس کا ذکر بالکل نہیں کرے گی' اخبارات اس کا نام اور تصویریں نہیں چھاپیں گے۔۔۔ تاہم یہ غیر متعلق ہے۔ وہ تو صفائی کے عمل سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

پس اگر تم شہرت کے آرزومند ہو اور تم سمجھتے ہو کہ تم تخلیقی ہو تو تم غلطی پر ہو۔ اگر تم سوچتے ہو کہ پکاسو جیسی شہرت پا لو گے تو تم تخلیقی ہو گے۔۔۔ یہ غلط ہے۔ تب تم تخلیقی نہیں ہو۔ تم سیاست دان ہو' لالچی ہو۔ اگر شہرت ملتی ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر شہرت نہیں ملتی تو بھی ٹھیک ہے۔ اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ فکر یہ کرنی چاہیے کہ تم جو کرو اس سے لطف اندوز ہو۔ وہ تمہارا معاملۂ محبت ہو۔

اگر تمہارا عمل تمہارا معاملۂ محبت ہے تو وہ تخلیقی بن جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں محبت اور خوشی کے لمس سے عظیم بن جاتی ہیں۔

تم نے سوال میں کہا ہے "مجھے یقین ہے کہ میں غیر تخلیقی ہوں۔" اگر تم اس انداز سے یقین کرو گے تو تم غیر تخلیقی بن جاؤ گے۔۔۔ کیونکہ یقین صرف یقین نہیں ہوتا۔ یہ دروازے کھولتا ہے' یہ دروازے بند کرتا ہے۔ اگر تم غلط یقین رکھتے ہو تو پھر تمہارے دروازے بند کر دے گا۔ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ تم غیر تخلیقی ہو تو تم غیر تخلیقی بن جاؤ گے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقین رکاوٹ بن جائے گا' بہاؤ کے تمام امکانات کو رد کر دے گا۔ یہ تمہاری توانائی کو بہنے نہیں دے گا کیونکہ تم مسلسل جو کہہ رہے ہو گے "میں غیر تخلیقی ہوں۔"

ہر شخص کو یہی تلقین کی جاتی رہی ہے۔ بہت کم لوگوں کو تخلیقی تسلیم کیا جاتا ہے۔ چند مصور' چند شاعر۔۔۔ دس لاکھ میں ایک۔ یہ احمقانہ عمل ہے۔ ہر انسان تخلیقی پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کو دیکھو تو تم جان لو گے۔ وہ سوچ رہا ہوتا ہے "میں کب نوبل پرائز حاصل کروں گا؟" جب وہ ناول لکھ رہا ہو تو وہ آگے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ ہمیشہ مستقبل میں ہوتا ہے۔۔۔ اور تخلیقی شخص ہمیشہ مستقبل میں ہوتا ہے۔

ہم تخلیقیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص غیر تخلیقی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ہم 99 فیصد لوگوں کو غیر تخلیقی بنا دیتے ہیں۔

تاہم معاشرے پر ذمہ داری عائد کر دینا ہی کافی نہیں ہوگا۔۔۔ تمہیں اپنی زندگی کو خود اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا۔ تمہیں غلط تعلیمات کو بھلانا ہوگا۔ تم اپنے بچپن میں اپنے آپ کو جو غلط ہدایات دیتے رہے ہو تمہیں انہیں اپنے ذہن سے محو کرنا ہوگا۔ انہیں جھٹک دو' اپنے آپ کو تمام تعلیمات سے پاک صاف کرو۔۔۔ اور دفعتاً تم دیکھو گے کہ تم تخلیقی ہو۔ ہونا اور تخلیقی ہونا' ہم معنی ہیں۔ ہونا اور تخلیقی نہ ہونا ناممکن ہے۔ تاہم یہ ناممکن

رونما ہو چکا ہے۔ یہ گندا ہنی مون ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے سارے تخلیقی سرچشمے تباہ ہو چکے ہیں اور تم اپنی ساری توانائی ایسی سرگرمی میں جبراً ضائع کر رہے ہو جس کے بارے میں معاشرہ سوچتا ہے کہ یہ سرگرمی فائدہ مند ہے۔

زندگی کے حوالے سے ہمارا سارا رویہ دولت اساس ہو چکا ہے۔ دولت سب سے زیادہ غیر تخلیقی شے ہے۔ ہمارا مجموعی رویہ اقتدار اساس ہے اور اقتدار تباہ کن ہوتا ہے، تخلیقی نہیں۔ جو شخص دولت کا آرزومند ہوتا ہے وہ تخریب بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دولت کو چرانا پڑتا ہے یا استحصال سے حاصل کرنا پڑتا ہے، اسے بہت سے لوگوں سے چھیننا پڑتا ہے۔ صرف تبھی تم اسے پا سکتے ہو۔ اقتدار کا صرف یہی مطلب ہے کہ تم بے شمار لوگوں کو بانجھ اور بنجر بنا دو، تمہیں ان کو تباہ کرنا پڑتا ہے۔۔۔ صرف تبھی تم با اقتدار ہوتے ہو، صرف تبھی تم با اقتدار ہو سکتے ہو۔

یاد رکھو یہ تخریبی اعمال ہیں۔ تخلیقی عمل دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ دنیا کو کچھ دیتا ہے، یہ اس سے کبھی کچھ نہیں لیتا۔ ایک تخلیقی شخص دنیا میں آتا ہے، دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔۔۔ ایک نغمہ تخلیق کرتا ہے، ایک پینٹنگ بناتا ہے۔ وہ دنیا کو بہتر رقص کرنے، بہتر لطف اندوز ہونے، بہتر محبت کرنے، بہتر مراقبہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ ایک بہتر دنیا چھوڑ کر جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی نہ جانتا ہو، ہو سکتا ہے کوئی اسے جانتا ہو۔۔۔ تاہم یہ امر اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ تو دنیا کو بہتر بنا کر جاتا ہے۔ وہ حیران کن حد تک آسودہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی قیمتی رہی ہوتی ہے۔

دولت اور اقتدار غیر تخلیقی ہیں۔ یہ نہ صرف غیر تخلیقی ہیں بلکہ تخریبی ہیں۔ ان سے بچو، اگر تم ان سے بچ جاؤ گے تو تم بہت آسانی سے تخلیقی بن جاؤ گے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تمہاری تخلیقیت تمہیں اقتدار اور دولت دے گی۔ نہیں، میں تم سے کسی گلابوں کے باغ کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے یہ تمہیں تکلیف دہ ہو، سکتا ہے یہ تمہیں مفلسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دے۔ میں تو تم سے صرف اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ اپنے داخل میں تم ایک امیر ترین شخص ہو گے، تم اپنے داخل میں آسودہ ہو گے، تم اپنے داخل میں خوشی اور کیف سے معمور ہو گے۔ تم بھگوان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ رحمتیں حاصل کرو گے۔ تمہاری زندگی

رحمت کی زندگی ہو گی۔

تاہم ایسا ممکن ہے کہ خارجی طور پر تم مشہور نہ ہو، ہو سکتا ہے تمہارے پاس دولت نہ ہو، ہو سکتا ہے تم اس نام نہاد دنیا میں کامیاب نہ ہو۔ تاہم اس نام نہاد دنیا میں کامیاب ہونا گہرائی میں ناکام ہونا ہے۔ داخلی دنیا میں ناکام ہونا ہے۔ اگر تم اپنی ذات کو گنوا دو تو ہر دنیاوی کامیابی بے کار ہے۔ ساری دنیا کو پانے اور اپنے آپ کو نہ پانے کا کیا فائدہ؟ ایک تخلیقی شخص اپنی ہستی کا مالک ہوتا ہے، وہ ایک آقا ہوتا ہے۔

اسی لیے مشرق میں ہم سنیاسیوں کو سوامی کہتے ہیں۔ ''سوامی'' کا مطلب ہوتا ہے ''آقا''۔ فقیروں کو بھی سوامی۔۔۔ آقا۔۔۔ کہا جاتا رہا ہے۔ جنہیں ہم شہنشاہ جانتے تھے، آخری نتیجے میں وہ فقیر نکلے۔ جو شخص اقتدار اور دولت کا مریض ہو وہ فقیر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلسل مانگتا رہتا ہے۔ دنیا کو دینے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

دینے والے بنو۔ تم جو کچھ بانٹ سکتے ہو، بانٹ دو۔۔۔ اور یاد رکھو میں چھوٹی اور بڑی چیزوں میں فرق نہیں کر رہا ہوں۔ اگر تم پورے دل سے مسکرا سکتے ہو تو کسی کا ہاتھ تھامو اور مسکراؤ۔ یہ ایک تخلیقی عمل ہے۔۔۔ ایک عظیم تخلیقی عمل! کسی کو اپنے دل سے لگا لو، اس سے گلے ملو اور تم تخلیقی ہو گے۔ کسی کو محبت سے دیکھو۔۔۔ صرف ایک محبت بھری نظر کسی شخص کی کل دنیا کو تبدیل کر سکتی ہے۔

تخلیقی بنو۔ یہ مت فکر کرو کہ تم کیا کر رہے ہو۔۔۔ انسان کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔۔۔ تاہم ہر کام تخلیقی انداز سے کرو۔ پوری لگن سے کرو۔ یوں تمہارا کام پوجا بن جاتا ہے، یوں تم جو کام بھی کرو، تم پوجا کرتے ہو۔

اس یقین کو جھٹک دو کہ تم غیر تخلیقی ہو، میں جانتا ہوں کہ یہ یقین کیسے پیدا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے تم یونیورسٹی میں گولڈ میڈلسٹ نہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے تم اپنی کلاس میں اول درجے پر نہ رہے ہو، ہو سکتا ہے تمہاری پینٹنگ کی تعریف نہ کی گئی ہو، ہو سکتا ہے۔۔۔ تاہم صرف ان وجوہات کے تحت یہ غلط یقین مت اپناؤ کہ تم غیر تخلیقی ہو۔ ایسا یوں ہو سکتا ہے کہ تم دوسروں کی نقل کر رہے ہو۔

لوگ تخلیق کے حوالے سے غلط تصور رکھتے ہیں۔۔۔ گٹار بجانا یا شعر کہنا۔۔۔ بس

لوگ شاعری کے نام سے بکواسیات لکھے جا رہے ہیں۔ تمہیں تو یہ جاننا ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو اور کیا نہیں کر سکتے ہو۔ ہر شخص سارے کام تو نہیں کر سکتا نا۔ تمہیں تلاش کرنا اور اپنی منزل کو پانا ہے۔ تمہیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنی ہیں۔ اس کا مجھے علم ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ تمہاری منزل کیا ہے۔۔۔ تاہم زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہ اچھا بھی ہے کہ انسان کو منزل تلاش کرنی پڑتی ہے۔۔۔ اسی تلاش میں کوئی شے نمو پاتی ہے۔

اگر بھگوان تمہیں اس وقت تمہاری زندگی کا ایک چارٹ دے دیتا ہے کہ جب تم دنیا میں داخل ہو رہے تھے۔۔۔ تمہاری زندگی یہ ہوگی تم گٹار نواز بنو گے۔۔۔ تب تمہاری زندگی مکینیکل ہوتی۔ صرف ایک مشین کے بارے میں پیش گوئی کی جا سکتی ہے انسان کے بارے میں پیش گوئی نہیں کی جا سکتی' انسان ہمیشہ ایک کشادگی ہوتا ہے۔۔۔ ایک ہزار ایک چیزوں کی امکانیت۔ بہت سے دروازے کھلتے ہیں اور ہر مرحلے پر بہت سے متبادل موجود ہوتے ہیں۔۔۔ اور تمہیں انتخاب کرنا ہوتا ہے' تمہیں محسوس کرنا ہوتا ہے۔ تاہم تم تبھی پانے کے اہل ہو گے جب تم اپنی زندگی سے محبت کرو گے۔

اگر تم اپنی زندگی سے محبت نہیں کرتے بلکہ کسی اور شے سے محبت کرتے ہو تو پھر مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ اگر تم دولت سے محبت کرتے ہو اور تخلیقی بننا چاہتے ہو تو تم تخلیقی نہیں بن سکو گے۔ دولت کا لالچ تمہاری تخلیقیت کو برباد کر دے گا۔ اگر تم شہرت چاہتے ہو تو پھر تخلیقیت کو بھلا دو۔ اگر تم تخریبی ہو گے تو شہرت آسانی سے ملے گی۔ شہرت کسی ایڈولف ہٹلر کو آسانی سے ملتی ہے' شہرت کسی ہنری فورڈ کو آسانی سے ملتی ہے۔ اگر تم مقابلے باز' متشدد مقابلے باز ہو تو شہرت آسانی سے پا لو گے۔

تمام تاریخ قتل کی تاریخ ہے۔ اگر تم قاتل بنو گے تو شہرت آسانی سے پا لو گے۔ تم وزیر اعظم بن سکتے ہو' تم صدر بن سکتے ہو۔۔۔ لیکن یہ سب نقاب ہیں۔ ان کے پیچھے تم بہت متشدد ہو' خوفناک حد تک متشدد۔۔۔ لیکن چھپے ہوئے' مسکراتے ہوئے۔ یہ مسکراہٹیں سیاسی ہیں' سفارتی ہیں۔ نقاب اتر جائے تو تم چنگیز خان' نپولین' ہٹلر ہوتے ہو۔

اگر تم شہرت چاہتے ہو تو تخلیقیت کی بات مت کرو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ شہرت کسی تخلیقی شخص کو کبھی نہیں ملتی' تاہم ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے۔ یہ

اتفاق سے زیادہ مماثل ہے اور اس میں بہت وقت لگتا ہے۔ تقریباً ہمیشہ ایسے ہوتا ہے کہ جس وقت شہرت ملتی ہے' تخلیقی شخص جا چکا ہوتا ہے۔۔۔ یہ ہمیشہ مرنے کے بعد ملتی ہے۔ یہ بہت تاخیر سے آتی ہے۔

یسوع اپنے زمانے میں مشہور نہیں تھے۔ اگر بائبل نہ ہوتی تو ان کا کوئی ریکارڈ نہ ہوتا۔ وہ مشہور نہیں تھے۔ وہ کامیاب نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ زیادہ لوگ انہیں جانتے گئے۔ وقت لگتا ہے۔

کوئی شخص جتنا عظیم ہوتا ہے لوگوں کو اسے جاننے میں اتنا زیادہ وقت لگتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب ایک عظیم شخص پیدا ہوتا ہے تو اس کی عظمت ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ اسے اپنی اقدار خود تخلیق کرنا پڑتی ہیں۔ جس وقت وہ اپنی اقدار تخلیق کرتا ہے' وہ چلا جاتا ہے۔ ایک تخلیقی شخص کو معروف ہونے میں ہزاروں برس لگتے ہیں اور یہ بھی یقینی نہیں ہے۔ ایسے بہت سے تخلیقی لوگ ہیں جنہیں کبھی پہچانا ہی نہیں گیا۔ کامیابی کسی تخلیقی شخص کو اتفاقاً ہی ملتی ہے۔ ایک غیر تخلیقی' تخریبی شخص کے لیے یہ زیادہ یقینی ہوتی ہے۔

پس اگر تم تخلیقیت کے نام پر کسی شے کے خواہاں ہو تو پھر تخلیقی ہونے کا خیال ترک کر دو۔ جو کام بھی کرو' شعور کے ساتھ' ارادے کے ساتھ کرو۔ نقابوں کے پیچھے کبھی مت چھپو۔ اگر تم حقیقتاً تخلیقی بننا چاہتے ہو تو پھر دولت' کامیابی' احترام' اقدار کا کوئی سوال نہیں ہے۔۔۔ تب تم اپنے کام سے لطف اندوز ہوتے ہو' تب ہر کام ایک قدر کا حامل ہوتا ہے۔ تم رقص کرتے ہو کیونکہ تمہیں رقص کرنا پسند ہے۔ تم رقص کرتے ہو کیونکہ تمہیں اس سے خوشی ملتی ہے۔ اگر کوئی تعریف کرے تو ٹھیک ہے۔۔۔ تم اس کے ممنون ہوتے ہو۔ اگر کوئی تعریف نہ کرے تو اس بارے میں فکر مت کرو۔ تم تو رقص کرو' لطف اٹھاؤ۔۔۔ تم پہلے ہی آسودہ و مطمئن ہو۔

تاہم غیر تخلیقی ہونے کا یقین خطرناک ہو سکتا ہے۔۔۔ اسے ترک کر دو۔ کوئی شخص غیر تخلیقی نہیں ہوتا۔۔۔ حتیٰ کہ درخت بھی' حتیٰ کہ چٹانیں بھی۔ جو لوگ درختوں کو جانتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر درخت اپنا مکان (Space) تخلیق کرتا ہے' ہر چٹان اپنا مکان تخلیق کرتی ہے۔ یہ کسی کے مکان جیسا نہیں ہوتا' اگر تم

حساس بن جاؤ اگر تم سمجھنے کے اہل ہو جاؤ تو تمہیں حیران کن فائدہ ہوگا۔تم دیکھو گے کہ ہر درخت اپنے انداز کی تخلیق ہے۔۔۔دوسرے درختوں کی طرح نہیں۔ ہر درخت منفرد ہوتا ہے' ہر درخت انفرادیت کا حامل ہے۔ ہر چٹان انفرادیت کی حامل ہے۔ درخت صرف درخت نہیں ہوتے۔۔۔وہ لوگ ہوتے ہیں۔کسی چٹان کے پاس بیٹھ کر اسے محبت سے دیکھو' اسے محبت سے چھوؤ' اسے محبت سے محسوس کرو۔

کہا جاتا ہے کہ ایک زین گرو بڑی بڑی چٹانوں کو دھکیل دیتا تھا۔۔۔جبکہ وہ منحنی سا آدمی تھا۔اس کے جسم کے پیش نظر یہ تقریباً ناممکن تھا! مضبوط آدمی' اس سے بہت زیادہ مضبوط آدمی ان چٹانوں کو دھکیلنے سے قاصر تھے اور وہ باسانی انہیں دھکیل دیتا تھا۔

اس سے اس کا گر پوچھا گیا تو اس نے کہا'' کوئی گر نہیں ہے' میں چٹان سے محبت کرتا ہوں پس چٹان میری مدد کرتی ہے۔میں اسے کہتا ہوں' میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے' لوگ دیکھنے آئے ہوئے ہیں۔اب میری مدد کرو' مجھ سے تعاون کرو۔۔۔پھر میں چٹان پر محبت سے ہاتھ رکھتا ہوں اور اشارے کا انتظار کرتا ہوں۔جب چٹان مجھے اشارہ دیتی ہے کہ وہ تیار ہے' تب میں حرکت میں آجاتا ہوں۔تم چٹان کے خلاف عمل کرتے ہو اسی لیے بہت زیادہ توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔میں چٹان کے ساتھ عمل کرتا ہوں' میں چٹان کے ساتھ بہتا ہوں۔درحقیقت یہ کہنا غلط ہے کہ میں اسے دھکیلتا ہوں۔میں تو بس وہاں ہوتا ہوں۔چٹان اپنے آپ کو دھکیلتی ہے''۔

ایک عظیم زین گرو ترکھان تھا۔وہ جو میزیں' کرسیاں وغیرہ بناتا تھا ان میں ایک حیران کن مقناطیسیت ہوتی تھی۔اس سے پوچھا گیا'' تم انہیں کس طرح بناتے ہو؟''

اس نے کہا'' میں انہیں نہیں بناتا۔میں تو بس جنگل میں جاتا ہوں۔بنیادی بات یہ جاننا ہوتی ہے کہ کون سا درخت کرسی بننے کے لیے تیار ہے''۔

یہ باتیں لایعنی دکھائی دیتی ہیں۔کیونکہ ہم جانتے نہیں ہیں۔۔۔ہم زبان نہیں جانتے ہیں۔وہ تین دن جنگل میں رہتا تھا۔وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا' پھر دوسرے درخت کے نیچے اور درختوں سے باتیں کرتا تھا۔وہ پاگل تھا! تاہم درخت کو اس کے پھلوں سے جانچنا چاہیے' اور اس گرو کو بھی اس کی تخلیق سے جانچنا چاہیے۔اس کی بنائی ہوئی کچھ

کرسیاں آج بھی چین میں موجود ہیں۔ان میں آج بھی ایک مقناطیسیت ہے۔تم ان کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے۔تمہیں معلوم نہیں ہوگا کہ کیا شے تمہیں ان کی طرف کھینچ رہی ہے۔ایک ہزار سال بعد بھی!۔۔۔ایک حیران کن حد تک خوبصورت شے!!

اس نے کہا'' میں جا کر کہتا ہوں کہ میں ایسے درخت کی تلاش میں ہوں جو کرسی بننا چاہتا ہے۔میں درختوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ راضی ہیں؟' نہ صرف راضی بلکہ مجھ سے تعاون کرنے' میرے ساتھ جانے پر تیار ہوں۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی درخت کرسی بننے کو تیار نہیں ہوتا۔۔۔میں خالی ہاتھ واپس آجاتا ہوں''۔

ایک مرتبہ چین کے شہنشاہ نے اسے کتابوں کا سٹینڈ بنانے کا حکم دیا۔وہ جنگل گیا اور تین دن کے بعد اس نے کہا'' انتظار کرو۔۔۔ایک درخت تھوڑا سا آمادہ لگتا ہے۔''

پھر اس نے ایک درخت کو قائل کیا۔اس نے کہا'' سارا فن یہی ہے۔۔۔جب درخت خود بخود آتا ہے۔تب وہ ترکھان کی مدد طلب کر رہا ہوتا ہے۔''

۔۔۔اگر تم محبت کرنے والے ہو تو تم دیکھو گے کہ ساری ہستی انفرادیت ہے۔ چیزوں کو کھینچو اور دھکیلو مت۔دیکھو' باتیں کرو' ان کی مدد حاصل کرو۔۔۔اور یوں زیادہ توانائی محفوظ رہے گی۔

درخت بھی تخلیقی ہوتے ہیں' چٹانیں بھی تخلیقی ہوتی ہیں۔تم انسان ہو' اس ہستی کی معراج۔تم سب سے اوپر ہو۔۔۔تم شعور ہو۔غلط یقین کے ساتھ کبھی مت سوچو اور اس غلط یقین کے ساتھ مت چمٹے رہو کہ تم غیر تخلیقی ہو۔ہوسکتا ہے تمہارے باپ نے تمہیں کہا ہو کہ تم غیر تخلیقی ہو' تمہارے رفقائے کار نے کہا ہو کہ تم غیر تخلیقی ہو۔ہوسکتا ہے تم غلط سمتوں میں تلاش کر رہے ہو' ایسی سمتوں میں کہ جن میں تم تخلیقی نہیں ہو۔تاہم ایسی سمت ضرور ہے کہ جس میں تم تخلیقی ہو۔تلاش کرتے رہو اور مہیا رہو۔۔۔یہاں تک کہ تم اسے پا نہ لو۔

ہر شخص اس دنیا میں ایک خاص تقدیر لے کر آتا ہے۔اسے کچھ ذمہ داریاں نبھانا ہوتی ہیں کچھ پیغام پہنچانے ہوتے ہیں' کچھ کام مکمل کرنے ہوتے ہیں۔تم یہاں حادثاتی طور پر نہیں ہو۔۔۔تم یہاں بامعنی طور پر ہو۔تمہارے پیچھے ایک مقصد ہے۔کُل تمہارے وسیلے کچھ کرنا چاہتا ہے۔

مصوری

''کیا کاملاً اطمینان بخش پینٹنگ بنانا ممکن ہے؟''

پینٹنگ کرتے ہوئے ہر لمحہ کاملاً اطمینان بخش ہو سکتا ہے۔ تاہم جب پینٹنگ مکمل ہو جاتی ہے تو وہ کبھی کاملاً اطمینان بخش نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ کاملاً اطمینان بخش ہو گی تو مصور خودکشی کر لے گا۔ اس کے زندہ رہنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ زندگی آرزومندی ہے۔۔۔ خالص آرزومندی۔۔۔ بلند سے بلند تر چوٹیوں پر پہنچنے کی آرزومندی' ہستی میں گہرا سے گہرا اترنے کی آرزومندی۔ تاہم ہر لمحہ کاملاً اطمینان بخش ہو سکتا ہے۔ اس فرق کو یاد رکھنا ہوگا۔ جب تم تصویر بنا رہے ہو تو ہر رنگ جو تم کینوس پر لگاتے ہو اس کا ہر لمحہ' کاملاً اطمینان بخش ہوتا ہے۔ اس سے سوا کچھ نہیں۔ اگر تم تخلیق کار ہو تو تم مکمل طور پر جذب ہوتے ہو' محو ہوتے ہو۔

اگر تم صرف ٹیکنیشن ہو تو پھر ایسا نہیں ہوتا۔ ٹیکنیشن تصویر بناتے ہوئے محو نہیں ہوتا ہے۔ وہ تصویر سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ وہ صرف اپنا علم استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تصویر کس طرح بنائی جاتی ہے۔۔۔ اور بس۔ اس کے دل میں تصویر بنانے کے حوالے سے کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ نہ وژن' نہ شاعری' نہ نغمہ۔ اس کے پاس تخلیق کرنے کو کچھ نہیں ہوتا' اس کے پاس صرف ٹیکنالوجی ہوتی ہے۔ وہ آرٹسٹ نہیں ٹیکنشن ہوتا ہے۔ وہ تصویر بنا رہا ہوتا ہے تو یہ

عمل اس کے لیے مراقبہ نہیں ہوتا۔ یہ اس کے لیے معاملۂ محبت نہیں ہوتا۔ وہ اسے کر رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک کرنے والا ہوتا ہے۔ تخلیق کار الگ تھلگ نہیں ہوتا۔ وہ اس میں جذب ہو جاتا ہے۔ وہ مکمل طور پر کھو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔

اسی لیے مصور تصویر بناتے وقت بھوک' پیاس نیند کو بھول جاتے ہیں۔ وہ جسم کو اس قدر بھلا دیتے ہیں کہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے تھکن محسوس کیے بغیر تصویر بنا سکتے ہیں۔ ہر لمحہ کاملاً اطمینان بخش جو ہوتا ہے۔

تاہم جب تصویر مکمل ہو جاتی ہے تو ایک بے انت اداسی حقیقی مصور پر حاوی ہو جاتی ہے۔ یہ فرق یاد رکھنا ہوگا۔ جب تصویر مکمل ہو رہی ہو تو ٹیکنیشن خوشی محسوس کرتا ہے۔ ایک اچھا کام کر لیا گیا ہے۔ وہ تھکن محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک لمبا تھکا دینے والا عمل تھا۔ راہ میں کوئی طمانیت نہیں تھی۔ وہ صرف نتیجے کا منتظر تھا۔ وہ نتیجہ اساس تھا۔ وہ کسی نہ کسی طور اسے ختم کرنا چاہتا تھا اور اب یہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ سکون کا گہرا سانس بھرتا ہے۔ وہ خوش ہے۔ تصویر بنانے کے دوران نہیں بلکہ صرف اس وقت خوش ہے جب تصویر پوری ہو گئی ہے۔

تخلیق کار کے ساتھ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ تصویر بنا رہا ہوتا ہے تب وہ خوش ہوتا ہے۔ جب تصویر مکمل ہو جاتی ہے تو ایک زبردست اداسی اس پر چھا جاتی ہے۔ ''پس یہ مکمل ہو گئی؟ یہ رفعت' یہ کلائمیکس' یہ وصال کا تجربہ ختم ہو گیا؟ وہ ولولہ' وہ ایڈونچر وہ انجانے میں جانے کا عمل ختم ہو گیا؟'' بالکل ویسے جیسے کہ محبت کرنے والے وصال کے بعد محسوس کرتے ہیں۔ ایک لطیف اداسی' خوبصورت' حیران کن قدر والی۔۔۔ ٹیکنیشن کی خوشی سے بہت زیادہ بیش قدر۔ کیونکہ اس اداسی سے ایک اور تصویر جنم لے گی اس اداسی سے رفعتوں کو پانے کی ایک اور آرزو' ایک اور تلاش' ایک اور جستجو' ایک اور حمل۔ مصور جلد حامل (Pregnant) ہوگا' اتنا معمور کہ اسے دوبارہ بانٹنا پڑے گا۔

کہا جاتا ہے کہ جب عظیم مورخ گبن نے دنیا کی تاریخ کے حوالے سے اپنی عظیم کتاب مکمل کر لی تو وہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ ایسے جیسے وقت گزرا ہی نہیں ہوا۔ جیسے وقت رک گیا ہو۔ حالانکہ اسے اس کتاب کو پورا کرنے میں تیس سال لگے تھے اور وہ ان تیس برسوں میں اس قدر خوش تھا کہ کہا جاتا ہے اس کی عمر میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔

تاہم جس روز کتاب مکمل ہوئی وہ رونے لگا۔اس کی بیوی حیران رہ گئی۔اس نے کہا''آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے آپ کو رقص کرنا چاہیے' کام مکمل جو ہو گیا ہے۔''

گبن بولا''کام ختم ہو گیا ہے اب میرے لیے کیا رہ گیا ہے؟ میری تو زندگی ختم ہو گئی ہے۔''

اور پانچ سال کے اندر وہ بہت بوڑھا ہو گیا اور ساتویں سال فوت ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ عظیم ڈچ مصور ونسنٹ وان گوگ نے اس وقت خودکشی کر لی تھی جب اس نے محسوس کیا کہ وہ کامل تصویر بنا چکا ہے۔ایسا ممکن ہے۔اگر مصور محسوس کرے کہ کامل تصویر بن چکی ہے تو جینے میں کوئی اہمیت نہیں رہتی۔تخلیق کار تو تخلیق کرنے کے لیے زندہ رہتا ہے۔مغنی گیت گانے کے لیے زندہ رہتا ہے' رقاص رقص کرنے کے لیے زندہ رہتا ہے' محبت کرنے والا محبت کرنے کے لیے زندہ رہتا ہے۔درخت اس لیے زندہ رہتا ہے کہ پھول کھلیں۔۔۔اگر پھول کھل چکے ہوں اور کامل پھول کھل چکا ہو تو پھر ایک عبث' لایعنی ہستی کا کیا جواز ہے؟

تمہارا سوال بہت اہم ہے۔تم نے پوچھا ہے''کیا ایک کاملاً اطمینان بخش پینٹنگ بنانا ممکن ہے؟''

ہاں اور نہیں ہاں۔یوں کہ جب تم پینٹنگ بنا رہے ہوتے ہو تو وہ کاملاً اطمینان بخش ہوتی ہے۔نہیں' یوں کہ جب وہ بن جاتی ہے تو تمہیں بے پناہ اداسی محسوس ہوتی ہے۔تاہم یہ اداسی بھی تخلیقی ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف اس اداسی کی وجہ سے ہی تم دوبارہ دھوپ سے روشن رفعتوں کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔

اور اس زندگی میں تو حقیقتاً کوئی شے کامل نہیں ہے نہ ہی کبھی کامل ہو سکتی ہے۔

کبھی کوئی شے کامل نہیں ہوتی۔درحقیقت غیر کاملیت ایک خوبصورتی کی حامل ہے کیونکہ غیر کاملیت زندگی کی حامل ہوتی ہے۔جب بھی کوئی شے کامل ہوتی ہے' جب بھی کوئی شے حقیقتاً کامل ہوتی ہے تو اس میں سے زندگی غائب ہو جاتی ہے۔

زندگی صرف اس وقت تک وجود پذیر ہو سکتی ہے جب تک کہ کوئی شے غیر کامل

رہے۔۔۔اور جسے کامل بنانا ہو۔زندگی غیر کامل کو کامل بنانے کی کوشش ہے۔زندگی بدصورت کو خوبصورت بنانے کا جنون ہے۔زندگی کے وجود کے لیے کوئی غیر کامل شے ضروری ہے۔زندگی کے نمو پانے کے لیے کوئی غیر کامل شے ناگزیر ہے۔

کبھی کوئی شے کامل نہیں ہوتی یا کبھی کبھار کوئی شے کامل رونما ہوتی ہے۔مشرق میں ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کامل ہوتا ہے تو وہ اس کا آخری جنم ہوتا ہے۔میں کہتا ہوں کہ جب بدھا کامل ہو جائے گا تو وہ واپس نہیں آئے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کاملیت کا مطلب ہے زندگی مزید ممکن نہیں ہے۔وہ کائنات میں جذب ہو جائے گا۔

ایک عظیم ہندوستانی شاعر رابندرناتھ ٹیگور نے بھگوان سے آخری دعا یوں کی تھی:

''مجھے واپس بھیج! یاد رکھ بھگوان! میں کامل نہیں ہوں۔مجھے واپس بھیج۔تیری دنیا بے حد خوبصورت تھی اور تو نے مجھے ایسی قیمتی زندگی دی تھی۔میں ابھی گم نہیں ہونا چاہتا۔میں ابھی بہت سے گیت گانا چاہتا ہوں' میں نے ابھی بہت سی تصویریں بنانی ہیں۔میرے دل میں ابھی بہت کچھ ایسا ہے جسے کھلنا ہے۔مجھے واپس بھیج! میں کامل نہیں ہوں۔مجھے واپس بھیج!''

یہ اس کی آخری دعا تھی! وہ اس طرح سے دعا کرتا ہوا مرا تھا! یہ ایک انتہائی خوبصورت دعا ہے اور مرنے کا انتہائی خوبصورت انداز۔انسان بھگوان کا اس سے زیادہ اور کیا شکر ادا کر سکتا ہے؟

تیری دنیا خوبصورت تھی۔میں تیری دنیا سے محبت کرتا تھا۔میں اس کے قابل تو نہیں تھا' پر تو نے مجھے بنایا۔میں واپس بھیجے جانے کے قابل تو نہیں تاہم تیری عطا عظیم ہوتی ہے۔کم از کم ایک مرتبہ مجھے واپس بھیج دے۔

زندگی نمو پذیر رہتی ہے۔کبھی کوئی شے کامل نہیں ہوتی۔جونہی کوئی شے کامل ہوتی ہے معدوم ہو جاتی ہے۔وہ فنا ہو جاتی ہے۔بدھ مت میں نروان کا لفظ استعمال ہوتا ہے' جس کا مطلب ہے عدم۔اس کا لفظی مطلب ہے''شمع کو بجھانا۔''شمع کو پھونک مارتے ہو

اور روشنی فوراً چلی جاتی ہے‘ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی جاتی ہے‘ عدم میں گم ہو جاتی ہے۔۔۔ یہی نروان ہے۔ ہر بدھ کہتا ہے کہ جو کوئی بھی کامل ہوتا ہے‘ وہ نروان میں چلا جاتا ہے‘ عدم میں چلا جاتا ہے۔

کامل پینٹنگ کی آرزو مت کرو ورنہ مصور مر جائے گا۔ ابھی تو تم نے بہت سے نغمے گانے ہیں اور تصویر کامل نہیں ہو سکتی۔ نغمہ اور رقص کامل نہیں ہو سکتے۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جب تم اپنے دل کی گہرائیوں میں تصویر کو دیکھتے ہو تو یہ ایک بالکل مختلف شے ہوتی ہے۔ جب تم اسے بنانا شروع کرتے ہو تو تم اسے لطیف سے کثیف میں ڈھال رہے ہوتے ہو۔ اسی تقلیب میں ہی‘ بہت کچھ کھو جاتا ہے۔

لہٰذا کوئی مصور تصویر بنانے کے بعد کبھی اطمینان محسوس نہیں کرتا ہے۔ یہ ویسی نہیں ہوتی جیسی وہ بنانا چاہتا تھا۔۔۔ یہ اس جیسی ہے لیکن وہی نہیں ہے۔ وہ دوبارہ تصویر بنانے میں محو ہو جاتا ہے۔

لہٰذا کوئی مصور تصویر بنانے کے بعد کبھی اطمینان محسوس نہیں کرتا ہے۔ یہ ویسی نہیں ہوتی جیسی وہ بنانا چاہتا تھا۔۔۔ یہ اس جیسی ہے لیکن وہی نہیں ہے۔ وہ دوبارہ تصویر بنانے میں محو ہو جاتا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور دوبارہ یاد آ رہا ہے۔ اس نے چھ ہزار گیت لکھے تھے۔۔۔ وہ دنیا کا سب سے عظیم شاعر لگتا ہے۔ اس کا ہر گیت ایک حسن ہے۔ تاہم جب وہ مر رہا تھا تو رو رہا تھا۔ وہ بھگوان سے کہہ رہا تھا ’’میں جو گیت گانا چاہتا تھا‘ ابھی میں نے اسے نہیں گایا۔‘‘

اس کا پرانا دوست اس کے سرہانے موجود تھا۔ اس نے کہا ’’یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم چھ ہزار گیت گا چکے ہو۔ یورپ میں شیلے کو عظیم ترین شاعر مانا جاتا ہے۔ اس نے صرف دو ہزار گیت گائے تھے۔ تم نے اس سے تین گنا زیادہ گانے گائے ہیں۔ تمہیں تو خوش اور مطمئن ہونا چاہیے تھا۔‘‘

رابندر ناتھ نے اپنی آنسو بھری آنکھیں کھولیں اور بولا ’’میں خوش اور مطمئن نہیں ہوں۔ ہاں! میں چھ ہزار گیت گا چکا ہوں۔ تاہم تمہیں اندر کی کہانی کا علم نہیں ہے۔ اندر کی

کہانی یہ ہے کہ میں صرف ایک گیت گانا چاہتا تھا! تاہم چونکہ یہ کبھی ممکن نہیں ہوا۔۔۔ میں نے ایک بار کوشش کی‘ ناکام ہو گیا۔ میں نے دوبارہ کوشش‘ ناکام ہو گئی۔ میں چھ ہزار مرتبہ ناکام ہوا ہوں۔ یہ سب کوششیں تھیں اور میں کسی سے بھی مطمئن نہیں ہوں۔ میں جو گیت گانا چاہتا تھا ابھی نہیں گایا گیا۔‘‘

درحقیقت کوئی بھی اسے نہیں گا سکتا ہے۔

مہاتما بدھ جس بستی میں جاتے تھے وہاں اعلان کر دیتے تھے کہ گیارہ سوال مت پوچھنا۔ وہ گیارہ کے گیارہ سوال اہم تھے۔ ان سوالوں میں شامل تھے: بھگوان‘ روح‘ موت‘ زندگی‘ سچ۔

ہر اہم شے ان میں شامل تھی۔ کیوں؟ وہ کہتے تھے ’’اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سوالوں کے جواب نہیں دیئے جا سکتے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں جواب نہیں جانتا۔ تاہم انہیں لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔‘‘

> ایک بستی کے ایک سمت ایک قدیم اور پراسرار دیوار موجود تھی۔
>
> جو شخص اس دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھتا وہ واپس آنے کی بجائے مسکراتا اور دوسری طرف کود جاتا۔ پھر وہ کبھی واپس نہ آتا۔
>
> بستی کے لوگوں نے سوچا کہ آخر ایسی کون سی شے انہیں دوسری طرف کھینچ لیتی ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک شخص کا پیر باندھ کر اسے دیوار پر چڑھایا جائے اور وہ دوسری طرف دیکھ کر بتائے کہ وہاں کیا ہے؟ پیر بندھا ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس نے دوسری طرف کودنے کی کوشش کی تو اسے روک لیا جائے گا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک آدمی کا پیر باندھ کر اسے دیوار پر چڑھایا گیا۔ اس نے دیوار کے دوسری طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ لوگوں نے جلدی سے اسے واپس کھینچ لیا تاہم وہ شخص قوتِ گویائی کھو چکا تھا۔

جو لوگ دیکھ چکے ہوتے ہیں وہ بول نہیں سکتے ہیں۔ جو کچھ دیکھا جا چکا ہے اسے تصویر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسے لفظوں میں نہیں سمویا جا سکتا ہے۔ تاہم ہر شخص کو کوشش کرنی

ہے۔ دنیا انہی کوششوں کی وجہ سے مزید خوبصورت ہوتی جارہی ہے۔ دنیا انہی کوششوں کی وجہ سے خوبصورت ہے۔ دنیا رابندر ناتھ ٹیگور کے چھ ہزار گیتوں کی وجہ سے خوبصورت ہے۔ حالانکہ وہ جس گیت کو گانے کا آرزومند تھا اسے نہیں گا سکا تھا۔ ان چھ ہزار ناکامیوں نے دنیا کو پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت بنا دیا۔ یہ دوبارہ پہلے والی دنیا کبھی نہیں ہوگی۔ وہ چھ ہزار گیت گائے جاتے رہیں گے۔

پس، تصویریں بناتے رہو۔ تخلیق کرتے رہو۔ تاہم میں پھر بتا رہا ہوں کہ تم کبھی مطمئن نہیں ہو پاؤ گے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ تم کبھی مطمئن نہ ہو۔ تاہم اپنی تخلیقیت کے ہر لمحے کو ایک عظیم اطمینان بننے دو۔ تاہم جب کوئی شے مکمل ہو جائے تب آگے بڑھو۔ تم تخلیق کی لامحدود اہلیت کے حامل ہو۔ تم لامحدود ہو۔ تمہارے امکان کی کوئی حد نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے کہ تم کیا کر سکتے ہو اور تم جب تک کچھ کرو گے نہیں لاعلم ہی رہو گے؟

پس عظیم ترین تخلیق کار جانتے ہیں کہ ان کی تخلیقات کتنی مفلس ہیں۔ چونکہ وہ آگاہ ہوتے ہیں، زیادہ سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں، جتنا زیادہ ممکن ہوتا ہے اتنے آگاہ۔ عام لوگ جو کبھی کچھ تخلیق نہیں کرتے اس بات سے آگاہ نہیں ہوتے وہ کیا کر سکتے ہیں۔ جب تک تم کرتے نہیں یہ جاننے کا دوسرا اور کوئی راستہ نہیں کہ تم کیا کر سکتے ہو اور جب تم اسے کر رہے ہوتے ہو تب تم دیکھ سکتے ہو کہ تم جو کرنا چاہتے تھے، تمہاری داخلی دنیا میں جو بہت واضح تھا، وہ باہر آ کر بہت مدھم اور عام ہو گیا ہے۔

تم دوبارہ کوشش کرو گے۔ ہر کوشش بہتر ہو گی، زیادہ کامل ہو گی۔ لیکن کبھی کامل نہیں ہو گی۔

11

سنجیدگی اور مزاح

- ..... صرف بیمار ذہن سنجیدہ ہوتا ہے۔
- ..... ہنسی کرۂ ارض کی سب سے مقدس شے ہے۔
- ..... عظیم بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم تو پہلے ہی عظیم ہو۔
- ..... عام بن جاؤ۔ عمومیت میں کچھ برا نہیں ہے۔ اپنی عمومیت میں ہی غیر معمولی ہو۔

ہنسی

پوری کائنات میں صرف انسان ہی ہے جو کہ ہنسنے پر قادر ہے۔ ہنسی انسان کے حاصل کردہ اعلیٰ ترین شعور کا حصہ ہے۔

سورج طلوع ہوتا ہے لیکن ہنستا نہیں ہے۔ پرندے چہچہاتے ہیں لیکن ہنستے نہیں ہیں۔ جہاں تک شعور کا تعلق ہے تو وہ بہت پست ہیں۔ تمہارے پنڈت بھی ہنستے نہیں ہیں۔ تمہارے گرجا گھروں میں بھی ہنسی سنائی نہیں دیتی۔ یہ شعور کا ارتقاء نہیں بلکہ زوال ہے۔ سنجیدگی ایک بیماری ہے۔

صرف بیمار ذہن سنجیدہ ہوتا ہے۔

نوجوان' شباب سے معمور لوگ ہنستے' رقص کرتے ہیں۔ تاہم سنجیدہ ذہن کا حامل انسان اس خوبصورت جھاگ کو گنوا دیتا ہے جو کہ سمندر کی لہروں پر آتی ہے۔ اگر چہ وہ صرف جھاگ ہے لیکن اس کے بغیر لہریں عریاں دکھائی دیں گی۔ یہ جھاگ لہروں کا تاج بن جاتی ہے۔ سفید جھاگ والی لہریں ساحل کی طرف آتی ہیں تو ہمالیہ کی چوٹیاں یاد آ جاتی ہیں' جو کبھی نہ پگھلنے والی برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔۔۔ ابدی برف سے۔ جھاگ کا نظارہ لہر کو ایک حسن' ایک زندگی' ایک خاص رقص عطا کرتا ہے۔

میں ایسے دھرم کے خلاف ہوں جو تمہیں سنجیدہ بنا دے۔ دھرم نے ہنسی کے تمام امکانات کو برباد کر دیا ہے۔ میں کہتا ہوں ہنسی کرۂ ارض کی سب سے مقدس شے ہے۔۔۔

کیونکہ یہ شعور کی اعلیٰ ترین رفعت ہے۔

لوگ۔۔۔خواہ وہ مذہبی ہوں یا نہ ہوں۔۔۔صرف اس لیے سنجیدہ رہتے ہیں کہ معاشرہ سنجیدگی کا احترام کرتا ہے۔

سنجیدگی کا ہزاروں برس سے ایسا احترام کیا جارہا ہے کہ کئی قومیں تو ہنسنا بھول چکی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ اگر تم کسی انگریز کو لطیفہ سناؤ تو وہ دوبار ہنستا ہے۔پہلی بار وہ اس لیے ہنستا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ کسی نے یہ نہیں جانا کہ اسے لطیفہ سمجھ نہیں آیا۔دوسری مرتبہ وہ آدھی رات کو ہنستا ہے۔۔۔کہ جب اسے لطیفہ سمجھ آجاتا ہے۔

اگر وہی لطیفہ تم کسی جرمن کو سناؤ تو وہ صرف ایک مرتبہ ہنسے گا۔۔۔وہ بھی صرف اس لیے کہ سب ہنس رہے تھے' سو وہ بھی محفل کے آداب کے تحت ہنسنے لگا تھا۔ورنہ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں۔وہ لطیفہ کبھی نہیں سمجھ پاتا سو وہ دوسری مرتبہ نہیں ہنستا۔

اگر تم وہی لطیفہ کسی یہودی کو سناؤ تو وہ ہنسنے کی بجائے کہے گا'' ٹھہرو! وقت ضائع مت کرو۔یہ لطیفہ پرانا ہے اور تم اسے درست بھی نہیں سنا رہے۔''

لوگوں کے رویے مختلف ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنوں کو مختلف انداز سے ڈھالا گیا ہوتا ہے۔میں ایسا لطیفہ ڈھونڈتا رہا ہوں کہ جو خالصتاً ہندوستانی ہو۔تاہم مجھے ایسا ایک لطیفہ بھی نہیں ملا۔سارے لطیفے درآمد شدہ ہیں۔یہ اچھا ہے کہ لطیفوں کی درآمد پر کوئی ٹیکس نہیں ہے ورنہ ہندوستان میں لطیفے سرے سے ہوتے ہی نہیں۔

ہندوستانی ہر شے کے حوالے سے بہت سنجیدہ ہیں۔بھگوان کے حوالے سے بھی۔ تم ہنستے ہوئے مہاتما بدھ کا تصور نہیں کر سکتے' ہنستے ہوئے شنکراچاریہ کا یا ہنستے ہوئے مہاویر کا۔۔۔یہ تو ناممکن ہے۔میں ہمیشہ اس پر سوچتا رہا ہوں کیونکہ دنیا کا پہلا مجسمہ مہاتما بدھ کا بنایا گیا تھا۔یہ دنیا کا قدیم ترین مجسمہ ہے۔

اور انہوں نے مہاتما بدھ کے مجسموں کے لیے سرد سنگ مرمر کا انتخاب کیوں کیا؟ مہاتما بدھ ''ٹھنڈا'' ہے۔ہنسی حرارت کو لاتی ہے' سنجیدگی دھیرے دھیرے ٹھنڈک لاتی ہے۔۔۔غیر انسانی ٹھنڈک۔

اور سفید سنگ مرمر اس کے چہرے کو بمطابق اصل پیش کرتا ہے۔۔۔کیونکہ اس

نے کبھی اپنے چہرے پر تاثرات نمودار نہیں ہونے دیئے تھے۔کسی نے اس کی آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں دیکھے تھے۔اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔جب وہ زندہ تھا تب بھی سنگ مرمر کا ایک مجسمہ ہی تھا۔

ہندوستان صدیوں سے سنجیدہ چلا آرہا ہے۔یہ اس کی پستی کی ایک وجہ ہے۔ خاموشی خوبصورت ہوتی ہے۔۔۔تاہم خاموشی کا مطلب سنجیدگی نہیں ہوتا۔خاموشی مسکراہٹوں سے معمور ہوتی ہے۔درحقیقت مصدقہ خاموشی لازماً مسکراہٹوں سے' محبت سے بھری ہوتی ہے۔

گیان پانے والے شخص کا پہلا عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ جی بھر کر ہنستا ہے۔۔۔وہ اس حماقت پر ہنستا ہے کہ جس شے کو وہ باہر ڈھونڈ رہا تھا وہ تو اس کے اپنے اندر تھی۔وہ تو صدیوں سے اسے اپنے اندر لیے پھر رہا تھا۔اس نے کبھی اندر دیکھا ہی نہیں۔وہ ساری دنیا میں ڈھونڈتا پھرتا رہا' حالانکہ وہ اپنے اندر خزانہ اٹھائے ہوئے تھا۔جو ایک لمحے میں اسے مل سکتا تھا۔

اک ذرا آنکھیں بند کرو۔۔۔خاموش ہو جاؤ۔۔۔

اور وہ موجود ہوتا ہے۔

میں سوچ نہیں سکتا کہ کوئی شخص اسے اپنے اندر پا کر نہ ہنسے تاہم گیان پانے والے ہزاروں لوگوں کے قصوں میں اس کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔شاید وہ ہنسے ہوں۔اور انہوں نے ہنسی کو باہر نہ آنے دیا ہو' انہوں نے اس پر قابو پا لیا ہو۔

روایت کہتی ہے کہ جتنا تم شعور میں بلند ہوتے ہو اتنا ہی تم سنجیدہ ہو جاتے ہو۔تاہم میں اپنے ذاتی تجربے سے جانتا ہوں۔۔۔اور منطقی طور پر یہ برمحل ہے۔۔۔کہ اگر تم نے عینک لگا رکھی ہے اور اسے ہر طرف ڈھونڈ رہے ہو اور اچانک تمہیں علم ہو کہ وہ تمہاری ناک پر دھری ہوئی ہے تو تمہارا کھلکھلا کر نہ ہنسنا ناممکن ہے۔

روحانی تجربہ اس سے مختلف نہیں ہوتا۔وہ تو تمہاری ناک پر ہے۔۔۔اور تم اسے ساری دنیا میں ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔تم اسے ڈھونڈ نہیں پا رہے' کیونکہ تم تو ساری دنیا میں اسے ڈھونڈ رہے ہو۔اک ذرا بیٹھ رہو' دنیا کو فراموش کر دو' اور وہ موجود ہوتا ہے۔کون ڈھونڈ

رہا ہے؟۔۔۔

متلاشی ہی وہ ہے جسے تلاش کیا گیا ہے۔

شکاری ہی شکار ہے۔

شاہد ہی مشہود ہے۔

لیکن چونکہ تم اندر کی طرف کبھی نہیں دیکھتے۔۔۔اور تم باہر اسے کہیں نہیں پا سکتے۔۔۔نہ تو ہمالیہ کی چوٹیوں پر نہ ہی چاند پر۔۔۔فطری سی بات ہے پے در پے ناکامیاں تمہیں سنجیدہ اور اداس بنا دیں گی کہ جیسے تم کافی نہیں ہو' اسے پانے کے اہل نہیں ہو۔ سچ یہ ہے تم اسے اس لیے نہیں پا رہے ہو کہ وہ تم سے باہر ہے ہی نہیں۔

پس تمام راستے غلط ہیں۔ تم جہاں کہیں جاؤ گے ناکامی کے سوا اور کچھ بھی نہیں پاؤ گے۔ سفر ختم کردو' تلاش ختم کردو' پُر سکون ہو جاؤ۔ پہلے انسان کو اپنے اندر دیکھنا چاہیے۔ اگر تم اسے وہاں نہ پا سکو تو پھر یہ بات منطقی لگتی ہے کہ تم کہیں اور جاؤ۔ تاہم جس کسی نے اندر کی طرف دیکھا ہے ہمیشہ اسے پا لیا ہے۔

اور اسے پا کر تم اپنے اوپر خوب ہنسو گے کیونکہ ہستی حقیقتاً ایک زبردست مذاق کر چکی ہوتی ہے۔

تاہم اسے ایک تجربہ ہونا چاہیے وگرنہ یہ صرف ایک عقیدہ ہو گا اور میں چاہتا ہوں کہ تم عقیدے کا کوئی نظام نہ بناؤ۔ میں تمہیں صرف اپنا تجربہ بتا رہا ہوں تم بھی اسے اپنا تجربہ بنا سکتے ہو۔

تم شعور کی چوٹی پر ہوتے ہو' تم جشن منا سکتے ہو' تم جشن منا رہے ہو۔ تاہم سوال یہ ہے کہ عام آدمی تمہارے ساتھ جشن میں کس طرح شامل ہو سکتا ہے؟

کوئی شخص عام نہیں ہوتا۔ کون کہتا ہے کہ تم عام ہو؟ تم نے کہاں سے سنا ہے کہ تم عام ہو؟ ہر شخص غیر معمولی ہے! ایسا ہونا چاہیے۔ بھگوان نے عام اشخاص کو تخلیق نہیں کیا۔ بھگوان عام اشخاص کیسے تخلیق کر سکتا ہے؟ ہر شخص خاص ہے' غیر معمولی ہے۔ تاہم یاد رکھو اس سے تمہاری انا کو بڑا نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں کہ تم غیر معمولی ہو۔ یہ تو بھگوان کی عطا ہے۔ تم کُل سے باہر آتے ہو' تمہاری جڑیں کُل ہی میں رہتی ہیں۔ تم واپس

کُل میں مل جاؤ گے۔ جبکہ کُل غیر معمولی ہے' بے مثل ہے۔

تم بھی بے مثل ہو۔ لیکن ہر دھرم نے تمہیں عام بنانے کی کوششیں کی ہیں۔ یہ تمہاری انا کو اکسانے کا ایک حربہ ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ جس لمحے کوئی شخص کہتا ہے کہ تم عام ہو تو وہ تم میں غیر معمولی بننے کی خواہش ابھار دیتا ہے کیونکہ تم کمتری محسوس کرنے لگتے ہو۔

ابھی پچھلے ہی روز ایک شخص مجھ سے ملنے آیا۔ اس نے پوچھا ''زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جب تک میرا کوئی خاص مقصد نہ ہو میں کس طرح زندہ رہ سکتا ہوں؟ اگر کوئی خاص مقصد ہے تو زندگی خاص ہے۔ اگر کوئی خاص مقصد نہیں ہے تو زندگی بے معنی ہے۔''

یہ سوال انا پوچھ رہی ہے۔ اسے خاص نہیں عام محسوس ہوتا ہے۔ ''تب کوئی کس طرح زندہ رہ سکتا ہے؟'' تمہیں اناؤں کی چوٹیوں پر جانا ہو گا۔ صرف تبھی تمہاری زندگی خاص محسوس ہو گی۔

زندگی خاص ہے۔ جبکہ اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ یہ مقصد سے عاری خصوصیت ہے۔ کسی گیت کی طرح' رقص کی طرح۔۔۔ایک پھول کی طرح' وہ بغیر کسی مقصد کے کھلا ہوا ہے۔ وہ کسی خاص شخص کے لیے نہیں کھلا۔ خواہ کوئی قریب سے بھی نہ گزرے پھول نے تو کھلنا ہے' خوشبو نے تو بکھرنا ہے ہواؤں میں۔ خواہ کوئی اسے نہ سونگھے' یہ ضروری نہیں' کھلنا ہی اہم ہے۔ کوئی مقصد اہم نہیں ہے۔

تاہم تمہیں بتایا گیا ہے کہ تم عام ہو۔ ''عظیم شاعر بنو' عظیم صدر بنو' عظیم لیڈر بنو' عظیم سیاست دان بنو' عظیم پنڈت بنو۔'' تم جیسے ہو ہر دھرم اس کی مذمت کرتا ہے۔ ''تم کچھ نہیں ہو۔ تم تو کیڑے ہو کچھ بنو' ثابت کرو کہ تم بھگوان کے سامنے کچھ ہو۔۔۔''

تاہم میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ سراسر لایعنی بات ہے۔ تمہیں کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی کافی ہے کہ تمہیں بھگوان نے تخلیق کیا ہے۔ بھگوان نے تمہیں پالا ہے' یہی بہت ہے۔ تم اور کیا ثابت کر سکتے ہو؟ تمہیں عظیم مصور بننے کی ضرورت نہیں، تمہیں عظیم لیڈر بننے کی ضرورت نہیں، تمہیں عظیم پنڈت بننے کی ضرورت نہیں۔ عظیم بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم تو پہلے ہی عظیم ہو۔

میرا اصرار اسی بات پر ہے۔ تم پہلے ہی وہ ہو جو تم ہونا چاہتے ہو۔ ہوسکتا ہے تمہیں اس کا ادراک نہ ہو۔ ہوسکتا ہے تمہارا اپنی حقیقت سے سامنا نہ ہوا ہو۔ ہوسکتا ہے تم نے اپنے اندر نہ دیکھا ہو کہ تم تو اندر سے شہنشاہ ہو۔ ہوسکتا ہے تم سوچ رہے ہو کہ تم فقیر ہو اور شہنشاہ بننے کی کوششیں کررہے ہو۔ تاہم میرے دیکھنے میں تم پہلے ہی شہنشاہ ہو۔

جشن کو ملتوی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم ٹھیک اسی لمحے جشن منا سکتے ہو۔ کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ جشن منانے کے لیے زندگی ضروری ہے اور زندگی تمہارے پاس ہے۔ جشن منانے کے لیے درختوں اور پرندوں اور ستاروں کی ضرورت ہے اور وہ موجود ہیں۔ اب تمہیں کس شے کی ضرورت ہے؟ اگر تمہیں تاج پہنا کر سونے کے محل میں بند کر دیا جائے تب تم جشن مناؤ گے؟ درحقیقت تب یہ ناممکن ہوگیا۔ کیا تم نے کبھی کسی بادشاہ کو گلیوں میں ہنستے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے اور گاتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں' وہ تو مقید ہے۔۔۔ ادب آداب کے قفس میں۔ برٹرینڈ رسل نے کہیں لکھا ہے کہ جب اس نے پہلی بار پہاڑوں میں آباد قدیم نسل کے لوگوں کو دیکھا تو اسے ان سے حسد محسوس ہوا۔ بہت زیادہ حسد۔ اس نے یہ رقص دیکھ کر یوں محسوس کیا جیسے ہر شخص بادشاہ ہو۔ ان کے پاس تاج تو نہیں تھے تاہم انہوں نے پتوں اور پھولوں کے تاج بنائے ہوئے تھے۔ ہر عورت ملکہ تھی۔ ان کے پاس کوہِ نور تو نہیں تھا لیکن جو کچھ بھی ان کے پاس تھا کافی تھا۔ وہ ساری رات رقص کرتے رہے اور پھر گر کر سو گئے۔۔۔ اسی جگہ جہاں وہ رقص کررہے تھے۔ صبح ہوئی تو وہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ وہ سارا دن کام کرتے رہے اور شام ہوتے ہی رقص کے لیے دوبارہ تیار ہوگئے۔ رسل کہتا ہے'' اس روز مجھے حقیقتاً حسد محسوس ہوا کیونکہ میں ایسا نہیں کرسکتا تھا۔''

کہیں کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ تمہیں اندر سے کوئی شے مضطرب رکھتی ہے۔ تم رقص نہیں کر سکتے' تم گیت نہیں گا سکتے' کوئی شے تمہیں روکے رکھتی ہے۔ تم معذوری کا جیون جی رہے ہو حالانکہ تمہیں معذوری کا جیون جینا نہیں تھا لیکن تم ایک معذور جیون جی رہے ہو۔ تم مفلوج زندگی بسر کررہے ہو۔ تم یہ سوچتے ہو کہ ایک عام شخص ہوتے ہوئے تم خوشی کیسے منا سکتے ہو؟ تم میں تو کوئی خاص بات ہے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ تمہیں کس نے کہا ہے کہ تمہیں خوشی منانے کے لیے کسی خاص شے کی ضرورت ہے؟ درحقیقت تم جتنا زیادہ خاص ہونے کی فکر کرتے ہو تمہارے لیے رقص کرنا اتنا ہی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

عام بن جاؤ۔ عمومیت میں کچھ برا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اپنی عمومیت میں ہی غیر معمولی ہو۔ اپنے رقص کو مشروط مت کرو۔ اگر تم خاص شرائط پوری کرنے کی فکر میں رہے تو تمہارا کیا خیال ہے تم خوشی منا سکتے ہو؟ تم کبھی خوشی نہیں منا سکو گے' تم فقیر مرو گے۔ ابھی کیوں نہیں؟ تم میں کیا کمی ہے؟

یہ میرا مشاہدہ ہے کہ اگر تم ابھی آغاز کرو تو دفعتاً توانائی کا دھارا رواں ہو جائے گا۔ تم جتنا زیادہ رقص کرو گے وہ اتنا زیادہ رواں ہوگا' تم اتنے ہی اہل ہو جاؤ گے۔ انا کے لیے شرائط کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے' زندگی کے لیے نہیں۔ پرندے گا اور رقص کر سکتے ہیں۔۔۔ عام پرندے! کیا تم نے کبھی کسی غیر معمولی پرندے کو گاتے اور رقص کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا وہ پوچھتے ہیں کہ انہیں پہلے روی شنکر بننا ہوگا؟ کیا وہ پوچھتے ہیں کہ انہیں پہلے عظیم مغنی بننا ہوگا' موسیقی کے کالجوں میں گانا سیکھنے کے لیے جانا ہوگا اور تب وہ گائیں گے؟ وہ تو بس گاتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

انسان خوشی منانے' جشن برپا کرنے کی اہلیت کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے۔ جب پرندے بھی خوشی منا سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں؟ تاہم تم غیر ضروری رکاوٹیں کھڑی کر لیتے ہو۔ تم ایک رکاوٹوں والی دوڑ شروع کر دیتے ہو۔ رکاوٹیں کہیں نہیں ہیں۔ انہیں تمہی نے کھڑا کیا ہے اور تمہی کہتے ہو'' جب تک ہم انہیں عبور نہیں کریں گے ہم رقص کیسے کرسکیں گے؟'' تم ہی اپنے سامنے کھڑے ہو' تم ہی اپنے دشمن ہو۔ دنیا بھر کے پرچارک مسلسل یہ کہے جا رہے ہیں کہ تم عام ہو' پس تم خوشی منانے کی جرأت کیسے کر سکتے ہو؟ تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ پہلے بدھ بنو' پہلے کرشن بنو' پہلے یسوع بنو اور پھر تم خوشی منا سکتے ہو۔

تاہم معاملہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ اگر تم رقص کر سکتے ہو' تو تم پہلے ہی سے بدھ ہو' اگر تم خوشی منا سکتے ہو تو تم پہلے ہی سے یسوع ہو۔ اگر تم مسرور ہو تو تم پہلے ہی سے کرشن ہو۔ اس کے برعکس سچ نہیں ہے۔ اس کے برعکس منطق جھوٹی ہے۔ یہ منطق کہتی ہے پہلے بدھ بنو' پھر تم خوشی منا سکتے ہو۔ تاہم تم خوشی منائے بغیر بدھ کس طرح بن سکتے ہو؟

میں تمہیں کہتا ہوں ''خوشی مناؤ' فراموش کردو ہر بدھ کو!'' تم خوشی مناتے ہوئے پاؤ گے کہ تم خود ایک بدھ بن گئے ہو۔

زین گرو کہتے ہیں ''بدھ ایک رکاوٹ ہے' اسے فراموش کردو۔'' بودھی دھرما اپنے چیلوں سے کہا کرتا تھا ''جب بھی تمہاری زبان پر بدھ کا نام آئے فوراً منہ دھوؤ۔ یہ گندا نام ہے۔ یہ لفظ ہی گندا ہے'' ۔۔۔ اور بودھی دھرما بدھ کا چیلا تھا۔ تاہم وہ درست کہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم بت بنانے پر قادر ہو' آدرش گھڑنے پر قادر ہو' صرف لفظ ''بدھ'' سے ہی۔ پھر تم جنموں جنم انتظار کرتے رہو گے کہ پہلے تم بدھ بنو گے اور تب ہی تم خوشی مناؤ گے۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

ایک زین گرو اپنے چیلوں سے کہا کرتا تھا ''اگر مراقبے کے دوران تمہارا سامنا بدھ سے ہو جائے تو فوراً اس کے دو ٹکڑے کر دینا! اسے ایک لمحے کی بھی مہلت نہ دینا' وگرنہ وہ تم پر غلبہ پالے گا اور رکاوٹ بن جائے گا''۔

اس کے ایک چیلے نے پوچھا ''جب میں مراقبہ کر رہا ہوں اور بدھ سامنے آجائے'' ۔۔۔ اور بدھ' بدھ مت کے پیروکاروں کے ہی سامنے آتا ہے' جیسے یسوع عیسائیوں ہی کے سامنے آتا ہے' حقیقی بدھ نہیں' وہ تو کہیں بھی نہیں پایا جاتا ۔۔۔ تو میں کس طرح اس کے دو ٹکڑے کر سکتا ہوں؟ میں تلوار کہاں سے لاؤں گا؟''

گرو نے کہا ''تم اپنا بدھ کہاں سے لاؤ گے ۔۔۔ تخیل سے۔ پس تلوار بھی وہیں سے لاؤ' بدھ کے دو ٹکڑے کرو اور آگے بڑھ جاؤ''۔

یاد رکھو کہ تمام آگاہ لوگوں کی تمام تر تعلیمات کو صرف ایک جملے میں سمویا جا سکتا ہے؛ اور وہ جملہ ہے: تم پہلے ہی سے وہ ہو' جو کہ تم ہو سکتے ہو۔

ہو سکتا ہے تمہیں اس حقیقت کو جاننے میں کئی جنم لگ جائیں۔ یہ تم پر ہے۔ تاہم اگر تم چوکس ہو تو ایک لحہ بھی ضائع نہ کرو۔ تم پہلے ہی وہ ہو' ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ بننے کی کوشش ہی وہم ہے' گمان ہے۔

تم ہو' تم نے ہونا نہیں ہے۔ تاہم پرچارک تمہیں کہتے ہیں کہ تم عام ہو۔ وہ تمہارے اندر غیر معمولی بننے کی ایک خواہش پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ تمہیں کمتری کا احساس

دلاتے ہیں اور تم میں برتر بننے کی خواہش ابھارتے ہیں۔ وہ تم میں کمتری کی الجھن پیدا کرتے ہیں اور پھر تم ان کی گرفت میں ہوتے ہو۔ پھر وہ تمہیں تعلیم دیتے ہیں کہ برتر کیسے ہوا جاتا ہے۔ پہلے وہ تمہاری تحقیر و تذلیل کرتے ہیں' تم میں خطا کا احساس ابھارتے ہیں اور پھر وہ تمہیں نیک بننے کا راستہ دکھاتے ہیں۔

تم حقیقتاً میرے ساتھ مشکل میں ہو کیونکہ تمہارا ذہن یہی پسند کرتا ہے ۔۔۔ اور اس سے تمہیں مہلت ملتی ہے۔ میں تمہیں مہلت نہیں دیتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم پہلے ہی وہ ہو۔ ہر شے تیار ہے۔ جشن کا آغاز کرو۔ تمہارا ذہن کہتا ہے ''مگر مجھے تو تیار ہونا ہے' تھوڑا وقت درکار ہے۔'' اسی وجہ سے اس التوا میں پرچارک آجاتے ہیں۔ اس خلا سے وہ تمہاری ہستی میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمہیں برباد کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''ہاں' وقت درکار ہے۔ تم ابھی خوشی کیسے منا سکتے ہو؟ تیاری کرو' اپنی تربیت کرو۔ بہت سی چیزیں ترک کرنی ہیں۔ بہت سی چیزوں کو بہتر بنانا ہے۔ تمہیں طویل تربیت اور ڈسپلن کی ضرورت ہے۔ اس میں طویل تربیت اور ڈسپلن کے ساتھ کئی جنم لگ سکتے ہیں۔ اس میں کئی جنم لگ سکتے ہیں اور صرف تبھی تم خوشی منانے کے اہل ہو گے۔ ابھی تم جشن کیسے منا سکتے ہو؟''

تمہیں ان کی باتیں درست لگتی ہیں کیونکہ اس طرح تم آرام کر سکتے ہو اور تم کہہ سکتے ہو' ''ٹھیک ہے' پس اگر اس میں طویل عرصہ لگتا ہے تو ابھی کوئی مسئلہ نہیں ہے' ہم جو کچھ کر رہے ہیں اسے جاری رکھ سکتے ہیں۔'' مستقبل میں کسی روز' کسی سنہرے کل' ایک قوسِ قزح جیسی شے ۔۔۔ جب وہ حاصل ہو جائے گی تو تم رقص کرو گے۔

اس دوران تم مصیبت زدہ ہو سکتے ہو' اس دوران تم اپنے آپ کو اذیت دینے سے لطف اندوز ہو سکتے ہو ۔۔۔ یہ تم پر ہے۔ اگر تم مصیبت زدگی کا فیصلہ کر لو تو اس کے گرد بہت زیادہ فلسفے گھڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بس اتنا کہہ سکتے ہو۔ میں مصیبت سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یہ امر حقیقتاً حیران کن ہے کہ کوئی کبھی نہیں پوچھتا ''میں ٹھیک ابھی مصیبت زدہ کیسے ہو سکتا ہوں؟ ایک ڈسپلن ضروری ہے' تربیت ضروری ہے۔ میں پتانجلیوں کے پاس جاؤں گا اور عظیم گروؤں سے پوچھوں گا اور تب میں مصیبت زدہ ہونا سیکھوں گا۔'' ایسا لگتا ہے کہ مصیبت زدہ ہونے کے لیے تربیت ضروری ہے۔ تم مصیبت زدہ ہونے کے

لیے پیدا ہوئے ہو۔ تاہم سوال یہ ہے کہ پھر خوشی کے لیے تربیت کیوں ضروری ہے؟ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اگر تم تربیت کے بغیر مصیبت زدہ ہو سکتے ہو تو تم تربیت کے بغیر ہی خوش بھی ہو سکتے ہو۔ فطری بنو' ڈھیلے ڈھالے ہو جاؤ اور اشیاء کو محسوس کرو۔ انتظار مت کرو۔۔۔ آغاز کر دو۔ اگر تم یہ بھی محسوس کرتے ہو کہ تمہیں ناچنے کا طریقہ نہیں آتا ہے تب بھی ناچنا شروع کر دو۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم رقص کا فن جان لو گے۔ فن کے لیے تربیت ضروری ہو سکتی ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ناچنا محض ایک رویہ ہے۔ درست ناچنا نہ جاننے کے باوجود تم ناچ سکتے ہو۔ اگر تم ناچ سکتے ہو تو پھر درست طریقے کی پروا کسے ہے۔۔۔ خود ناچ ہی کافی ہے۔ یہ تمہاری توانائی کا چھلکاؤ ہے۔ اگر یہ خود سے فن بن جائے تو ٹھیک ہے' اگر نہیں بنتا تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ یہ جو ہے' کافی ہے' کافی سے زیادہ ہے۔ کسی شے کی ضرورت نہیں۔

مجھ سے یہ مت کہو کہ ''تم شعور کے عروج پر ہو۔'' تم جہاں کا سوچتے ہو وہیں ہوتے ہو۔ تمہاری وادی تمہارے خوابوں میں ہے۔ تمہاری تاریکی اس لیے ہے کیونکہ تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ وگرنہ تم وہیں ہو جہاں میں ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ تم وادی میں ہو اور میں چوٹی پر ہوں۔ میں چوٹی پر ہوں اور تم بھی چوٹی پر ہو۔ تاہم تم وادی کا خواب دیکھ رہے ہو۔ میں پونا میں رہتا ہوں تم بھی پونا میں رہتے ہو۔ تاہم جب تم سو جاتے ہو تو تم لندن اور نیویارک اور کلکتہ کے خواب دیکھنے لگتے ہو اور تم ہزاروں مقامات کی سیر کرتے ہو۔ میں کہیں نہیں جاتا۔ میں نیند میں پونا میں ہوتا ہوں۔ تاہم تم آوارگی کرتے ہو۔ تم بھی اس چوٹی پر ہو جس پر میں ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں بند ہیں۔

تم کہتے ہو' ''بہت اندھیرا ہے۔'' میں روشنی کی بات کرتا ہوں اور تم کہتے ہو' ''ہم ضرور کسی وادی میں ہوں گے۔ ہم عام لوگ ہیں' تاریکی میں جی رہے ہیں۔'' تاہم میں دیکھ سکتا ہوں کہ تم اس چوٹی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہیں جھنجھوڑ کر نیند سے جگانا پڑے گا۔ تب تم دیکھو گے کہ وادی کبھی موجود تھی ہی نہیں۔ تاریکی نہیں تھی صرف تمہاری آنکھیں بند تھیں۔

زین گرو ٹھیک کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایک ڈنڈا ہوتا ہے اور وہ اپنے چیلوں کو پیٹتے ہیں۔ ایسا کئی مرتبہ ہو چکا ہے کہ جب ڈنڈا چیلے کے سر پر پڑتا ہے تو وہ آنکھیں کھول دیتا ہے اور ہنسنے لگتا ہے۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ بھی اسی چوٹی پر ہے۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا خواب تھا۔

چوکس ہو جاؤ اور اگر تم چوکس ہونا چاہتے ہو تو خوشی منانا نہایت فائدہ مند ہو گا۔ جب میں کہتا ہوں ''خوشی منانا'' تو اس سے میں کیا مراد لیتا ہوں؟ میرے کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم جو کچھ بھی کر سکتے ہو اسے فریضہ سمجھ کر مت کرو۔ اسے محبت سے کرو' اسے بوجھ مت سمجھو' اسے ایک خوشی سمجھو۔ تم کھانا یوں کھا سکتے ہو جیسے یہ کوئی فریضہ ہو۔۔۔ چہرا اترا ہوا' سست' مردہ' بے حس! تم کھانے کا مزہ لیے بغیر اسے اپنے اندر پھینک سکتے ہو۔۔۔ اس کا کوئی احساس کیے بغیر کہ کھانا زندگی ہے۔ تم اس کے وسیلے جیتے ہو' اس سے اتنی بے حسی مت برتو' ہندوستانی کہتے ہیں:

''انّم برہمن''۔۔۔ کھانا برہمن ہے۔ یہ خوشی ہے۔ تم برہمن کو کھا رہے ہو' تم کھانے کے وسیلے بھگوان کو کھا رہے ہو۔۔۔ کیونکہ صرف بھگوان ہی تو وجود رکھتا ہے۔ جب تم نہا رہے ہو تو بھگوان نہا رہا ہوتا ہے۔۔۔ کیونکہ صرف بھگوان ہی تو وجود رکھتا ہے۔ جب تم صبح کی سیر کو جاتے ہو تو بھگوان سیر کر رہا ہوتا ہے اور صبح کی ہوا بھی بھگوان ہے اور درخت بھی بھگوان ہیں۔۔۔ ہر شے الوہی ہے۔ تمہارا چہرا کیسا اترا ہوا رہ سکتا ہے' مردہ اور بے رنگ ہو سکتا ہے؟ تم کیسے اس طرح جی سکتے ہو جیسے کوئی بوجھ اٹھا رکھا ہو؟

جب میں کہتا ہوں' خوشی مناؤ تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شے کے لیے زیادہ سے زیادہ حساس بن جاؤ۔ رقص کو زندگی سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔ کُل زندگی کو رقص بن جانا چاہیے' اسے ایک رقص بننا چاہیے۔ تم سیر کو جاؤ اور رقصاں ہو سکتے ہو۔

زندگی کو اپنے میں آنے دو۔ زیادہ سے زیادہ کشادہ ہو جاؤ۔ زیادہ محسوس کرو۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں۔۔۔ بے پناہ زیادہ تجربے سے بھری ہوئی ہیں۔۔۔ ہر طرف موجود ہیں۔ کسی چھوٹے بچے کو دیکھو۔ اسے باغ میں چھوڑ دو اور اس کا مشاہدہ کرو۔ تمہارا انداز بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔ انتہائی شاندار' تحیر سے بھرا ہوا۔ تتلی کو پکڑنے کے لیے دوڑتے

ہوئے' اس پھول کو پکڑنے کے لیے دوڑتے ہوئے' کیچڑ سے کھیلتے ہوئے' زمین پر لوٹتے ہوئے ہر طرف سے الوہیت بچے کو چھو رہی ہے۔

اگر تم تحیر میں جی سکو تو تم خوشی منانے پر قادر ہو گے۔ علم میں مت جیو' تحیر میں جیو۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ زندگی ایک حیرت ہے' ہر طرف۔ یہ ایک مسلسل حیرت ہے۔ اسے حیرت کی طرح جیو۔ ایک ناقابل پیش گوئی مظہر۔ ہر لمحہ نیا ہے۔ ذرا کوشش تو کرو' اگر تم ایک کوشش کرو گے تو کچھ گنواؤ گے نہیں۔ ہوسکتا ہے تمہیں سب کچھ مل جائے۔ تاہم تم تو مصیبت کے نشئی بن چکے ہو۔ تم اپنی مصیبت سے یوں چمٹے ہوئے جیسے یہ کوئی بہت قیمتی شے ہو۔ ذرا اپنے چمٹنے کو تو دیکھو۔

جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اذیت دے کر خوش ہونے والے اور اذیت سہہ کر خوش ہونے والے۔۔۔ سادیت پسند اور مساکیت پسند۔

سادیت پسند دوسروں کو اذیت دیئے جا رہے ہیں۔ مساکیت پسند اپنے آپ کو اذیت دیئے جا رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا تھا'' 'لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں' دوسروں کو یا خود کو اذیت کیوں دیتے ہیں؟ زندگی میں اتنی جارحیت اور تشدد کیوں ہے؟''

یہ ایک منفی حالت ہے۔ تم اس لیے اذیت دیتے ہو کیونکہ تم لطف اندوز ہونے سے قاصر ہو۔ تم اذیت دیتے ہو' تم متشدد بن جاتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم محبت نہیں کر سکتے ہو۔ تم سفاک بن جاتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مہربان و مشفق نہیں بن سکتے۔ یہ ایک منفی حالت ہے۔ ایک ہی توانائی جو سفاکی بن جاتی ہے اور رحم بھی بن جاتی ہے۔ نیند میں یہی توانائی تشدد بن جاتی ہے۔۔۔ یا اپنے پر تشدد یا دوسروں پر۔ جب تم جاگتے ہو تو وہی توانائی محبت بن جاتی ہے۔۔۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ زندگی تمہیں ایک موقعہ دیتی ہے تاہم غلطی کا ارتکاب کرنے کی ہزاروں وجوہات ہوتی ہیں۔

کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مصیبت میں ہو تو تم ہمدردی کا اظہار کرتے ہو تم بہت محبت محسوس کرتے ہو؟ یہ محبت کی صحیح قسم ہے' تاہم تم ہمدردی کا اظہار کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص خوش ہے تو تم حسد محسوس کرتے ہو' تمہیں برا لگتا ہے۔ کسی خوش آدمی کے لیے ہمدردی محسوس کرنا بہت مشکل ہے۔ کسی خوش آدمی کے لیے اچھا محسوس کرنا بہت مشکل

ہے۔ جب کوئی ناخوش ہوتا ہے تو تمہیں برا محسوس ہوتا ہے۔ کم از کم تم یہ تو سوچ سکتے ہو کہ تم اتنے ناخوش نہیں ہو۔ تمہیں بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ تم ہمدردی کا اظہار کرتے ہو۔

بچہ جنم لیتا ہے اور سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جلد یا بدیر وہ جان لیتا ہے کہ جب وہ ناخوش ہوتا ہے تو سارا خاندان اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ مرکز بن جاتا ہے اور سارا خاندان اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ ہر کوئی اس کے لیے محبت محسوس کرتا ہے۔ جب وہ خوش اور صحت مند ہوتا ہے تو کوئی اس کی پروا نہیں کرتا۔ اگر بچہ چھلانگیں لگا رہا ہو اور ناچ رہا ہو تو ہر شخص بے پروا سا ہوتا ہے۔ اگر بچہ بیمار پڑا ہو تو سارا خاندان اس سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ بچہ سیکھ جاتا ہے کہ بیمار ہونا' مصیبت زدہ ہونا اچھا ہے۔ خوش ہونا اور ناچنا اور چھلانگیں لگانا برا ہے۔ وہ سیکھ رہا ہوتا ہے اور تم نے اسی طرح سیکھا ہوا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جب بچہ خوش ہو' چھلانگیں لگا رہا ہو تو سارے خاندان کو بچے کے ساتھ خوش ہونا اور چھلانگیں لگانا چاہیے۔ جب بچہ بیمار ہو تو اس کی دیکھ بھال تو کی جانی چاہیے لیکن اس سے ہمدردی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھ بھال ٹھیک ہے' ہمدردی ٹھیک نہیں ہے۔ لاپروائی برتنا بظاہر مشکل لگتا ہے۔ بچہ بیمار ہے اور تم لاپروائی برت رہے ہو۔ اس کی دیکھ بھال کرو۔ اسے دوا دو لیکن لاپروا رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نہایت لطیف معاملہ جاری ہے۔ اگر تم محبت اور ہمدردی کا اظہار کرو گے تو تم بچے کو ہمیشہ کے لیے تباہ کر دو گے۔ اب وہ مصیبت سے چمٹا رہنا چاہے گا۔ مصیبت بیش قدر بن جائے گی۔

جب وہ اچھلتا کودتا ہے' ناچتا ہے' کلکاریاں مارتا ہے تو ہر کوئی لاپروا رہتا ہے۔ اس لمحے خوشی مناؤ' اس کا ساتھ دو۔ یوں ساری دنیا مختلف ہو گی۔

تاہم آج تک معاشرہ غلط خطوط پر چلتا رہا ہے۔ اسی لیے تم مصیبت سے چمٹے رہتے ہو۔ تم نے مجھ سے پوچھا ہے'' ہم جیسے عام لوگوں کے لیے عین اسی وقت خوشی منانا کیسے ممکن ہے؟'' یہ ناممکن نہیں ہے۔ کسی شخص نے تمہیں خوشی منانے کی اجازت کبھی نہیں دی۔ تمہارے والدین تمہارے ذہن میں موجود ہیں۔ تمہاری موت تک تمہارے ماں باپ تمہارے پیچھے پیچھے رہتے ہیں۔ وہ مسلسل تمہارے پیچھے ہیں۔ حالانکہ وہ مر چکے ہیں۔ والدین نہایت تخریبی ہو سکتے ہیں۔ آج تک تو وہ تخریبی ہی رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا

کہ تمہارے والدین ذمہ دار ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے ان کے والدین نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ سارا ڈھانچہ ہی غلط ہے۔ نفسیات غلط ہے۔ اس کی وجوہات بھی ہیں۔ اسی لیے تو ایک غلط عمل کو تسلسل ملا ہوا ہے اور اسے روکا نہیں جا سکتا۔ یہ ناممکن لگتا ہے۔

بلاشبہ اس کی وجوہات ہیں۔ باپ کے پاس اپنی وجوہات ہیں۔ ممکن ہے وہ اخبار پڑھ رہا ہو اور بچہ اچھل کود کر رہا ہو اور شور مچا رہا ہو اور ہنس رہا ہو۔ تاہم باپ کو زیادہ سمجھ دار ہونا چاہیے۔ اخبار بے قیمت ہے۔ تم خاموشی سے اسے پڑھ بھی لو تو کیا پا لو گے؟ اخبار کو پرے پھینک دو۔ تاہم باپ سیاست میں ہے' کاروبار میں ہے اور اسے حالات سے واقف رہنا ہے۔ وہ آگے بڑھنے کا جنون رکھتا ہے اور اخبار اس جنون کا جزو ہے۔ اگر انسان کو کچھ مقاصد حاصل کرنا ہوں تو اسے دنیا سے آگاہ رہنا پڑتا ہے۔ اسی لیے بچہ اس وقت خلل انداز محسوس ہونے لگتا ہے۔

ماں کھانا پکا رہی ہے اور بچہ مسلسل سوال پوچھ رہا ہے اور اچھل کود کر رہا ہے۔ وہ اسے نظر انداز کر دیتی ہے۔ میں جانتا ہوں مسئلے ہیں۔ ماں نے کھانا پکانا ہے' تاہم بچے کو پہلی ترجیح دی جانی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے ہی نے تو کل جہان بننا ہے' بچے ہی تو آنے والا کل بنے گا۔ بچہ ہی تو آئندہ نوعِ انسان ہے۔ اسے اول ہونا چاہیے' ترجیح اسے دی جانی چاہیے۔ اخبارات بعد میں پڑھے جا سکتے ہیں اور اگر انہیں پڑھا نہ بھی جائے تو تم کوئی زیادہ نقصان نہیں اٹھاؤ گے۔ یہی فضول عمل ہر روز ہوتا ہے۔ جگہیں بدلتی ہیں' نام بدلتے ہیں لیکن یہی فضول عمل جاری رہتا ہے۔ اخبارات تو بے کار ہوتے ہیں۔ کھانا ذرا دیر سے پکایا جا سکتا ہے تاہم بچے کے تحیر کو تاخیر میں نہیں ڈالنا چاہیے' اسے ملتوی نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت وہ موڈ میں ہے اور موڈ دوبارہ نہیں طاری ہوتا ہے۔ عین اس وقت وہ گرم ہے اور کچھ ممکن ہے۔

لیکن کیا تم ماؤں کو اپنے بچوں کے ساتھ ناچتے' اچھلتے کودتے' فرش پر لوٹتے دیکھتے ہو؟ نہیں۔ مائیں تو سنجیدہ ہستیاں ہوتی ہیں۔ باپ تو بہت ہی سنجیدہ ہوتے ہیں' انہوں نے ساری دنیا کو اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ جبکہ بچہ بالکل مختلف دنیا میں رہتا ہے۔ تم اسے اپنا اداس' مصیبت زدہ طرز زندگی اپنانے پر مجبور کرتے ہو۔ حالانکہ وہ ایک بچے

کے طور پر پروان چڑھ سکتا ہے۔ وہ اپنی صفات برقرار رکھ سکتا ہے۔ حیرت کی صفت اور لمحۂ موجود میں ہونے کی صفت۔

میں اسے حقیقی انقلاب کہتا ہوں۔ کوئی اور انقلاب انسان کی مدد نہیں کرنے والا۔ انقلابِ فرانس' روس' چین۔۔۔ کوئی انقلاب انسان کی مدد نہیں کرنے والا۔ ان انقلابوں نے کوئی مدد کی بھی نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ والدین اور بچے کے درمیان تعلق ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے اور یہی سبب ہے۔ تم ایک کمیونسٹ دنیا تخلیق کر سکتے ہو۔ تاہم وہ سرمایہ دارانہ دنیا سے بہت مختلف نہیں ہو گی۔ صرف سطح پر لیبل مختلف ہوں گے۔ تم سوشلسٹ دنیا تخلیق کر سکتے ہو۔ تم گاندھی کے نظریات کی حامل دنیا تخلیق کر سکتے ہو لیکن وہ زیادہ مختلف نہیں ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی انقلاب والدین اور بچے کے درمیان آنا چاہیے۔ اگر ایسا انقلاب نہیں آئے گا تو دنیا ایسی ہی رہے گی۔

جب میں ایسا کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں تمہیں مصیبت زدہ رہنے کا ایک بہانہ فراہم کر رہا ہوں۔ میں تو تم پر اسے واضح کر رہا ہوں تاکہ تم آگاہ ہو جاؤ۔ پس دل ہی دل میں یہ مت کہو" اب کیا کیا جا سکتا ہے؟" میں تو پہلے ہی چالیس یا پچاس یا ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں۔ میرے والدین مر چکے ہیں اور اگر وہ زندہ بھی ہوں تو میں ماضی کو تو تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ تو گزر چکا ہے پس میں جیسا ہوں مجھے ویسا ہی رہنا ہو گا۔"

نہیں' اگر تم مسئلے کو سمجھ جاؤ گے تو اس سے چھٹکارہ پا لو گے۔ اس سے چمٹے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم دوبارہ بچے بن سکتے ہو۔

یسوع نے درست کہا تھا" صرف چھوٹے بچوں جیسے لوگ خداوند کی بادشاہت میں داخل ہو سکیں گے۔" بالکل درست' صرف وہی لوگ جو چھوٹے بچوں جیسے ہیں۔۔۔

یہ ہے انقلاب' ہر شخص کو چھوٹے بچے جیسا بنانا۔ ہو سکتا ہے جسم پروان چڑھ جائے تاہم شعور کی کیفیت معصومانہ' بچے جیسی رہنی چاہیے۔

تم پہلے ہی سے وہاں ہو جہاں تمہیں ہونا چاہیے۔ تم پہلے ہی سے اس مقام پر ہو جسے تم تلاش کر رہے ہو۔ فقط اک ذرا کوشش کرو مصیبت سے چمٹے رہنے کی عادت کو ترک کرنے کی۔ مصیبت کو بڑھاؤ مت' خوشی کو بڑھاؤ۔ تم زندگی کی طرف ایک قدم بڑھو گے تو

زندگی تمہاری طرف ایک ہزار قدم بڑھے گی۔ مصیبت سے چمٹے رہنے کی عادت سے نکلنے کے لیے صرف ایک قدم اٹھاؤ۔ ذہن تمہیں پیچھے کھینچتا رہے گا۔ ذہن سے بے تعلق ہو جاؤ اور اس سے کہو'' رکو' میں نے تمہارے ساتھ بہت جی لیا۔ اب مجھے ذہن کے بغیر جینے دو۔''

بچہ ایسا ہی تو ہوتا ہے' ذہن کے بغیر جینے والا۔

آپ سنجیدگی کے مخالف ہیں ۔۔۔

'' آپ سنجیدگی کے خلاف ہیں۔ آپ ہر شے کی ہنسی اڑا چکے ہیں بھگوان کی' مذہبی لوگوں کی اور پستکوں کی۔ آپ کا کیا خیال ہے لوگوں کو آپ کی تعلیمات کو سنجیدگی سے لینا چاہیے؟''

کس نے تمہیں کہا ہے کہ میں لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری تعلیمات کو سنجیدگی سے لیں؟ میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے سنجیدگی سے نہیں بلکہ خوشی سے لیا جائے۔

تمہاری ہنسی' تمہاری کھلکھلاہٹ اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ تم مجھے سمجھ چکے ہو۔ تمہاری سنجیدگی ظاہر کرتی ہے کہ تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنجیدگی سوائے بیماری کے اور کچھ نہیں۔ یہ اداسی کا دوسرا نام ہے۔ یہ موت کا سایہ ہے جبکہ میں تو سارے کا سارا زندگی کے لیے ہوں۔

اگر تمہارے خوش ہونے کے لیے تمہارے رقصاں ہونے کے لیے مجھے رد کرنا ضروری ہے تو مجھے رد کر دو۔۔۔ لیکن رقص کو اور نغمے کو اور زندگی کو رد نہ کرنا۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی میری تعلیمات ہیں۔

تمہیں مجھ کو سنجیدگی سے لینا ہی کیوں چاہیے؟ اور اسی لیے میں کسی کو سنجیدگی سے نہیں لیتا ہوں تم ابھی تک نہیں سمجھے کہ میں اسی لیے کسی کو بھی سنجیدہ نہیں لے رہا ہوں تا کہ تم پر

واضح ہوجائے کہ تم مجھے بھی سنجیدگی سے مت لو۔ مجھ پر ہنسو، مجھ سے لطف لو، مجھ میں خوشی مناؤ۔۔۔لیکن بھگوان کا واسطہ ہے سنجیدہ مت ہونا۔

سنجیدگی نے نوعِ انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ یہ روح کا سرطان ثابت ہو چکی ہے۔

انسانی ارتقا میں میرا حصہ صرف حسِ مزاح ہے۔ کوئی دوسرا دھرم، کوئی دوسرا فلسفہ ایسا نہیں ہے، جس نے مزاح کو مذہبی شے قرار دیا ہو۔ وہ تو اسے برا سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک مزاح زندگی کا سب سے مقدس تجربہ ہے۔

اس کو ثابت کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ سوائے انسان کے، پوری ہستی میں کوئی حیوان ایسا نہیں ہے جو حسِ مزاح کا حامل ہو۔ کیا تم کسی بھینس سے ہنسنے کی توقع کر سکتے ہو؟ کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ گدھا حسِ مزاح کا حامل ہو؟ جس لمحے تمہارے پنڈت سنجیدگی اپناتے ہیں، وہ بھینسوں اور گدھوں کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں، وہ انسان نہیں رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واحد ایسی صفت ہے کہ انسانی شعور ہی جس کا حامل ہے۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقا کے ایک خاص مرحلے پر ہی مزاح اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور جتنا اوپر تم جاؤ گے زندگی اور اس کے مسائل کے حوالے سے تمہاری سوچ اتنی ہی زیادہ کھلنڈری ہوگی۔ یہ مسئلے بوجھ نہیں ہوں گے بلکہ انہیں حل کرنا ایک مسرت بخش عمل ہوگا۔ زندگی گناہ نہیں رہے گی۔۔۔ یہ تو سنجیدہ لوگوں نے زندگی کو گناہ بنا رکھا ہے۔۔۔ زندگی ایک انعام، ایک تحفہ ہوگی اور جو لوگ زندگی کو سنجیدگی میں ضائع کر رہے ہیں وہ ہستی کے احسان فراموش ہیں۔

پھولوں اور ستاروں کے ساتھ ہنسنا سیکھو اور تم پاؤ گے کہ تمہاری ہستی میں ایک انوکھی بے وزنی آ رہی ہے۔۔۔ جیسے کہ تمہارے پر اگ آئے ہوں اور تم پرواز کر سکتے ہو۔

12

مشرق مشرق ہے

❖.... شمار کرنے والا دماغ صحرا جیسا ہے جبکہ شمار نہ کرنے والا دماغ باغ جیسا ہے۔

❖.... میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس نے اپنی ٹیم کو ہارتا دیکھ کر ٹیلی ویژن توڑ دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا ''کیا تم پاگل خانے جانے کو تیار ہو؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ فٹ بال بچوں کے لیے ہونی چاہیے۔ تم اس عمر سے بہت پہلے گزر چکے ہو لیکن ذہنی طور پر تمہاری عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ تم نے اپنے ٹیلی ویژن کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس سے مجھے شبہ ہو گیا ہے کہ تم پاگل ہو۔''

❖.... کوئی شخص فلم میں محبت کرتا ہے، کوئی شخص باکسنگ میچوں میں لڑتا ہے، کوئی شخص فٹ بال کھیلتا ہے اور تم ان لوگوں کی جگہ خود کو تصور کر رہے ہوتے ہو۔

مشرق اور مغرب

مغرب مردانہ ذہن کی ترجمانی کرتا ہے' جارحانہ ذہانت کی' مشرق نسائی ذہن کی ترجمانی کرتا ہے' موصولی وجدان کی۔ مشرق اور مغرب میں تقسیم بڑی گہری اور نہایت خاص ہے۔

اور تمہیں رڈیارڈ کپلنگ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے جو کہا ہے وہ بہت اہم اور بامعنی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مشرق اور مغرب کبھی نہیں ملیں گے۔ اس بات میں سچائی ہے کیونکہ مشرق و مغرب کا ملنا ناممکن لگتا ہے۔ دونوں کے طرزِ عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مغرب جارحیت پسند ہے' سائنٹیفک ہے' فطرت کو تسخیر کرنے پر تیار ہے۔ مشرق غیر جارحیت پسند ہے' موصولی ہے' فطرت سے تسخیر ہونے کے لیے تیار ہے۔ مغرب جاننے کو بے قرار ہے۔ مشرق صابر ہے۔ مغرب زندگی اور ہستی کے اسرار میں اترنے کے لیے ہر قدم اٹھاتا ہے۔ وہ دروازے غیر مقفل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ مشرق گہرے بھروسے کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔ ''جب میں اس قابل ہوں گا۔'' سچ مجھ پر خود کو منکشف کر دے گا۔

مغرب ذہن کا ارتکاز ہے' مشرق لافکر ہے۔ مغرب ذہن ہے' مشرق لاذہن ہے۔ منطقی اعتبار سے کپلنگ کا قول درست لگتا ہے کہ مشرق اور مغرب کا ملنا ناممکن ہے اور ''مشرق'' اور ''مغرب'' صرف کرۂ ارض کے دو حصوں کے ہی نام نہیں ہیں۔ یہ تو تمہارے ذہن کی بھی ترجمانی کرتے ہیں' تمہارے دماغ کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ تمہارا دماغ

بھی کرۂ ارض کی طرح دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔تمہارا دماغ بھی ایک مشرق اور ایک مغرب کا حامل ہے۔تمہارے دماغ کا بایاں حصہ مغرب ہے۔ یہ دائیں ہاتھ سے منسلک ہے۔ تمہارے دماغ کا دایاں حصہ مشرق ہے۔ یہ تمہارے بائیں ہاتھ سے منسلک ہے۔ مغرب دائیں بازو والا (Rightist) ہے اور مشرق بائیں بازو والا (Leftist)۔ دونوں کے عمل بھی مختلف ہوتے ہیں۔

تمہارے دماغ کا بایاں حصہ گنتا ہے' سوچتا ہے' منطقی ہے۔تمام سائنس اسی کی پیداوار ہے۔تمہارے دماغ کا دایاں حصہ شاعر ہے' صوفی ہے۔ یہ وجدانی ہے' یہ محسوس کرتا ہے۔ یہ ابر آلود ہے' دھندلا ہے۔کوئی شے واضح نہیں ہے۔ ہر شے ایک قسم کے انتشار میں ہے۔تاہم یہ انتشار ایک حسن رکھتا ہے۔اس انتشار میں عظیم شاعری ہے۔اس انتشار میں عظیم نغمہ ہے۔

شمار کرنے والا دماغ صحرا جیسا ہے جبکہ شمار نہ کرنے والا دماغ باغ جیسا ہے۔ یہاں پرندے چہچہاتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں۔۔۔ یہ ایک بالکل مختلف دنیا ہے۔

میں مشرق اور مغرب کے ایک عظیم امتزاج کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں سائنس اور دھرم' ذہانت اور وجدان' مردانہ ذہن اور نسائی ذہن' سر اور دل' دائیں اور بائیں کے امتزاج کے لیے کوشاں ہوں۔ میں ہر ممکن طریقے سے کوشش کر رہا ہوں کہ ایک عظیم آہنگ کو تخلیق کیا جائے کیونکہ صرف یہ آہنگ ہی تمہیں نیا جنم دے سکتا ہے۔

خاموشی' خوشی اور زندگی

''مغرب میں خوشی کا مفہوم لیا جاتا ہے کہ شور مچایا جائے' اونچی آواز میں موسیقی سنی جائے' فلمیں دیکھی جائیں' تمبا کو نوشی کی جائے' جنسی عمل کیا جائے اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے ذریعے توانائی خارج کی جائے۔ خاموشی اور سکوت کو اکتاہٹ سے جوڑا جاتا ہے۔ انہیں توانائی کے غیر ضروری اضافے سے جوڑا جاتا ہے کہ جس کا نتیجہ ٹینشن اور اضطراب ہوتا ہے۔ کیا آپ خاموشی اور خوشی اور زندگی کے بارے میں کچھ بیان کر سکتے ہیں؟''

تم نے جو سوال پوچھا ہے' اس میں کئی الجھاؤ ہیں۔ یہ ایک سوال نہیں ہے۔ یہ کئی اہم سوالوں پر مبنی سوال ہے۔ میں اس سوال کے ہر پہلو پر بات کروں گا۔ صرف تبھی تمہارے لیے جواب کا پانا ممکن ہے۔

یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ انسان دو دنیاؤں کا حامل ہے۔ ایک جو اسے باہر لے جاتی ہے اور دوسری جو اسے اندر لے جاتی ہے۔ انسان' ثنویت ہے۔۔۔ وہ ایک روح اور ایک جسم ہے۔ اس حیران کن ثنویت کی وجہ سے ہی دنیا کے سارے مسئلوں نے جنم لیا ہے۔ یہ ثنویت سادہ نہیں ہے۔ میں اسے ''گیسٹالٹ ثنویت'' کہتا ہوں۔ گیسٹالٹ ثنویت میں تم دونوں دنیاؤں کو اکٹھا نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تم ایک کو دیکھنے کا انتخاب کرتے ہو تو تمہیں دوسری کو فراموش کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے میں تمہیں بچوں کی کتاب میں بنی ہوئی

ایک تصویر کا حوالہ دے سکتا ہو جو کہ سادہ سی لکیروں سے بنی ہوتی ہے۔ اس تصویر میں یا تو تم بوڑھی عورت کو دیکھ سکتے ہو یا نوجوان عورت کو۔ انہیں الگ الگ دیکھ سکتے ہو۔ اگر تم بوڑھی عورت کو تکتے رہو گے تو اچانک تم ایک انوکھی تبدیلی پاؤ گے۔ بوڑھی عورت غائب ہو گئی ہو گی اور ایک خوبصورت نوجوان لڑکی تمہارے سامنے ہو گی۔

چونکہ نظریں کسی طرف بھی مسلسل نہیں جمی رہ سکتیں۔ آنکھیں متحرک رہتی ہیں۔ آنکھیں ایک ہی شے کو تکتی نہیں رہتیں، وہ ہمیشہ کسی نئی شے کی متلاشی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اگر تم نوجوان لڑکی کی تصویر کو تکتے رہو گے تو وہ غائب ہو جائے گی اور دوبارہ بوڑھی عورت دکھائی دینے لگے گی۔ وہ دونوں یکساں لکیروں سے بنی ہوئی ہوتی ہیں لیکن تم انہیں اکٹھے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ ناممکن ہے۔ چونکہ اگر تم نوجوان لڑکی کو دیکھ رہے ہو تو تم بوڑھی عورت کو بنانے والی لکیریں کہاں پاؤ گے؟ اگر تم بوڑھی عورت کو دیکھ رہے ہو تو تمہارے پاس نوجوان عورت کو بنانے کے لیے اضافی لکیریں نہیں ہوتیں۔ تم ہر ایک کو الگ الگ دیکھ سکتے ہو۔ تم انہیں کبھی ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔ گیسٹالٹ ثنویت' اور یہی انسان کی حقیقت ہے۔

مشرق انسان کو صرف روح تصور کرتا ہے، شعور تصور کرتا ہے، ایک داخلیت پسند ہستی تصور کرتا ہے، چونکہ اس نے ایک گیسٹالٹ کو چن لیا ہے لہٰذا اسے دوسرے گیسٹالٹ کو رد کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے مشرق میں صدیوں سے روحانیت والے لوگ دنیا کی حقیقت سے انکار کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف خواب ہے، مایا ہے، وہم ہے۔ یہ اسی مادے سے بنی ہے جس سے خواب بنے ہوتے ہیں۔۔۔ یہ حقیقت میں نہیں ہے، یہ صرف سراب ہے، صرف ظاہر ہے۔ مشرق نے خارج کو رد کر دیا ہے۔۔۔ اسے گیسٹالٹ ثنویت داخلی تقاضے کے تحت خارج کا انکار کرنا ہی تھا۔

مغرب نے خارجی دنیا کو چن لیا۔ اسے داخلی دنیا کو رد کرنا پڑا۔ انسان صرف جسم ہے۔ وہ فزیالوجی، حیاتیات، کیمیا ہے، شعور نہیں ہے، روح نہیں ہے۔ روح صرف ایک مفروضہ ہے۔ چونکہ صرف خارج ہی کو حقیقی تصور کیا جاتا ہے اس لیے سائنس کا مغرب میں ہی ارتقا پانا ممکن تھا۔۔۔ ٹیکنالوجی، ہزاروں آلات۔ چاند پر اور تمہیں گھیرے ہوئے وسیع وعریض کائنات میں کسی بھی جگہ پہنچنے کے امکانات۔ تاہم اس سب کچھ کو جاننے کے باوجود مغربی ذہن میں ایک گہرا خالی پن رہا ہے، کسی شے کی کمی سی رہی ہے۔

مغربی منطق کے لیے اس امر کی نشان دہی کرنا مشکل ہے کہ کمی کس شے کی ہے۔ تاہم یہ بات مطلقاً یقینی ہے کہ کسی شے کی کمی سی ہے۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے لیکن میز بان نہیں ہے۔ تمہارے پاس دنیا کی ہر شے ہے لیکن تم نہیں ہو۔ ایک بے پناہ الم اس کا نتیجہ ہے۔ تمہارے پاس ساری لذتیں ہیں، دولت ہے، وہ سب کچھ ہے جس کا کبھی انسان نے خواب دیکھا تھا۔۔۔ اور صدیوں کی اس ساری کوشش کا حاصل کیا ہے: دفعتاً تم پاتے ہو کہ تم نہیں ہو، تمہارے اندر خلا ہے، ادھر کوئی نہیں ہے۔

مشرق بھی اپنے ہی الم کا شکار ہے۔ خارجی دنیا کو غیر حقیقی سمجھنے کی وجہ سے سائنسی ترقی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ سائنس کو معروضی ہونا پڑتا ہے۔۔۔ لیکن اگر معروضی اشیاء صرف وہم ہوں تو وہموں کا تجزیہ کرنا اور فطرت کے رازوں کو پانا فضول لگتا ہے۔ پس مشرق صدیوں سے مفلس ہے، بھوکا ہے، ہر طرح کی غلامی کا شکار ہے۔

غلامی کے یہ دو ہزار سال کوئی اتفاق نہیں ہیں۔ مشرق اس کے لیے تیار تھا اس نے اسے قبول کیا ہے۔ تم خواب میں آقا ہو یا غلام اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ خواب میں تمہیں لذیذ کھانے کھلائے جائیں یا تم بھوکے رہو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ جس لمحے تم جاگتے ہو دونوں خواب جھوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ مشرق نے بھوکا، غلام اور مفلس رہنا قبول کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک مختلف گیسٹالٹ کو منتخب کیا ہے۔۔۔ داخل حقیقی ہے۔

مشرق نے خاموش، پُرسکون رہنے اور اپنے داخل کی گہرائیوں سے ابھرنے والی مسرت سے لطف اندوز ہونا سیکھا ہے۔ تاہم تم اسے کسی کو دے نہیں سکتے ہو۔ یہ مطلقاً انفرادی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ تم اس کے بارے میں بات کر سکتے ہو۔ پس مشرق ہزاروں برسوں سے روحانیت شعور، گیان اور مراقبے کی باتیں کر رہا ہے اور باہر سے فقیر، بیمار، بھوکا اور غلام رہا ہے۔ کون سنتا ہے ان غلاموں کی باتیں اور ان کے عظیم فلسفوں پر دھیان کون دیتا ہے؟ مغرب تو ان پر ہنس دیتا ہے۔ تاہم ہنسی یک طرفہ نہیں ہے۔ مشرق بھی یہ دیکھ کر ہنستا ہے کہ مغرب والے اشیا کو جمع کرتے رہتے اور اپنے آپ کو گنواتے رہتے ہیں۔ ہم ہزاروں برس سے ایک نہایت عجیب شیزوفرینک ذہنی حالت میں جی رہے ہیں۔

تم کہتے ہو، ''مغرب میں خوشی کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ محض اچھا وقت گزارا جائے۔'' صرف ایک الم زدہ انسان ہی کو اچھا وقت گزارنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے

ایک بیمار انسان کو دوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایک الم زدہ انسان کو اچھا وقت گزارنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے الم سے فرار کی یہ ایک بڑی عیارانہ حکمت عملی ہے۔ الم سے فرار ممکن نہیں ہے۔ تم صرف وقتی طور پر بھول جاتے ہو کہ تم الم زدہ نہیں ہو۔ منشیات کے زیر اثر یا جنسی عمل کے اثرات کے تحت یا تمہارے نام نہاد اچھے وقت کے اثرات کے تحت۔ تم حقیقتاً کرتے کیا ہو؟ تم اپنے خالی پن سے فرار ہو رہے ہوتے ہو۔ تم ہر کام کرتے ہو صرف اس لیے کہ تم اپنی ذات سے خوفزدہ ہو۔

اس سے ایک خاص طرح کا پاگل پن پیدا ہوا ہے۔ تاہم چونکہ مغرب کا ہر فرد ایک ہی کشتی کا سوار ہے اس لیے اس پاگل پن کی شناخت بہت مشکل ہو گئی ہے۔ لاکھوں لوگ فٹبال دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اور تم ایسے لوگوں کو ذہین کہتے ہو؟ پھر تم کیسے لوگوں کو پاگل کہتے ہو؟ نہ صرف یہ لوگ فٹ بال جیسے کھیل میں محو ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اچھلتے کودتے ہیں' چیختے ہیں' لڑتے ہیں۔۔۔ اور چونکہ اتنے وسیع سٹیڈیم نہیں ہیں کہ پورا ملک ان میں سما سکے' پس ہر شخص ٹیلی ویژن کے سامنے کرسی پر چپکا بیٹھا ہوتا ہے۔۔۔ اور وہ بھی وہی احمقانہ حرکتیں کرتے ہیں' کرسی پر بیٹھے بیٹھے چیختے ہیں۔۔۔

میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جس نے اپنی ٹیم کو ہارتا دیکھ کر ٹیلی ویژن توڑ دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا'' کیا تم پاگل خانے جانے کو تیار ہو؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ فٹ بال بچوں کے لیے ہونی چاہیے۔ تم اس عمر سے بہت پہلے گزر چکے ہو لیکن ذہنی طور پر تمہاری عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ تم نے اپنے ٹیلی ویژن کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس سے مجھے شبہ ہو گیا ہے کہ تم پاگل ہو۔''

گزشتہ برس یونیورسٹی آف کیلفورنیا نے باکسنگ میچوں کا ایک سال پر محیط سروے کروایا۔ باکسنگ ایک گندا' غیر انسانی' حیوانی کھیل ہے۔ سروے سے پتا چلا کہ جب بھی باکسنگ کا میچ ہوتا ہے پوری ریاست کیلیفورنیا میں جرائم کی شرح تیرہ چودہ فیصد بڑھ جاتی ہے۔ جرائم کی شرح میں یہ اضافہ باکسنگ میچ کے کم از کم ایک ہفتے بعد تک برقرار رہتا ہے پھر شرح رفتہ رفتہ معمول پر آ جاتی ہے۔

لوگ قتل کرنے لگتے ہیں' خودکشی کرنے لگتے ہیں' زنا کرنے لگتے۔ ہر قسم کے جرم کا ارتکاب اچانک بڑھنے لگتا ہے۔ اس کے باوجود کسی عدالت نے باکسنگ کو ایسا مجرمانہ

کھیل قرار نہیں دیا جس پر فوراً پابندی عائد کر دی جانی چاہیے۔ اگر حکومت کوشش کرتی بھی تو سارا ملک پارلیمنٹ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا اور احتجاج برپا کر دیتا۔۔۔ کیونکہ باکسنگ بھی ''اچھا وقت گزارنے کا'' ایک ذریعہ ہے۔ دو احمق مکے بازی کر رہے ہیں' تم بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہو لیکن خود کو قابو میں رکھتے ہو۔ اب یہ ''اچھا وقت گزارنا'' ہے کیونکہ کوئی شخص لڑ رہا ہے اور تمہاری دبی ہوئی توانائی خارج ہو رہی ہے۔

اس بات کو سمجھنا ہو گا۔ تم وحشیانہ طرز عمل اپنانے والے' ایک دوسرے کو زخمی کرنے والے دو آدمیوں میں دلچسپی کیوں لیتے ہو؟ یقینی بات ہے تم بھی ایسی ہی خواہشات رکھتے ہو۔ شاید تم میں ہمت نہیں ہے۔۔۔

تاہم یہ زیادہ پیچیدہ شے ہے۔ سارا مغرب دھیرے دھیرے محض تماشائی بن رہا ہے۔ کوئی شخص فلم میں محبت کرتا ہے' کوئی شخص باکسنگ میچوں میں لڑتا ہے' کوئی شخص فٹ بال کھیلتا ہے اور تم ان لوگوں کی جگہ خود کو تصور کر رہے ہوتے ہو۔ یہ اچھا ہے کہ سینما گھروں میں اندھیرا ہوتا ہے۔ میں نے لوگوں کو سینما گھروں میں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ حالانکہ انہیں پورا پورا علم ہوتا ہے کہ سامنے محض ایک خالی سکرین ہے اور یہ فلم ہے۔ میں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا ہے' میں نے لوگوں کو جوش میں کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔۔۔ اور میں ہمیشہ حیران ہوا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے انسان نے سب کچھ پروفیشنلز پر چھوڑ دیا ہے اور خود محض تماشائی بن گیا ہے۔

واضح بات ہے کہ پروفیشنلز تمہاری نسبت بہتر کام کر سکتے ہیں۔ تاہم یاد رکھو معاملات یہیں نہیں رکیں گے۔ ایک وجودی ناول میں مصنف نے مستقبل کے حوالے سے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ جلد ہی صرف ملازم ہی محبت کیا کریں گے۔ تمہیں کیا فکر ہے؟۔۔۔ تم ملازمہ کو رقم ادا کر سکتے ہو۔ تمہاری بیوی کیوں فکر کرے؟۔۔۔ وہ بھی ملازم کو رقم ادا کر سکتی ہے۔

ایک شخص بہت امیر تھا لیکن اسے شک تھا کہ وہ نفسیاتی مریض ہے۔ اس نے ایک بہت مہنگے نفسیاتی معالج سے علاج شروع کرایا۔ وہ نفسیاتی معالج فی گھنٹہ کئی سو ڈالر فیس لیا کرتا تھا۔

مریض نے نفسیاتی معالج سے علاج شروع کرایا۔ وہ دو دو تین تین گھنٹے کاؤچ پر لیٹے ہوئے باتیں کرتا رہتا اور نفسیاتی معالج خاموشی سے بیٹھا سنتا رہتا۔ تاہم مریض کی باتیں اسے پاگل بنانے

لگی تھیں۔کیونکہ وہ ہر روز دو دو تین گھنٹے مسلسل باتیں کرتا رہتا تھا۔

آخراس نے ایک تدبیر سوچی۔اس نے مریض سے کہا" آپ کی وجہ سے میں اپنے دوسرے مریضوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ایسا کرتے ہیں کہ میں ٹیپ ریکارڈ آن کر جایا کروں گا۔آپ کی ساری باتیں اس میں ریکارڈ ہو جائیں گی اور پھر میں رات کو زیادہ توجہ سے کیسٹ سن لیا کروں گا کیونکہ یہاں تو میں فکر مند رہتا ہوں کہ دوسرے مریض منتظر ہوں گے۔"

امیر آدمی فوراً راضی ہو گیا۔نفسیاتی معالج کا خیال تھا کہ وہ بآسانی نہیں مانے گا۔اگلے دن جب نفسیاتی معالج اپنے کلینک میں داخل ہوا تو امیر آدمی باہر نکل رہا تھا۔اس نے پوچھا" کہاں جا رہے ہو؟ تمہارے آج کے سیشن کا کیا ہو گا؟"

مریض نے جواب دیا" میں نے بھی ایک ترکیب سوچی ہے۔میں نے بھی رات کے وقت خاموشی اور تنہائی میں اپنے ٹیپ ریکاڈر میں باتیں ریکارڈ کر لی تھیں۔اب میرا ٹیپ ریکارڈر کاؤچ پر رکھا ہوا ہے اور وہ تمہارے ٹیپ ریکارڈر سے باتیں کر رہا ہے۔میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں؟"

لوگ اتنے خارجیت پسند ہو گئے ہیں کہ وہ لحہ بھر بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔لوگ بے کل ہیں' بے چین ہیں۔کیا خوف ہے؟ خوف یہ ہے کہ ہو سکتا ہے تمہارا اپنے خالی پن سے سامنا ہو جائے۔تمہاری زندگی کی ساری دلچسپی کھو جائے گی۔۔۔سارا رس' ساری معنویت' ساری اہمیت غارت ہو جائے گی۔

ہر شخص اپنے آپ سے دور بھاگ رہا ہے۔یہ لوگ اپنے آپ سے دور بھاگنے کو "اچھا وقت گزارنا" کہتے ہیں۔

مغربی انسان کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔۔۔میں ساری دنیا میں پھر چکا ہوں اور ہر قسم کے احمقوں کو دیکھ چکا ہوں۔مغربی انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں۔پہلا ہے اچھا وقت گزارنا اور دوسرا ہے اس کے خمار میں رہنا۔جب خمار ختم ہوتا ہے تو اچھا وقت گزارنے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔وہ اسی منحوس چکر میں کہیں پہنچے بغیر اپنا

زندگیاں ضائع کیے چلے جا رہے ہیں۔قبر تک پہنچنا' کہیں پہنچنا نہیں کہلا سکتا ہے۔اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ پہیہ اب اچھا وقت گزار گزار کر اور خمار میں رہ کر اتنا اکتا گیا ہے اور تھک گیا ہے کہ اب قبر میں آرام کرنا چاہتا ہے۔لوگ صرف اپنی قبروں میں آرام کرتے ہیں۔قبر کے باہر آرام کا کوئی وقت ہی نہیں ہوتا۔

مشرق میں ہم نے مختلف گیسٹالٹ کا انتخاب کیا ہے۔ہم نے خزانوں کو' رازوں کو اور بھیدوں کو پا لیا ہے۔لیکن داخل کی مشکل یہ ہے کہ تم اسے ٹھوس مادی روپ نہیں دے سکتے۔تم اسے کسی عدالت میں ثابت نہیں کر سکتے۔تمہارے پاس تو کوئی عینی شاہد تک نہیں ہوتا۔تم اپنے سوا کسی کو اپنی داخلی دنیا میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔فطری بات ہے کہ مشرق نے ڈھیرے ڈھیرے خلوت پسند لوگ تخلیق کر لیے ہیں۔یہ خلوت پسند لوگ ہجوم سے خوفزدہ رہتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کے اندر کی خاموشی' ان کے اندر کا ٹھہراؤ' ان کے اندر کا سکون برقرار رہے۔اس کا نتیجہ انہوں نے یہ نکالا کہ دنیا کو ترک کر دو' ہمالیہ پر چلے جاؤ یا دور جنگلوں میں نکل جاؤ' جہاں تم مطلقاً اپنے ہو سکو۔

تاہم دونوں متبادل نصف انسان کو چن رہے ہیں۔جس لمحے تم نصف انسان کو چنتے ہو تم کسی نہ کسی مصیبت کے شکار ہو جاتے ہو۔مصیبتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔تاہم مصیبت کا شکار ہونا یقینی ہے۔مشرق اپنے گوتم بدھ' مہاویر' بودھی دھرما اور کبیر کی وجہ سے مصیبت زدہ ہے اور مغرب گیلیلیو' کوپرنیکس' کولمبس' البرٹ آئن سٹائن اور برٹرینڈ رسل کی وجہ سے مصیبت زدہ ہے۔یہ مشرق اور مغرب کے عظیم لوگ ہیں اور ان سب عظیم لوگوں نے نصف انسان کا انتخاب کیا تھا۔انسانی الم کا بنیادی سبب آج تک یہی ہے کہ نصف انسان کو منتخب کیا جاتا رہا ہے۔

میں تمہیں پورے انسان کی تعلیم دیتا ہوں۔داخل بھی حقیقی ہے۔اسی طرح جس طرح کہ خارج حقیقی ہے۔خارج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ داخل۔تمہیں ایک خاص توازن پانا ہی ہو گا۔۔۔ایک ایسا توازن کہ جس میں نہ تو داخل حاوی ہو اور نہ خارج۔بلکہ دونوں ایک دوسرے کو تکمیل دیتے ہوں' مساوی ہوں۔اب تک تو ایسا نہیں ہوا ہے۔تاہم جب تک ایسا نہیں ہو گا اس وقت تک دنیا میں نوعِ انسان کی بقا کا کوئی امکان نہیں ہے۔مغرب اپنی کامیابی کی وجہ سے مر رہا ہے۔مشرق پہلے اپنی کامیابی کی وجہ سے مر چکا ہے۔عجیب سی بات ہے کہ لوگ اپنی فتوحات کی وجہ سے مر چکے ہیں نصف کو منتخب کرنا

خطرناک ہے۔تاہم کُل کو چننے کے لیے جرأت کی ضرورت ہے۔بصیرت کی اور بہت زیادہ فہم کی ضرورت ہے۔نیز ایک تحرک بھی ضروری ہے۔۔۔جس طرح تم اپنے گھر سے باہر آتے اور واپس گھر میں چلے جاتے ہو اسی طرح تم اپنی ہستی سے باہر آیا کرو اور دوبارہ اپنی ہستی کے اندر چلے جایا کرو۔کتنی سادہ سی بات ہے یہ۔

جب ضرورت ہو تو اپنی کاملیت کے ساتھ بازار جاؤ۔بازار تمہاری روح کو برباد نہیں کر سکتا۔جس شخص نے بھی دنیا کو ترک کرنے کا پرچار کیا ہے وہ نوعِ انسان کا دشمن تھا۔ اپنے داخل کا رُخ کرنا، مراقباتی خاموشی اپنانا بھی غلط نہیں ہے۔تمہیں خارج کی مذمت نہیں کرنی چاہیے اور اسے مایا نہیں کہنا چاہیے۔اس حقیقت کو سمجھنا تو بہت آسان ہے۔میں حیران ہوں کہ ہزاروں برس گزر چکے ہیں لیکن پوری دنیا میں اس کو کہیں نہیں سمجھا گیا۔

مجھے آدی شنکر یاد آ گیا۔وہ دنیا کو مطلقاً وہم قرار دینے والا فلسفی تھا۔ایک صبح وہ گنگا سے اشنان کر کے نکلا۔سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اس اندھیرے میں کوئی شخص اس سے ٹکرا گیا۔اس شخص نے معذرت کی اور کہا ''میں ایک شودر ہوں۔میرا تو سایہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔مجھے معاف کر دیجئے۔میں آپ کو دیکھ نہیں سکا تھا۔''

شنکر بہت مشتعل ہوا۔اس نے کہا ''مجھے اپنے آپ کو پاک کرنے کے لیے دوبارہ اشنان کرنا پڑے گا۔'' اسے پتا نہیں تھا کہ وہ شخص کون ہے۔

اس شخص نے کہا ''اشنان کرنے سے پہلے میرے چند سوالات کے جواب تو دے دیجئے۔پہلا سوال یہ ہے کہ اگر خارج غیر حقیقی ہے تو کیا آپ مجھے حقیقت مانتے ہیں؟ میں یقینی طور پر آپ سے باہر ہوں۔ اگر خارج غیر حقیقی ہے تو ہندوؤں کے مقدس دریا گنگا کی حقیقت کیا ہے؟ یہ داخل میں ہے یا خارج میں؟ آپ جتنے چاہیں اشنان کر لیں میں ان سوالوں کے جواب ملنے تک یہیں ہوں۔میں بار بار آپ کو چھوتا رہوں گا۔''

ہندو یہ واقعہ سنانا پسند نہیں کرتے۔آدی شنکر بھی اتنا بددیانت تھا کہ وہ اس واقعے

کے بعد بھی خارج کو مایا ہی بیان کرتا رہا۔تمہیں ہر روز خارجی کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں ہر روز خارجی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔اور اس پر بھی خارج غیر حقیقی ہے؟ یہ نری بکواس ہے، اور اب وقت آ گیا ہے کہ ان سب لوگوں کی مذمت کی جائے جنہوں نے دنیا کو ترک کیا اور جو دنیا کو تعلیم دے رہے ہیں کہ خارج خواب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مجھے تو اس پر یقین نہیں ہے۔۔۔اگر خارج غیر حقیقی ہے تو تم کسے تعلیم دے رہے ہو؟ اگر خارجی دنیا غیر حقیقی ہے تو پھر تم کس کو ترک کر رہے ہو؟ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہمالیہ کی طرف؟ ہمالیہ بھی تو بازار کی طرح خارجی ہے۔

مغربی ذہن پر بھی اسی قسم کی حماقت مسلط ہے۔ایک سائنس دان اپنی لیبارٹری میں کام کرتے وقت تو مکمل طور پر عقلیت پسند ہوتا ہے۔لیکن جس لمحے تم اس سے اس کے بارے میں پوچھتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ داخل میں تو کوئی نہیں ہے۔وہ نہیں دیکھتا کہ وہ کتنی غیر منطقی بات کر رہا ہے۔اگر داخل میں کوئی نہیں ہے تو لیبارٹری میں کام کون کر رہا ہے؟ اگر داخل میں کوئی نہیں ہے تو کون مشاہدہ کر رہا ہے، حساب کتاب کر رہا ہے، نتائج اخذ کر رہا ہے؟ سائنس سچی ہے جبکہ سائنس دان کہتا ہے کہ وہ خود سچ نہیں ہے۔

ان دو احمقانہ نظریات نے پوری نوعِ انسان کو تباہ کر دیا ہے۔۔۔اس کے سکون کو، اس کی محبت کو، اس کے شکوہ کو، اس کے وقار کو۔انہیں بحال کرنا ہوگا۔میں آدی شنکر اور کارل مارکس کو بیک وقت مسترد کرتا ہوں۔میں دہریئے کے بھی خلاف ہوں اور بھگوان کو ماننے والے کے بھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حقیقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔حقیقت، جو کہ دکھائی نہیں دے سکتی۔خارج داخل کے بغیر وجود پذیر نہیں ہو سکتا، نہ ہی داخل خارج کے بغیر وجود پذیر ہو سکتا ہے۔دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

تاہم تم مانو یا نہ مانو، پوری انسانی تاریخ میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ جس میں انسان کو ایک قرار دیا گیا ہو کہ جس میں خارج اور داخل کو متضاد نہیں مساوی اور ایک دوسرے کو مکمل کرنے والا قرار دیا گیا ہو، یہ کہا گیا ہو کہ دونوں الگ الگ موجود نہیں ہو سکتے، کہ دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں اور دونوں کو اکٹھے استعمال کیا جانا چاہیے۔صرف تبھی انسان اپنی حقیقی رفعتوں کو چھو سکتا ہے اور اپنی حتمی بہار میں کھل سکتا ہے۔

تم نے کہا ہے ''مغرب میں خوشی کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ شور مچایا جائے، اونچی

آواز میں موسیقی سنی جائے، فلمیں دیکھی جائیں، تمباکو نوشی کی جائے، جنسی عمل کیا جائے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں توانائی خارج کی جائے۔''

یہ نصف پہلو ہے۔۔۔ان لوگوں نے خارجیت پسند بننے کا انتخاب کیا ہے اور وہ اپنے داخلی مرکز کو فراموش کر چکے ہیں۔ تاہم وہ اس سے اکتانے لگے ہیں۔ اب سورین کیر کیگارڈ، مارٹن ہائیڈیگر، کارل جیسپر، مارسل، ژاں پال سارتر جیسے عظیم ترین مغربی فلسفی اس بات سے متفق ہیں کہ زندگی لایعنی ہے۔ یہ اکتاہٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سب ایسے فلسفوں کا ماحصل صرف یہ ہے۔ خودکشی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ میں نے اوپر جتنے فلسفیوں کے نام لیے ہیں' ان میں سے کسی نے بھی خودکشی نہیں کی۔

اس سے مجھے ایک عظیم یونانی فلسفی زینو یاد آیا۔ اس نے دو ہزار سال پہلے ایسی ہی تعلیم دی تھی۔ اس نے طویل زندگی بسر کی۔ وہ ننانوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔ تاہم وہ اتنا قائل کرنے والا متاثر کرنے والا شخص تھا کہ ہزاروں لوگوں نے صرف اس وجہ سے خودکشی کر لی تھی کہ وہ زندگی کو بامعنی ثابت نہیں کر سکے تھے۔ اگر زندگی میں کوئی معنویت نہیں ہے تو اس کا سادہ سا مطلب ہے کہ تم بزدل ہو اور اپنے آپ کو گھسیٹے چلے جا رہے ہو۔۔۔ ہمت کرو اور خودکشی کرلو۔ جب زینو مر رہا تھا تو ایک شخص نے اس سے پوچھا'' زینو! تمہاری تعلیمات کی وجہ سے ہزاروں نوجوانوں نے خودکشی کر لی۔ سوال یہ ہے کہ تم نے خود اپنے فلسفے پر عمل کیوں نہیں کیا؟''

فلسفی بنیادی طور پر بہت چالاک، عیار لوگ ہوتے ہیں۔ زینو نے کہا'' میں نے زندگی کا عذاب صرف اسی لیے سہا ہے تا کہ لوگوں کو سچ سے آگاہ کر سکوں۔'' تمہیں اس کی پوجا کرنی چاہیے کہ وہ اس لیے زندہ رہا تا کہ تم خودکشی کر سکو۔

مغرب کے ان پانچوں عظیم فلسفیوں کو خودکشی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انہیں صرف اکتاہٹ، لایعنیت، کرب کے بارے میں لکھنے سے دلچسپی تھی۔ وہ سب اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ خودکشی واحد راستہ دکھائی دیتی ہے لیکن ان میں سے کسی نے خودکشی نہیں کی۔

مغرب اپنی کامیابی کی وجہ سے حتمی ناکامی سے دوچار ہو چکا ہے۔ اس کی ناکامی بہت خطرناک ہے کیونکہ اس کے پاس تباہ کن قوت ہے۔ اس کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ ان ایٹمی ہتھیاروں سے کرۂ ارض کو ایک بار نہیں بلکہ 70 بار تباہ کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر ہر انسان ایک مرتبہ مرتا ہے لیکن مغرب کے سیاست دان اور سائنس دان کوشش کر رہے ہیں کہ

ہر انسان ستر مرتبہ مرے۔ میرا خیال ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو ستر مرتبہ مر کر دوبارہ زندہ ہوگا۔

تاہم سیاست دان کرۂ ارض کو ستر مرتبہ تباہ کرنے پر تیار ہیں۔ خارجی انسان کو حقیقت تصور کرنے کے مغربی فلسفے کی کامیابی یہ ہے! مشرق میں اس سے بہتر نہیں ہوا ہے۔ مشرق کے تقریباً پانچ کروڑ انسان فاقہ زدہ ہیں۔ اس صدی کے آخر تک تقریباً 50 لاکھ انسان موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ میں چین، تائیوان، جاپان، کوریا کی نہیں صرف ہندوستان کی بات کر رہا ہوں۔ جب تک سائنس و ٹیکنالوجی سے مدد نہیں لیں گے بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلے سے نجات پانا ممکن نہیں۔

مشرق کے حوالے سے میرا فہم یہ ہے کہ مشرق کے لوگ مغربی تعلیم بھی حاصل کر آئیں تو ان کے اندر کی حماقت ویسی ہی برقرار رہتی ہے۔ میں نے سائنس میں ڈاکٹریٹ کر کے آئے ہوئے ہندوستانیوں کو ہنومان یعنی بندر دیوتا کی پوجا کرتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات تو میں سوچتا ہوں کہ اندھا ہونا بہتر ہوتا ہے۔ بندر دیوتا، ہاتھی دیوتا کی پوجا کرنے والے یہ لوگ سائنسی ذہن کے حامل نہیں ہیں ممکن ہے انہوں نے سائنسی تعلیم حاصل کر لی ہو تاہم یہ ایک بالکل مختلف بات ہے۔

سائنس کے بارے میں جاننا ایک چیز ہے جبکہ سائنس کے حوالے سے تخلیقی ہونا دوسری چیز ہے۔ مراقبے کے بارے مین جاننا ایک چیز ہے اور مراقبہ کرنا بالکل مختلف ہے۔ مغرب کو ایک زیادہ مراقباتی ذہن کی ضرورت ہے اور مشرق کو زیادہ سائنسی ذہن کی ضرورت ہے۔ تب ہم ایک ایسی نوعِ انسان پا سکتے ہیں جو غربت اور بھوک سے خالی ہو اور زیادہ صحت مند ہو، لوگوں کی عمریں طویل ہوں۔۔۔ اتنی طویل کہ تم سوچ بھی نہ سکتے ہو۔

سائنس بتاتی ہے کہ ہمارا موجودہ جسم تین سو سال تک زندہ رہنے کے قابل ہے۔ اگر درست خوراک، درست حفظانِ صحت، درست ماحول مل جائے تو یہی لوگ تین سو سال تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں اگر گوتم بدھ تین سو سال تک زندہ رہتے تو کیا ہوتا؟ اگر آئن سٹائن تین سو سال تک زندہ رہتا تو کیا ہوتا؟ اگر برٹرینڈ رسل تین سو سال زندہ رہتا تو کیا ہوتا ہے؟

اب تک تو ہم رائیگانی کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ تربیت یافتہ، تعلیم یافتہ، تہذیب یافتہ لوگ بوڑھے ہوتے ہیں اور ستر برس کی مر جاتے ہیں۔۔۔ اور نئے لوگ۔۔۔ بالکل غیر تعلیم یافتہ اور وحشی لوگ، دنیا میں آ جاتے ہیں۔ دنیا کے انتظام کا یہ کوئی سائنسی انداز

نہیں ہے۔ تمہیں ایسے لوگوں کو ریٹائر کرنا پڑتا ہے جو علم والے ہیں اور ایسے لوگوں کو ملازمت دینا پڑتی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتے۔

انسانوں کی زندگیاں طویل کی جاسکتی ہیں۔ برتھ کنٹرول پر سختی سے عمل کیا جانا چاہیے۔ ایک بچے کو صرف اسی وقت پیدا ہونے دیا جائے جب ہم کسی برٹرینڈ رسل کو دنیا چھوڑنے کی اجازت دینے پر آمادہ ہوں۔ جب تک متبادل نہ ہو ہم برٹرینڈ رسل کو دنیا چھوڑنے نہیں دیں گے۔ متبادل کا ہر امکان ہے کیونکہ ہم جینز میں موجود سارا پروگرام پڑھ سکتے ہیں۔ ہم تمام امکانات سے واقف ہوسکتے ہیں کہ ایک شخص پکاسو کے مرتبے کا مصور بنے گا یا رابندر ناتھ ٹیگور جیسا شاعر بنے گا' وہ کتنی لمبی عمر پائے گا' وہ بیمار ہوگا یا صحت مند۔ ہم نہ صرف جینز کا مستقبل کا پروگرام پڑھ سکتے ہیں بلکہ ہم اس پروگرام کو تبدیل بھی کرسکتے ہیں۔ بیمار شخص کو ابتدا ہی سے ایسا بنایا جاسکتا ہے کہ وہ صحت مند زندگی بسر کرے اور احمقوں سے بچا جاسکتا ہے' ذہنی معذوروں سے بچا جاسکتا ہے۔

ہستی ہر شے اتنی فراواں دیتی ہے کہ اگر تم انتخاب نہیں کرتے تو انتشار پیدا ہو جائے۔ ہر مرد کم از کم چار ہزار بچوں کا باپ بن سکے گا۔ وہ ہر مرتبہ دس لاکھ سپرم خارج کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مرد پورے ہندوستان کو جنم دے سکتا ہے۔ ایسی فراوانی کا مطلب ہے کہ تمہیں بہت زیادہ انتخاب سے کام لینا ہوگا۔ فطری بات ہے اتنی بھیڑ میں تم زیادہ رابندر ناتھ ٹیگور تو نہیں پاسکو گے۔ خود رابندر ناتھ اپنے والدین کا تیرھواں بچہ تھا۔ اس سے پہلے اس کے والدین نے بارہ ایسے بچوں کو جنم دیا جو کسی اہلیت کے حامل نہیں تھے۔ ان سے بچا جاسکتا تھا۔ رابندر ناتھ ان کا پہلا بچہ ہوسکتا تھا۔ کون جانے کتنے رابندر ناتھ اس دنیا میں نہیں آسکے؟ ہمیں خارج کے حوالے سے ایک نہایت سائنسی اور داخل کے حوالے سے ایک نہایت مراقباتی سوچ اپنانی ہوگی۔ تم کہتے ہو کہ ''خاموشی اور ٹھہراؤ کو اکتاہٹ سے جوڑ دیا گیا ہے' جو ٹینشن اور اضطراب کو جنم دیتی ہے۔''

اگر اشیاء جوں کی توں رہیں تو یہ درست ہے۔ اگر تم اپنی توانائی کو استعمال نہیں کرو گے تو ایسا ہوگا۔ تم کھانا کھا کر' سانس لے کر' پانی پی کر اپنی توانائی میں اضافہ کر رہے ہو۔ اسے استعمال کرنا ہوگا ورنہ وہ ٹینشن بن جائے گی اور بالآخر اضطراب میں ڈھل جائے گی۔ تاہم اگر میرے نظریے کو سمجھ لیا گیا۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تم نصف خارج ہو' نصف داخل۔

اپنی توانائی کو خارجی دنیا میں تخلیقی سرگرمیوں میں استعمال کرو۔۔۔ فٹ بال میں نہیں۔ تخلیق کرنے کو بہت کچھ ہے' دریافت کرنے کو بہت کچھ ہے' اتنی وسیع و عریض کائنات تمہارے دریافت کرنے کو مہیا ہے۔ اپنی توانائیاں دنیا کو زیادہ خوبصورت زیادہ شاعرانہ' زیادہ صحت مند بنانے کے لیے استعمال کرو۔

اور جب تم محسوس کرو کہ تم تھک گئے ہو تو اندر کا رخ کرو۔ آرام کرو۔۔۔ اور تمہارا آرام تمہارا مراقبہ بن جائے گا کیونکہ مراقبے میں توانائی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس وہ توانائی کو محفوظ رکھتا ہے' وہ تمہیں عظیم توانائی کا تالاب بنا دیتا ہے۔ جب تم محسوس کرو کہ تمہاری داخلی خاموشی اور ٹھہراؤ اور خوشی باہر رقص کرنا چاہتے ہیں تو دونوں تمہارے ہیں۔ گاؤ' رقص کرو' تخلیق کرو اگر تمہاری تخلیقیت تمہارے دل کی خاموشی سے ابھرے گی تو وہ ایک مختلف کیفیت کی حامل ہوگی' ایک مختلف خوشبو کی حامل ہوگی۔

یہ صرف تھوڑی سی ذہانت اور توازن کا سوال ہے۔ داخل تمہاری توانائیوں کا سرچشمہ ہے' خارج دنیا ہے جہاں اس توانائی نے تخلیق کرنا ہے۔ تخلیق کار بنو۔

تاہم تم اس وقت تک تخلیق کار نہیں بن سکتے جب تک مراقبہ نہیں کرتے۔

میرے سنیاس کی تعریف نئی ہے۔ سنیاس کی پرانی تعریف میں دنیا کو ترک کرنا مقصود ہوتا تھا۔ میرے سنیاس کا مطلب دنیا میں خوشی منانا ہے۔ تاہم اس سے پہلے کہ تم خوشی مناؤ' تمہیں اتنی زیادہ توانائی جمع کرنی چاہیے کہ محبت' حساسیت' تخلیقیت' شاعری' گیت اور رقص تم میں سے جھلکنے لگیں اور یقیناً یہ سب ایک بہت ہمدردانہ صفت کی حامل ہوگی۔ ایسے لوگ متشدد نہیں ہوں گے۔ میں فٹ بال کھیلنے والے مراقباتی شخص کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ گوتم بدھ باکسنگ کھیلے۔ تاہم ایک گوتم بدھ گلابوں کا خوبصورت باغ تخلیق کرسکتا ہے۔ ایک گوتم بدھ مصوری کرسکتا ہے۔۔۔ اور وہ تصویریں پکاسو کی تصویروں سے ہزار گنا اعلیٰ ہوں گی۔ کیونکہ پکاسو تقریباً پاگل تھا۔ اگر تم پکاسو کی کوئی تصویر اپنی خواب گاہ میں لگا لو تو تمہیں ڈراؤنے خواب دکھائی دینا شروع ہو جائیں گے کیونکہ وہ تصویریں پکاسو کے ڈراؤنے خوابوں کی ہی تجسیم ہیں۔

ایسے مراقبہ کرنے والے ہو گزرے ہیں جو تخلیق کار بھی تھے۔ تم تاج محل کو دیکھ سکتے ہو۔۔۔ اسے ضرور صوفیوں نے تعمیر کیا ہوگا۔ ذرا اسے چودھویں کے چاند کی روشنی میں دیکھو۔ تم پر ایسی خاموشی طاری ہو جائے گی کہ جس کو تم نے اپنے اندر کبھی چھوا نہیں ہوگا۔ اگر تم

رات کے وقت تاج محل کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھتے رہو تو اس کا حسن تمہارے اندر تبدیلی پیدا کر دے گا۔ تاج محل وہیں باہر ہی نہیں رہے گا وہ تمہاری ہستی کا ایک حصہ بننے لگے گا۔

میں بیس سال جبل پور میں رہا ہوں۔ میرا ایک پروفیسر تھا۔ میں اسے بہت پسند کرتا تھا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے مجھے پوسٹ گریجویٹ کلاسز میں پڑھایا تھا۔ میں نے اسے کئی مرتبہ جبل پور آنے کی دعوت دی۔ کیونکہ جبل پور میں کوئی ایسی شے ہے جو منفرد ہے اور دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

لیکن بوڑھا پروفیسر کہتا تھا کہ وہ ساری دنیا کی سیاحت کر چکا ہے اس نے سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ وہ کئی ملکوں میں پروفیسر رہ چکا تھا۔ اس کا خیال تھا جبل پور میں ایسی کوئی شے نہیں ہو سکتی جو اسے حیران کر سکتی ہو۔ آخر میں نے اسے راضی کر لیا۔

میں اسے جبل پور کی مشہور سنگ مرمر کی پہاڑیاں دکھانے لے گیا۔ یہ پہاڑیاں جبل پور سے تیرہ میل دور واقع ہیں۔ ایک خوبصورت دریا نرمدا سفید سنگِ مرمر کی پہاڑیوں کے درمیان مسلسل دو میل تک بہتا ہے مسلسل دو میل تک دریا میں سنگ مرمر کی پہاڑیاں منعکس ہوتی ہیں جہاں مطلق خاموشی ہوتی ہے' پرندے تک نہیں ہوتے۔ میں پروفیسر کو ایک کشتی میں بٹھا کر لے گیا۔ جب پروفیسر نے وہ نظارہ دیکھا تو بولا ''مائی گاڈ' اگر میں اس مقام کو دیکھے بغیر مر جاتا تو سمجھو میری زندگی بے کار گزری ہوتی۔ پلیز مجھے ان چٹانوں کو چھو کر دیکھنے دو کہ یہ حقیقی ہیں کہ نہیں۔۔۔ یہ تو مجھے خواب سا لگ رہا ہے۔''

میں کشتی کو چٹانوں کے قریب لے گیا۔ اس نے انہیں چھوا' محسوس کیا اور بولا' ''اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم نے کوئی وہم نہیں گھڑا تھا۔'' اس نے مزید یقین کرنے کے لیے اپنے بازو میں چٹکی بھی بھری تھی کہ وہ شعور میں ہے کہ نہیں۔

چین' جاپان' ہندوستان میں ایسے مندر موجود ہیں جنہیں مراقبہ کرنے والوں نے تخلیق کیا تھا۔ تم صرف ان کے پاس بیٹھو گے تو محسوس کرو گے کہ تمہارے لیے جو کام مشکل رہا ہے وہ خود بخود ہو گیا ہے یعنی تمہارے خیالات خود بخود رک گئے ہیں۔

جب نوعِ انسان مراقباتی پن اور دنیا کے حوالے سے سائنسی سوچ کو باہم ملانا سیکھ جائے گی تو ہم گندے' غیر صحت مند بیمار اور پاگل ماضی سے کٹ کر ایک نئے مرحلے میں' ایک بالکل نئے مرحلے میں داخل ہو جائیں گے۔

بدھا فیلڈ

''ہندوستان میں مراقبہ فطری طور پر عمل میں آتا محسوس ہوتا ہے۔۔۔ بغیر کسی کوشش کے۔ کیا ہندوستان ایک فطری بدھا فیلڈ ہے؟''

ہندوستان محض جغرافیہ یا تاریخ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک قوم' ایک ملک' ایک قطعۂ ارض نہیں ہے۔ یہ اس سے کچھ سوا ہے۔ یہ ایک استعارہ ہے' شاعری ہے' کوئی غیر مرئی لیکن بڑی ٹھوس شے۔ یہ توانائی کے ایسے خاص فیلڈز کا حامل ہے جن کا کوئی دوسرا ملک حامل نہیں ہے۔

تقریباً دس ہزار سال سے ہزاروں لوگ شعور کے حتمی دھماکے تک پہنچ چکے ہیں۔ ان کا ارتعاش آج بھی موجود ہے۔ ان کا اثر فضا میں آج بھی ہے۔ ضرورت بس اتنی ہے کہ تم ایک خاص نظر کے حامل ہو۔ تب تم اس انوکھی سرزمین پر محیط غیر مرئی شے کو دیکھ لو گے۔

یہ انوکھی سرزمین ہے کیونکہ اس نے صرف ایک تلاش کے لیے' سچ کی تلاش کے لیے باقی ہر شے کو ترک کیا ہوا ہے۔ اس نے عظیم فلسفیوں کو جنم نہیں دیا۔ تم یہ جان کر حیران ہو گے۔۔۔ نہ کوئی کانٹ' ہیگل' نہ بریڈلے' نہ برٹرینڈ رسل' ہندوستان کی پوری تاریخ نے کوئی ایک فلسفی بھی پیدا نہیں کیا۔۔۔ اور وہ سچ کو تلاش کر رہے ہیں۔

یقینی بات ہے کہ ان کی تلاش دوسرے ملکوں میں ہونے والی تلاش سے بہت مختلف تھی۔ دوسرے ملکوں کے لوگ سچ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ہندوستان کے

لوگ سچ کے بارے میں سوچ نہیں رہے تھے۔۔۔اس کی وجہ یہ تھی کہ تم سچ کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہو؟ یا تو تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔ سوچنا ناممکن ہے۔ فلسفہ ناممکن ہے۔ یہ ایک سراسر لایعنی سرگرمی ہے۔ یہ ایسے ہی جیسے کوئی اندھا شخص روشنی کے بارے میں سوچے۔۔۔وہ کیا سوچ سکتا ہے؟ ہوسکتا ہے وہ عظیم جینیئس ہو، ممکن ہے وہ عظیم منطقی ہو۔۔۔تاہم اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ تو منطق کی ضرورت ہے، نہ جینیئس کی، ضرورت ہے تو دیکھنے والی آنکھوں کی!

روشنی کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن سوچا نہیں جاسکتا۔ سچ کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن سوچا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا ہندوستان میں لفظ ''فلسفہ'' کا مترادف نہیں پایا جاتا۔ ہم سچ کی تلاش کو ''درشن'' کہتے ہیں اور درشن کا مطلب ہوتا ہے دیکھنا۔

فلسفے کا مطلب ہے سوچنا، اور سوچنا دائروی ہوتا ہے۔ یہ کبھی تجربے کے مقام پر نہیں پہنچتا۔

ہندوستان دنیا کا واحد ملک ہے جس نے اپنا سارا جوہر سچ کو دیکھنے اور سچ بننے کی کوشش میں لگا دیا ہے۔

تم ہندوستان کی پوری تاریخ میں کوئی عظیم سائنس دان نہیں پاسکتے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہاں باصلاحیت لوگ نہیں تھے، ایسا نہیں ہے کہ یہاں جینیئس نہیں تھے۔ ہندوستان میں ریاضی داں موجود تھے تاہم اس نے البرٹ آئن سٹائن کو جنم نہیں دیا۔ پورا ملک کسی معروضی تلاش میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ یہاں دوسرے کو جاننا مقصد نہیں رہا ہے بلکہ اپنے آپ کو جاننا مقصد رہا ہے۔

دس ہزار برس سے لاکھوں لوگ مسلسل ایک ہی کوشش کر رہے ہیں، اس کے لیے ہر شے قربان کر چکے ہیں۔۔۔سائنس، ٹیکنالوجیکل ترقی، دولت۔۔۔سوائے غربت، بیماری، موت کے۔۔۔تاہم انہوں نے کسی قیمت پر بھی اپنی تلاش کو ترک نہیں کیا۔ یہ تمہارے گرد ارتعاشات کا ایک خاص سمندر تخلیق کر چکا ہے۔

اگر تم یہاں تھوڑا سا مراقباتی ذہن لے کر آؤ گے تو اس سے تمہارا ربط قائم ہوجائے گا۔ اگر تم یہاں صرف سیاح کی حیثیت سے آؤ گے تو تم اسے گنوا دو گے۔ تم کھنڈر دیکھو گے، محلات دیکھو گے، تاج محل، مندر، کھجوراہو، ہمالیہ دیکھو گے لیکن تم ہندوستان کو نہیں دیکھو گے۔۔۔تم اس سے ملے بغیر گزر جاؤ گے۔ یہ ہر جگہ ہے لیکن تم حساس نہیں ہو، تم موصول کرنے والے نہیں ہو۔ تم یہاں وہ کچھ دیکھنے آئے ہو جو حقیقی ہندوستان نہیں بلکہ اس کا صرف ڈھانچہ ہے۔۔۔اس کی روح نہیں۔ تم اس ڈھانچے کی تصویریں کھینچو گے اور تم اس ڈھانچے کے البم بناؤ گے اور تم سوچو گے کہ تم ہندوستان دیکھ چکے ہو، تم اسے جانتے ہو۔ تم صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوگے۔

اس کا ایک روحانی حصہ بھی ہے۔ تمہارے کیمرے اس کی تصویریں نہیں کھینچ سکتے۔ تمہاری تربیت، تمہاری تعلیم اس کو گرفت نہیں کرسکتی۔

تم کسی بھی ملک جاسکتے ہو اور تم اس کے لوگوں سے، ملک سے، اس کی تاریخ سے اس کے ماضی سے ملنے کے کاملاً اہل ہوگے۔ تاہم جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو تم ایسا نہیں کرسکتے۔ اگر تم اسے دوسرے ملکوں کے زمرے میں شامل کرنے کی کوشش کرو گے تو تم غلطی کرو گے کیونکہ وہ ملک روحانی ہالہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے کسی گوتم بدھ، مہاویر، آدی ناتھ کو جنم نہیں دیا۔ انہوں نے کسی کبیر، فرید، دادو کو جنم نہیں دیا، اُنہوں نے سائنس دانوں کو جنم دیا ہے، اُنہوں نے شاعروں کو جنم دیا ہے، اُنہوں نے عظیم فنکاروں کو جنم دیا ہے، اُنہوں نے مصوروں کو جنم دیا ہے، اُنہوں نے ہر طرح کے باصلاحیت لوگوں کو جنم دیا ہے۔ تاہم روحانی شخص ہندوستان کی اجارہ داری ہے۔۔۔کم از کم اب تک تو ایسا ہی رہا ہے۔

اور روحانی شخص ایک بالکل مختلف قسم کا انسان ہوتا ہے۔ وہ محض جینیئس نہیں ہوتا، وہ محض ایک عظیم مصور شاعر نہیں ہوتا۔۔۔وہ تو الوہی ہستی کا وسیلہ ہوتا ہے۔ وہ الوہی ہستی کی آمد کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔

اور ہزاروں برس سے لاکھوں لوگ الوہی ہستی کے اس ملک کی فضا میں آنے کے لیے دروازے کھول رہے ہیں۔ میرے نزدیک یہی فضا حقیقی ہندوستان ہے تاہم اسے جاننے کے لیے تمہیں ایک خاص ذہنی حالت میں آنا ہوگا۔

چونکہ تم مراقباتی ہو، تم خاموش ہونے کی کوشش کر رہے ہو اس لیے تم حقیقی ہندوستان کو اپنے ساتھ رابطہ استوار کرنے دے رہے ہو۔

صرف ہندوستان میں مرنے کا فن دریافت کیا گیا ہے۔۔۔جس طرح کہ جینے کا فن دریافت کیا جا چکا ہے۔دونوں ایک ہی عمل کے دو حصے ہیں۔

یہ ایک بھید ہے۔اگر تم کسی بدھا فیلڈ میں مرو گے تو تمہاری موت ایک آزادی ہوگی، جشن ہوگا۔

لوگ صدیوں سے اس سرزمین پر آ رہے ہیں۔یہ ملک غریب ہے' اس ملک کے پاس پیش کرنے کو کچھ نہیں ہے' تاہم جو لوگ حساس ہیں ان کے لیے یہ دنیا کی امیر ترین جگہ ہے' تاہم یہ امارت داخلی ہے۔

تم درست کہتے ہو۔اک ذرا مزید کھلو' مزید پُرسکون ہو جاؤ اور یہ غریب ملک تمہیں ایک عظیم ترین خزانہ عطا کرے گا۔